

نیشاپور کا شاہین

اسلم راہی امیر

دیباچہ

نیشاپور کا شاہین شروع کرنے سے قبل میں تاریخ کے وہ اوراق اٹھنے کا ارادہ کر چکا تھا جن میں بیسویں صدی کے ایک چنگیز خان نے مسلم ثقافت کی اثاثی حیثیت رکھنے والے سمرقند، بخارا، صغناہیان، ترمذ، تاشقند اور دیگر کئی شہروں پر اپنا مستقل قبضہ و استیلا کر لیا تھا۔ لیکن چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر جن میں تاریخی مواد کی نایابی بھی شامل ہے۔ میں اس موضوع پر بکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ تاہم میں ہفت روزہ الحدید گجرات کے ایڈیٹر جناب مسعود الرحمن کا شکر گزار ہوں کہ وہ مجھے اس موضوع پر بکھنے کے لیے برابر اکساتے رہے۔ بہر حال میرا ان سے عہد ہے کہ ایک روز میں دریائے آموں اور دریائے سیہوں کی اس سنہری پٹی پر ضرور قلم اٹھانے کی جرأت کروں گا۔

سیلاب و حرم کی تکمیل کے بعد کسی نئے موضوع پر کوشش کرنے کیلئے میں اکثر تذہذب کی حالت میں دن گزارتا رہا۔ کبھی میں اوپر کے موضوع پر بکھنے کا سوچتا لیکن ہمت نہ ہوتی۔ آخر میں نے اپنا رخ بدلا اور ان حالات کو جاننے کی کوشش کی جو محمود غزنوی کے بعد ایک خلا کی صورت میں ہندوستان میں پیدا ہو گئے تھے۔ میں جس قدر اس موضوع پر سوچتا اسی قدر میری دلچسپی بڑھتی چلی گئی اکثر راتوں کو خوب میں دریائے سرسوتی کے کنارے میں تراوڑی کے میدان میں تران کی جنگوں کا منظر دیکھتا۔ لیکن جب آنکھ کھلتی تو وہی اپنا کمرہ ہوتا جس میں چند بکھری ہوئی تاریخی کتب کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔

یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں محمود غزنوی کے حملوں کے زیر اثر ہونے والے مسلمان شہزادوں سے بھی بدترین زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کی حالت اونٹوں کے ان گلوں جیسی تھی جن کا کوئی ساربان نہ ہو وہ بکریوں کے اس ریوڑ کی مانند غیر محفوظ تھے جن کا کوئی چرواہ کوئی چوپان نہ ہو۔ اور نہروالا سے لے کر

نجر کوٹ اور ٹھنڈا اسے لے کر بنارس تک ہندوستان کے راجہ پتھورا اور کھانڈے
راتے دونوں آسام بھیڑیوں کی طرح دندناتے پھر رہے تھے۔ کسی مسلمان کی عزت
محفوظ نہ تھی۔ کسی کو مذہبی آزادی حاصل نہ تھی۔ ایسے ہیں جبکہ کرشن مرادی کے
بت پرہند کی خوشحالی کی خاطر انسانیت کا بلیدان دیا جا رہا تھا۔ باشعور قدرت
حرکت میں آئی اور غزنی کا وہی قہر ایک بار پھر لڑا اٹھا جس میں سے ایک ایسا
رجل رشید اور بت شکن نکل کر کابل سے سومات اور سیستان سے کشمیر تک
لڑ رہا اور قہرمان طاری کر چکا تھا۔

اس بار ہندوستان کی حالت سنوارنے کے لیے قدرت نے جس شخص کا
انتخاب کیا وہ شہاب الدین غوری تھا۔ اور یہ وہی پہلا مسلم حکمران تھا جس کی
قسمت میں ہندوستان کے اندر ایک مضبوط و منظم حکومت قائم کرنا کھایا ہوا تھا۔
آج ایک بار پھر مسلم قوم ایسے ہی حالات سے دوچار ہے۔ ایک طرف ہم
رنگ، نسل، وطن اور زبان کی اجزائے ترکیبی میں منتشر و پراگندہ تنگ دامانی
کا شکار ہیں تو دوسری طرف ہماری اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان گنت برفانی
بھیڑ تیرے افغانستان کے عوام کا خون چوس رہے ہیں۔ سرخ شعلوں کا رقص
جاری ہے۔ تباہی کی آگ اور مایوسی کے اندھیرے چاروں طرف گہرے
ہو کر پھیل گئے ہیں۔ اور دشمن ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری قسمت کے بذریعہ
نوشتے تحریر کر رہے ہیں۔

آخر افغان جڑیت پسند کب تک کوہستانوں کی غاروں اور تارک گھاؤں
میں چھپ چھپ کر تمام مجاہدوں کی طرح آزادی و جلال فرشتی کی تائید سمجھتے ہیں گے
کب تب جنگیز خان کی روح کے علمبردار اپنی جنوبی کیفیت میں اپنی جہاں سوزی و
تباہ کاری کا کھیل کھیلتے رہیں گے۔ کب تک اسلام کی سرکش لہروں پر سکوت
طاری رہے گا، کب تک ایک عظیم قوم کی سطوت ستمگوں رہے گی اور کب
تک ایک خالی سیپ اپنے موتی کی تلاش میں بھٹکتی رہے گی۔ یہ لایہ سوال

ہیں جو فٹکی پکارا اور کڑوی سیل کی طرح پھیلتے جا رہے ہیں۔ لیکن عالم اسلام کے
پاس ان کا کوئی جواب نہیں ہے۔

خاندان کرام اہم ڈوبتے سورج جھلک تو دیکھتے ہیں پر اس سے عبرت
نہیں لیتے ہم غیر ذمہ داری کے وجد و سماع میں کھو چکے ہیں۔ ہم ٹھنڈے
سہانے سپنوں میں اپنے آپ کو غرق کر چکے ہیں۔ لیکن یہ حیات بخش رنگ
ہم اپنے اوپر زیادہ عرصہ طاری نہ کر سکیں گے۔ آنے والی جوان نسلیں ایک روز
ضرور ہم سے سوال کریں گی کہ ہم شاہینوں کے اندر ابابیل و سارس بن کر کیوں زندگی
گزارتے رہے۔ ہم کیوں بھیڑیوں کے غول میں سہی ہوئی بے بس ہرنی کا کردار
ادا کرتے رہے۔ آخر ہم کس امید پر کس سہانی صبح کی آس میں اپنی جوان نسل کو
یہ بتانے سے گریز کرتے رہیں گے کہ دشمن کیوں ہماری کھوپڑیوں سے اپنے
لیے گلدار بناتا رہا۔

نہ جانے وہ کون ہے۔ وہ کہاں ہے جو مسلم قوم کی اس ڈمگانی کشتی کا نوحہ
بنے گا۔ لیکن میرا ایمان ہے کہ وہ وقت ضرور آئے گا کہ ہمارے مقدر کا کوئی نگہبان
اٹھے گا۔ اس روز ملی رشتے مضبوط اور استوار ہوں گے، مجھے معلوم نہیں کہ
ملت کا وہ اہم ترین دفاعی حصہ کون ہوگا۔ تاہم زندگی کے لٹے ہوئے کارواں
کی راہنمائی کے لیے قدرت کسی کا انتخاب ضرور کرے گی۔ اس روز انسانیت
نیا جنم لے گی اور خون آشام بھیڑیے واپس اپنی تارک گھاؤں کی
طرف بھاگ رہے ہوں گے۔ آخر میں میں وضع اندراہ و کانہ اکا لگڑھ تحصیل
ضلع میرپور کے اپنے اس مرنی و محسن کا شکر گزار ہوں جن کی ہادی اور اخلاقی امداد نے
میرے لیے ایسا باخول پیدا کر دیا کہ میں نیشاپور کا شاہین کو مقررہ وقت سے قبل
انجام دینے میں کامیاب بنے۔ اس محسن کا نام محمد رفیق العصری ہے۔

اعظم راہتی۔ ایم۔ ایسے
۴۴۔ جیدر بلاڈنگ موہنی روڈ لاہور (پاکستان)

آفتاب!

ہندوستان کی اس سرزمین کے نام جو کبھی صلح، آشتی اور
خود داری کو جنم دیتی تھی پر اب تعصب، جنوں اور
خوں ریزی اگتی ہے۔

اسلم راہی۔ ایم۔ اے

سرمایہ کی طویل رات اندھیرے کی دیوار کے سر و سینے سے ٹکرا کر گر رہے تھے
اپنے اعضاء و جوارح توڑ پھڑکتی تھی۔ ہرات سے نیشاپور کی طرف جانے والی کوہستانوں سے
گھری ہوئی شاہراہ عہد در عہد پھیلے ہوئے زمانے کی چپ اور پڑا سرائیوں کی گہری
گیمھاؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ سکوت تھا۔ کوہستانی شاہراہ کے دونوں
جانب خوش نما پودے تھے جن میں کہیں کہیں اونٹ کٹارے اور کانٹے دار جھاڑیاں
بھی تھیں۔ اچانک و بغتہ کوہستانوں کا وہ دیران دامن گھوڑوں کی تیز پاؤں سے گونج
اٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شاہراہ پر تین سوار نمودار ہوئے جو اپنے گھوڑوں کو مارنے بھگاتے
ہرات سے نیشاپور کی طرف سر پٹ دوڑاتے جا رہے تھے۔

ہو سکتے مہابان کا ہر ذرہ جو چپ کی چادر اور طیلسان اوڑھے ہوئے تھا۔
گھوڑوں کی ٹاپوں پر چونک اٹھا۔ پوری دادی پتھروں کی سرد سانس سے معمور ہو گئی
تھی۔ رات کے ہیب پر سمٹ رہے تھے اور وہ اپنے اختتام کو پہنچنے والی تھی۔
تینوں سواروں نے ایک ساتھ اپنے گھوڑوں کو ایک کوہستانی ندی کے کنارے روک
لیا تھا۔ پھر ان میں سے ایک نے مشرق کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے دونوں ساتھیوں
کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میرے رفیقو! فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ آؤ بل کر نماز
پڑھ لیں پھر اپنے سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ تینوں سوار نیچے اترے۔ گھوڑوں کو انہوں
نے پتھروں کے ساتھ باندھ دیا پھر وہ ندی کے کنارے بیٹھ کر وضو کر رہے تھے۔

مشرق کی طرف شب بیدار کی طباشر سحر نمودار ہو گئی تھی۔ کوہستان البرز کی طرف سے آنے والی شمال مغربی اندھی ہوا میں جنوں خیز ہو گئی تھیں جن کی وجہ سے سردی تیز ہو گئی تھی۔ تینوں سواروں نے وضو کرنے کے بعد اپنے گھوڑے کھولے اور ایک پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے وہاں انہوں نے گھوڑوں کے دھانے نکال کر انہیں چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا تھا پھر ان میں سے وہی جس نے اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز کے لیے وہاں روکا تھا۔ ایک پتھر پر کھڑے ہو کر اذان دینے لگا تھا۔ لہجہ خالص عربی تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اذان دینے والا عرب ہے۔ اذان کی آواز سے جنگلی مرغ اور طیور جاگ اٹھے تھے اور فضاؤں میں نئے دن کا الہام ہونے لگا تھا۔

تینوں نے مل کر فجر کی نماز ادا کی پھر وہ اپنے گھوڑوں کو دھانے چڑھانے لگے تھے۔ مشرق میں اندھیرے کی پاتال سے صبح کے بادبان نمودار ہو گئے تھے۔ پھر سورج نمودار ہوا اور اس کی کرنیں غول در غول ان کر زمین پر پگھلتے سونے کی رقصندہ کرنوں کا قفر فری جال بننے لگی تھیں۔ فضاؤں میں اب بے آشیاں ابا بلیں اڑنے لگی تھیں۔ رات بھر کے بھوکے طیور لغات درود و سلام اور زمزمہ سوزناک گاتے ہوئے رزق کی تلاش میں ان جانی سرزمینوں کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ اپنے گھوڑوں کو دھانے چڑھانے چڑھاتے وہ تینوں چونک پڑے اور بڑی حیرت و استعجاب کے عالم میں وہ نیچے ندی کی طرف دیکھنے لگے تھے جس کے کنارے کنارے چند سوار اپنے گھوڑوں کو دھراتے ہوئے ان کی طرف آ رہے تھے۔ ندی کے اس پار شمال مغرب کی طرف کوہستان البرز کی بلند برف آلود چوٹیاں اب دکھائی دینے لگی تھیں۔ وہ شاہراہ جس پر تھوڑی دیر قبل وہ اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے تھے اب صاف اور واضح نظر آنے لگی تھی۔ اس کے دونوں جانب صنوبر کے برسوں پرانے درخت یوں کھڑے تھے جیسے ان گنت پہر دیا رکھڑے دُور تک پھیلے ہوئے اس گونگے راستے کی سنان مسافت کی کوٹھی نگرانی کر رہے ہوں۔

دن کو نور سحر عطا ہو چکا تھا۔ اُجالے کی دودھیا لہریں دُور دُور تک پھیل گئی تھیں تیز ہوا میں درخت جھوم رہے تھے اور پتیاں سرسرا رہی تھیں۔ وہ تینوں پہاڑ کی اس چوٹی

پر کھڑے ہو کر آنے والے سواروں کا انتظار کرنے لگے تھے۔ کسی اچانک خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے انہوں نے اپنی تلواریں بے نیام کر لی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ سوار جنگلی پھولدار جھاریوں سے لدی ہوئی اس پگڑنڈی پر نمودار ہوئے جو ندی کی طرف سے اس پہاڑ کے اوپر آتی تھی۔ وہ تعداد میں بارہ تھے اور بہترین جنگی ہتھیاروں سے مسلح و مرصع تھے وہ ان تینوں کے قریب اپنے گھوڑوں سے اُترے پھر ان میں سے ایک جو شاید ان کا سرخیل درہنما ہو گا۔ ان تینوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ تم لوگ کون ہو اور کہاں جا رہے ہو۔

وہی عرب جس نے اس پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اذان دی تھی چند قدم آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ مسافر ہیں اور نیشاپور کی طرف جا رہے ہیں۔ اس نے پھر لوچھا۔ کہاں سے آ رہے ہو۔ اس عرب نے لمحہ بہ لمحہ اپنی بدلتی حالت اور لاسمت جذبوں کو فالو کرتے ہوئے پتھروں کی طرح مضبوط و مصمم لہجے میں کہا۔ ہم نیشاپور کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ اس کے محافظ بن کر ہند کی سرزمین کی طرف گئے تھے وہ تجارتی کارواں اپنے نفع بخش لین دین کے بعد لوٹ آیا ہے اور سارے تاجر اس وقت ہرات شہر میں مقیم ہیں۔ وہ کچھ روز وہاں رُک کر قیام کریں گے چونکہ انہوں نے ہمیں ہمارا معاوضہ دے کر فارغ کر دیا ہے۔ لہذا ہم اپنے گھروں کو نیشاپور جا رہے ہیں۔

آنے والوں کے سرخیل نے پھر لوچھا۔ کیا تم لوگ نیشاپور شہر کے رہنے والے ہو عرب نے اس بار تھکے تھکے مگر بیزار سے لہجے میں کہا۔ نیشاپور سے صرف چار فرلانگ جنوب کی طرف ایک بستی ہے جس کا نام سمر آباد ہے ہم تینوں اس بستی کے رہنے والے ہیں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد آنے والوں کا سرخیل پھر بولا۔ تم تینوں ہمارے ساتھ ناصر الدین کے پاس چلو اس نے تم تینوں کو طلب کیا ہے۔ عرب نے اس بار برہم ہو کر لوچھا۔ ناصر الدین کون ہے۔ اس سے ہمارا کیا تعلق اور اس نے ہمیں کیوں بلایا ہے۔ نوادار نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ ناصر الدین

۱۔ سواد نیشاپور کی ایک خوبصورت کوہستانی بستی جو اب بھی قائم اور آباد ہے۔

۲۔ ناصر الدین سلطان شہاب الدین غوری کا بھانجا اور صوبہ ہرات کا والی تھا۔

سلطان شہاب الدین غوری کا بھانجا اور صوبہ ہرات کا والی ہے ان دنوں وہ ٹوکنگ شہر میں مقیم ہے۔ یہ شہر صرف دو میل پیچھے ہے جس کے پاس سے تم تینوں گزر کر آتے ہو۔ اسے ایک ایسے جوان کی تلاش ہے جو بہادر، جرات مند، پراستقلال، اور العزم و روصلہ مند ہو وہ سلطان کی طرف سے اس جوان کو ہند کی سرزمین میں ایک ایسا کام سونپنا چاہتا ہے جس میں عالم اسلام اور ملت مسلمہ کی بہتری اور بھلائی ہے۔

عرب نے اس بار غٹھے ہوئے لہجے اور کھنکھتی آوازیں پوچھا۔ کیا اس کام کا تعلق اسلام کی اشاعت و ترویج سے بھی ہے؟ نوادہ نے بلاتامل جواب دیا۔ ہاں تمہارا اندازہ درست ہے۔ عرب کا لہجہ اور میٹھا اور خوش کن ہو گیا۔ اگر ایسا ہے تو پھر تو ٹوکنگ شہر تو کیا ہم دنیا کے آخری منطقہ تک تمہارے ساتھ سفر کرنے کو تیار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اس کے ساتھی بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ پھر وہ تینوں مسافران بارہ مسلح سواروں کے ساتھ ہرات شہر کی طرف واپس جانے والی شاہراہ پر اپنے گھوڑے سرپیٹ دوڑا رہے تھے۔



ٹوکنگ شہر سے باہر کوہستانی سلسلے کے اندر ایک قدیم طرز کی حویلی کے سامنے وہ سب سوار رک گئے۔ پھر ان میں سے ایک اپنے گھوڑے سے اُتھا اور بھاگتا ہوا اس حویلی کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد چند محافظوں کے گھیرے میں ایک شخص بڑے طمطراق کے ساتھ اس حویلی سے نکلا وہ ہرات کا والی ناصر الدین تھا۔ جسے دیکھتے ہی سب سوار اپنے گھوڑوں سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔ وہ عرب بھی اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ نیچے اتر چکا تھا۔

ہرات کے قریب ایک خوبصورت چھوٹا سا شہر تھا۔ شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد چنگیز خان جب اس سرزمین پر حملہ آور ہوا تو اس نے شہر کو کھنڈرات میں بدل دیا۔ اب اس شہر کے آثار تک کہیں دکھائی نہیں دیتے۔

ناصر الدین سیدھا اس عرب کے پاس آیا اور اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ میں ہرات کا والی ناصر الدین ہوں اگر تمہارے چہرے اور جسم کے اعضاء و جوارح سے میں نے اندازہ لگایا ہے میں غلطی نہیں کی تو تم ہی وہ جوان ہو جس کی مجھے تلاش ہے۔ شاید تم میری شرط پوری کر سکو۔ تمہارا نام کیا ہے۔ اس عرب نے مصافحہ میں دیتے ہوئے اپنے ہاتھ کیپھنتے ہوئے کہا میرا نام حسن ہے حسن بن خلدون۔ کیا آپ بنا سکیں گے۔ آپ کی شرط کیا ہے اور آپ کس نوعیت کا کام سونپنا چاہتے ہیں۔ ناصر الدین نے باتیں طرف آگے بڑھتے ہوئے کہا میرے ساتھ آؤ میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔

وہ سب اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے اس کے ساتھ ہوئے۔ ناصر الدین نے کہنا شروع کیا سنو! مجھے اب ایسے جبری نوجوان کی تلاش ہے جو ہندوستان جا کر سلطان شہاب الدین کے لیے جاسوسی کر کے سلطان بہت جلد ہند پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اس حملہ سے قبل وہ اپنے جاسوسوں کے ذریعے ہند کے مختلف راجاؤں کی عسکری حیثیت کا اندازہ لگانا چاہتا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں ہمارے ان گنت جاسوس کام کر رہے ہیں چند ماہ قبل ہم نے یہاں سے ایک ایسے نوجوان کو ہندوستان کے ان تمام جاسوسوں کا امیر بنا کر بھیجا تھا جو اپنی بہادرری اور شجاعت میں اپنا ثانی اور مثل نہ رکھتا تھا۔ اس کا نام ایک خان تھا اور وہ کوہستان البرز کی ایک بستی کا رہنے والا ترک تھا۔

اس نے چھ ماہ تک بڑی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض دیتے۔ اور بڑی اہم اطلاعات مہیا کیں پھر اچانک وہ کہیں غائب ہو گیا اور اس سے ہمارا ربط ٹوٹ گیا۔ یوں لگتا ہے وہ گرفتار ہو چکا ہے۔ اب ہمیں ایسے ہی ایک اور نوجوان کی تلاش ہے جو ہندوستان جا کر وہاں کے مسلمان جاسوسوں کی امداد سنبھالنے کے علاوہ ایک خان کو بھی تلاش کرے اور ہند کے راجاؤں کے متعلق ہمیں مفید معلومات مہیا کرے تاکہ سلطان ان ہی اطلاعات کو سامنے رکھ کر ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر سکے۔

ناصر الدین چلتا ہوا چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرے ہوئے ایک چھوٹے

سے میدان میں آکر رک گیا تھا۔ اس میدان میں بالکل ان کے سامنے صنوبر کے ایک اونچے اور مضبوط درخت کے ساتھ سن کا ایک ٹوٹا اور مضبوط رسہ بندھا ہوا تھا۔ ناصر الدین نے درخت سے بندھے ہوئے اس مضبوط رسے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ہندوستان کے جاسوسوں کی امارت کے لیے ایک خان کا انتخاب بھی میں نے ہی کیا تھا۔ اس کے لیے بھی یہاں ایک ایسا ہی مضبوط رسہ درخت سے بندھا گیا تھا اور اس شیردل ترک نے رستے کو کھینچ کر توڑ دیا تھا۔ اب بھی مجھے ایسے ہی نوجوان کی تلاش ہے جو ایک خان کی طرح رستہ کھینچ کر توڑ دے۔ سون حسن بن خلدون تمہارے دونوں ساتھی کمزور اور لاغر ہیں تاہم تم لوگ انا مضبوط اور شجاع لگتے ہو آگے بڑھو اور اپنی قسمت آزمائو۔

حسن بن خلدون نے چند لمحوں تک بڑے غور سے ناصر الدین کی طرف دیکھا پھر ایک سرسری سی نگاہ اس نے اپنے ساتھیوں پر ڈالی اور کچھ سوچ کر وہ صنوبر کے اس تناور اور مضبوط درخت کی طرف بڑھا جس کے ساتھ سن کا ٹوٹا اور خوب سخت رسہ بندھا ہوا تھا۔ رستے کا ایک سرا پتھر ملی زمین پر پڑا تھا جبکہ اس کا دوسرا سر درخت سے بندھا ہوا تھا۔

حسن نے آگے بڑھ کر اس زرفی رستے کو اٹھایا۔ چند ناچنے اس کا جائزہ لیا۔ اپنی عبا کی آستین اوپر چڑھائیں اور زور لگانا شروع کیا۔ حسن کافی دیر تک زور لگاتا رہا لیکن وہ رستے کو توڑنے میں ناکام رہا تھا۔ اس نے رستے کو چھوڑا اور سر جھکاتے اپنی جگہ آکر کھڑا ہو گیا۔ ناصر الدین کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اس کی کارکردگی پر اسے انتہائی مایوسی ہوتی ہو۔ وہ گہری سوچوں میں کھویا ہوا تھا۔ حسن دوبارہ جب اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تو اس نے اسے لہجے میں کہا۔

مجھے افسوس ہے میں نے تمہارے ڈھیل ڈھول سے غلط اندازہ لگایا تھا۔ اسے نوجوان تم نے مجھے شش و پنج میں مبتلا کر دیا ہے۔ میرا دل کہتا ہے تمہیں جانے دوں اور تم سے کسی بہتر جوان کو تلاش کر دوں جبکہ دوسری طرف میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ تمہیں روک لوں ہو سکتا ہے مجھے کوئی ایسا جوان نہ مل سکے جو اس رستے کو توڑ دے ایسی صورت میں تم میرے لیے سودمند ثابت ہو سکتے ہو اس لیے کہ ————— حسن کے ایک عرب ساتھی نے ناصر الدین کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اس جوان کو چھوڑ دو ورنہ اس کا بڑا بھائی طوفان بن کر آئے گا اور تم سے اپنے بھائی کو

زبردستی اور بزور چھڑا لے جائے گا۔ یاد رکھو وہ ایک ایسا نوجوان ہے جس نے اپنی زندگی میں کسی سے شکست نہیں کھائی۔

ناصر الدین اس عرب کی طرف متوجہ ہوا اور چونکتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ کیا اس کا بڑا بھائی طاقت میں اس سے بالا درجہ ہے اس عرب نے چھاتی تانتے ہوئے کہا وہ طاقت و شجاعت میں اس سے دس گنا زیادہ ہے۔ وہ پتھر و فولاد کی طرح سنگین اور شاہ بلوط کی طرح قد آور ہے۔ اس کی رفعت و شجاعت بے انتہا اور اس کی استقامت و طاقت لامحدود ہے۔ وہ تقدیر کا ترکش اور مرد موحّد ہے۔ وہ آسمان کی اونچائی اور زمین کی گہرائی کی طرح مضبوط اور ناقابل تسخیر ہے اور اس کی شخصیت نکلار ہے۔

ناصر الدین نے اپنے چہرے پر پھیلتی ہوئی اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ کیا تم مجھے قوم کے اس شیردل بیٹے کا نام بتاؤ گے جس کی تم نے اس قدر تعریف کی ہے۔ اس عرب نے پھر اپنے پہلے جیسے لہجے میں کہا۔ اس کا نام حماد بن خلدون ہے اور وہ ایک ایسا نوجوان ہے جو مراب کو تالاب کر دے اور سمندر کو قطرے میں ڈبو دے۔ ناصر الدین کی حالت عجیب ہو رہی تھی وہ حسن کے پاس آیا اور مشکوک سے لہجے میں پوچھا۔ جو کچھ تمہارے ساتھی نے کہا ہے کیا یہ درست ہے یا یہ میرا نقص سماعت ہے۔

حسن نے مکرراتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھی نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے۔ میرا بھائی ایسا ہی آہن شکن ہے۔ طاقت و قوت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا وہ ہماری چٹان اور ہمارا مضبوط برج ہے۔ اس کے جاننے والے اسے نیشاپور کا شاہین کہتے ہیں۔ جب وہ اپنے کسی دشمن پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اس کے قلب و ذہن پر ایسا مستول بن کر سوار ہوتا ہے کہ اسے کہاں کے بتوں کی طرح توڑ دیتا ہے۔ آج تک جو بھی اس سے ٹکرایا اس نے اس کے زینت و حرمت کے سہرے کو اس کے گلے کا شکست آمیز طوق بنا دیا۔ حسن چند لمحوں کے لیے دکھ پھر اپنی گہری آواز میں کہا سون ناصر الدین! جس طرح جہاز کی راہ سمندریں، سانپ کی راہ چٹان پر اور شاہین کی راہ فضاؤں کے اندر تلاش نہیں کی جاسکتی اسی طرح میرے بڑے بھائی سے بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے عزیز واقربا کے لیے جہاں چراغ اور راہ دکھ ہے۔ وہاں وہ اپنے

دشمنوں کے لیے برق و شر اور ہلاکت کا پیشبر و بھی ہے۔ ناصر الدین نے حسن کے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بھاری آوازیں فیصلہ کن اور حکمانہ انداز میں بہا جاؤ تم دونوں لوٹ جاؤ اور نیشاپور جاکر اس کے بھائی حماد بن خلدون سے کہو ہرات کے والی ناصر الدین نے اس کے بھائی کو گرفتار کر لیا ہے اس میں اگر ہمت ہے تو بزدل و شیشرا اپنے بھائی کو آکر چھڑا لے۔ اسے یہ بھی کہنا کہ ناصر الدین اس وقت تو لک شہر سے باہر ایک حویلی میں مقیم ہے حسن کے ان دونوں ساتھیوں نے بڑے غصے کی حالت میں ناصر الدین کی طرف دیکھا ایک حسرت بھری نگاہ حسن پر ڈالی۔ پھر سوار ہو کر انہوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑھ لگائی اور تھوڑی دیر بعد وہ ہرات سے نیشاپور جانے والی شاہراہ پر اپنے گھوڑے سہریٹ دوڑا رہے تھے۔ ناصر الدین نے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آؤ میرے ساتھ۔ حسن گردن جھکائے آہستہ آہستہ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور اس کی باگ پکڑ لی۔ اس کے گھوڑے کے ایک طرف ایک کلہاڑا اور دوسری طرف ایک بڑا سا قرن لٹک رہا تھا وہ آہستہ آہستہ اب ناصر الدین اور اس کے محافظوں کے ساتھ اسی پرانی حویلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

تھوڑی سی دیر بعد وہ حویلی میں داخل ہو رہے تھے۔ محافظ ناصر الدین اور حسن گھوڑوں کو حویلی کے اصطبل کی طرف لے گئے تھے۔ ناصر الدین حسن کو لیکر ایک کمرے میں داخل ہوا اور ایک نشست پر اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔ مجھے اپنے بھائی حماد بن خلدون کے متعلق کچھ اور بتاؤ میں اس کے متعلق تفصیل سے جانا چاہتا ہوں کیا وہ ہند کی سرزمین سے بھی کوئی واقفیت رکھتا ہے جس نے قدرے فکر مندی سے پوچھا ہے۔ میرے ایک سوال کا جواب دیجئے۔ ناصر الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پوچھو حسن۔ کہا۔ کیا میں واقعی تمہارے ہاں گرفتار ہوں اور میرے بھائی وہاں آکر مجھے بزدل سمیٹے چھڑا نا پڑے گا۔

ناصر الدین نے خوش کن لہجے میں کہا۔ تم گرفتار نہیں ہو۔ تم میرے بھائی ہو اور جب بھی تم جانا چاہو کوئی تمہارا رستہ نہیں روک سکتا۔ اگر میں تمہارے ساتھیوں سے یہ نہ کہہ کر تم گرفتار ہو تو شاید تمہارا بھائی یہاں نہ آتا۔ اب تمہاری گرفتاری کا سن کر وہ ضرور آئے گا۔

اور اگر وہ میری شرط پر پورا اترتا تو وہ اس سے مذہب و ملت کا وہ کام نزلگا جس سے اس کی دنیوی زندگی ہی نہیں عاقبت بھی سنور جائے گی۔ اب میں نے اس کے متعلق جو کچھ تم سے پوچھا ہے مجھے اس کا جواب دو۔

حسن نے اب مطمئن انداز میں کہنا شروع کیا۔ ہم تین بھائی ہیں۔ میں سب سے چھڑا ہوں اور دو مجھ سے بڑے ہیں۔ سب سے بڑے کا نام حماد اور اس سے چھوٹے کا نام حسن ہے۔ اب مطمئن انداز میں کہنا شروع کیا۔ ہم تین بھائی ہیں۔ میں سب سے چھڑا ہوں اور دو مجھ سے بڑے ہیں۔ سب سے بڑے کا نام حماد اور اس سے چھوٹے کا نام حسن ہے۔ میرے باپ کا نام خلدون اور ماں کا نام زبیب ہے میری ماں اپنا بیج ہے گھوڑے سے مگر اس کی ٹانگ بیکار ہو چکی ہے اور وہ لاشی کے سہارے چلتی ہے حماد اور حادث نیشاپور شہر سے باہر چونے کی بھٹیوں پر روزانہ کے معادضے پر کام کرتے ہیں پہلے وہ دونوں بھائی میری طرح ہند کی طرف جانے والے تجارتی قافلوں کے ساتھ محافظ کے طور پر جایا کرتے تھے وہ دونوں ہند کی سرزمین سے پوری طرح واقف ہیں۔

میری ماں سب سے زیادہ پیار محبت کرتی ہے۔ ایک تو وہ بڑا بیٹا ہے دوسرے وہ ہم دونوں سے زیادہ ماں کی خدمت کرتا ہے۔ وہ ہر روز ماں کو خود وضو کرتا ہے اور اس کے پاؤں دھوتا ہے۔ ہمارا مکان پہاڑ کی ایک چوٹی پر ہے جس کے نیچے ایک چنٹہ بتاتا ہے انہی حماد ماں کو اپنی پیٹھ پر لاد کر پہاڑ سے نیچے اس چنٹہ پر لے جاتا ہے جس کے کنارے اس نے ایک غسل خانہ اور چھوٹی سی ایک بے دیوار و چھت مسجد بنا رکھی ہے۔ اور ماں کو وضو کرانے کے بعد وہ اس کے ساتھ اس مسجد میں نماز ادا کرتا ہے۔ انہی کو ماں کی دعا بھی ہے اس لیے وہ جس کام کو بھی ہاتھ ڈالتا ہے کامیاب رہتا ہے۔

ایک بار میرے باپ جبکہ وہ جوان تھے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ ہندوستان گئے ہوئے تھے۔ میں اور حادث ان دنوں چھوٹے تھے۔ تاہم انہی حماد کا کافی سمجھ دار تھے۔ بد قسمتی سے ہماری ماں سخت بیمار ہو گئی۔ میں اور حادث ماں کی حالت دیکھ کر ہر وقت روتے رہتے تھے۔ لیکن انہی ہمیں تسلی دینے کے علاوہ ماں کی خدمت بھی کرتے تھے اور نیشاپور سے طبیب کو بلا کر ان کا علاج بھی کراتے رہے۔ وہ دن رات ماں کی چار پائی کے پاتے سے لگ کر اس کی خدمت کرتے رہے۔

ان ہی دنوں جبکہ میری ماں سخت بیمار تھی ایک روز آدھی رات کے وقت جبکہ میں اور حادثہ سوتے ہوئے تھے اور انہی بیمار ماں کے پاس بیٹھ کر جاگ رہے تھے میری ماں نے نیند سے بیدار ہو کر پانی مانگا۔ میرے انہی لپک کر جب پانی لینے گئے تو انہوں نے دیکھا صراحی خالی تھی۔ وہ صراحی اٹھا کر پہاڑ کے نیچے چشمنے کی طرف بھاگ گئے۔ صراحی بھر کر واپس آئے اور پیالے میں پانی ڈال کر جب ماں کو دینا چاہا تو انہوں نے دیکھا ماں سو چکی تھی۔

انہوں نے ماں کو جگا کر نامناسب نہ سمجھا صرف اس خیال سے کہ کہیں ماں کی نیند اچاٹ نہ ہو جائے اور پھر پانی سے بھرا ہوا پیالہ لیکر ان کی چارپائی کے قریب کھڑے رہے۔ ماں صبح تک گہری نیند سوتی رہی اور انہی ساری رات اسی حالت میں پیالہ لیے کھڑے رہے۔ صبح جب ماں کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا انہی پانی سے بھرا ہوا پیالہ لیے سامنے کھڑے تھے اور ان کی آنکھوں میں گہری نیند تھی۔ ماں ان کی اس خدمت سے بے حد متاثر ہوئی۔ تب اس نے اپنے رب کے حضور بڑی عاجزی اور انکساری سے انہی کے حق میں دعا کی میں سمجھتا ہوں یہ ماں کی اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ انہی ہر میدان اور ہر کام میں کامیاب و سرفراز رہتے ہیں۔

حسن نے ذرا ڈاک کر پھر کہنا شروع کیا۔ میرے بھائی حماد ٹاٹ کا لباس پہنتے ہیں۔ ناصر الدین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ وہ ٹاٹ کا لباس کیوں پہنتا ہے حسن نے مسکرا کر کہا۔ شروع میں میرے ماں باپ کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہے۔ انہی حماد انہیں بڑی دعاؤں کے بعد ملے تھے۔ بچپن میں میری ماں انہیں اس خیال سے ٹاٹ کا لباس پہناتی رہیں کہ وہ لوگوں کی نظر بد سے بچے رہیں۔ لیکن ٹاٹ کا یہ لباس انہیں ایسا بھایا اور ان کے ذہن میں ایسی عاجزی اور انکساری پیدا ہو گئی کہ اب جو ان ہو کر بھی وہ ٹاٹ کا لباس ہی پہنتے ہیں۔ ماں اکثر ان کے لیے اچھے سے اچھا لباس اپنے ہاتھ سے سیتی ہیں لیکن وہ کسی نہ کسی بہانے ماں کو ٹال دیتے ہیں اور کپڑے کا لباس نہیں پہنتے۔ جب وہ گھر سے باہر کسی کام کے سلسلے میں نکلنے لگتے ہیں تو میرے باپ اس خیال سے کہ میرا بیٹا لوگوں کی نظر بد سے بچا رہے۔ اس کے منہ پر تھوک دیتے ہیں۔

حسن خاموش ہو گیا۔ ناصر الدین چند لمحوں تک کسی گہری سوچ میں کھویا رہا۔ پھر وہ اپنی

جگہ کھڑے ہو کر بولا: میں تمہارے لیے کھانا بھجواتا ہوں۔ اس کے بعد تم آرام کرو۔ تمہارے بھائی حماد بن خلدون کے آنے تک تم میرے پاس ایک معزز مہمان کی حیثیت سے رہو گے۔ ناصر الدین اٹھ کر باہر نکل گیا اور حسن انجانی سوچوں میں کھو گیا تھا۔

بڑی شفقت سے کہا میرے بیٹے کدال سے اس کے دو ٹکڑے کر لو پھر یہ آسانی سے اٹھ جائیگا
حادث نے کدال اٹھا کر پتھر کے دو ٹکڑے کرنے کے بجائے اپنے قریب ہی کھڑے
دوسرے جوان کی طرف دیکھا شاید اس کا اشارہ تھا کہ آؤ دونوں مل کر اس پتھر کو اٹھا لیں۔ دوسرا
جوان جو قد میں حادث سے لمبا اور جس کے جسمانی اعضاء اس سے کہیں مضبوط تھے حادث
کے اس طرح دیکھنے پر سکڑانے لگا تھا۔ وہ ٹاٹ کا بوسیدہ لباس پہنے ہوئے تھا اور
اور وہ حماد بن خلدون تھا۔ حسن کا سب سے بڑا بھائی اور خلدون کا بڑا بیٹا۔

اس کی آنکھیں دھکتے انگاروں کی مانند تیز اور جھیل کی طرح گہری تھیں۔ اس کے بال سیاہ
آنکھیں بھودی اور شرابیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

اس کے بازو مضبوط درختوں کے تنے جیسے تھے اور چوڑا سینہ پتھر کی چٹان جیسا تھا اس
کا چہرہ طلوع آفتاب کے منظر کی طرح حسین اور سرخ تھا۔ اس کے ہاتھ درندوں کے پنجوں
جیسے مضبوط اور انگلیاں درختوں کی کڑی ٹہنیوں کی طرح سخت تھیں۔ اس کے ہاتھ میں لوہے
کا ایک بہت بڑا اور وزنی عصا تھا جو شاید پتھروں کو لڑھکانے کے کام آتا تھا۔

جب حادث اس وزنی پتھر کو نہ اٹھا سکا اور بڑی بے بسی کی حالت میں حماد کی طرف
دیکھنے لگا تو حماد کے چہرے پر بے شمار لاسمت جذبے مگر گئے اور اس کا چہرہ خون جیسا درخشاں
ہو گیا تھا اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا آہنی عصا۔ زمین پر پھینک دیا اس کے جسم میں برق کی
سی بے قرامی پیدا ہو گئی تھی لیکے شعلے کی طرح وہ آگے بڑھا اور نیچے جھک کر اس نے اپنے
دونوں ہاتھوں سے پتھر کو تھام لیا۔ پھر اس نے پاؤں جاکر اور اپنے جسم کو بل دیر کر زور لگایا۔

ساتھ ہی اس نے اپنی آواز کی لہری قوت سے چلا کر پکارا تھا "اللہ" اور اپنے پہلے ہی
جھٹکے میں وہ اس وزنی پتھر کو اٹھا کر اپنے کندھے تک لے گیا تھا۔ بوڑھے خلدون کے
چہرے پر منور نقوش کی جھلک شروع ہو گئی تھی۔ بڑی تیزی سے وہ آگے بڑھا اور حماد
کے منہ پر خشک دیا کہ کسی کی نظر نہ لگے۔ حماد اس پتھر کو اٹھا کر بھٹی کی طرف لے گیا خلدون
اور حادث اسے تعریفی و توصیفی انداز میں دیکھتے رہ گئے تھے۔

حماد اور حادث دونوں بھائی پتھر اٹھا کر بھٹیوں میں بھرتے رہے اور ان کا باب

نیشاپور شہر سے دو فرلانگ باہر ایک طویل کوہستانی سلسلے کے اندر دور و نزدیک چرنے
کی بھٹیاں سر اٹھاتے دکھائی دے رہی تھیں۔ ان میں سے کچھ کے اندر سے دھواں اٹھ رہا تھا
اور کچھ ابھی خاموش تھیں اور ان کے اندر پتھر بھرے جا رہے تھے۔ ایک بہت بڑی بھٹی
کے قریب ایک بوڑھا پتھر پر بیٹھا بڑے غور سے بھٹی کی طرف دیکھ رہا تھا وہ حسن کا بوڑھا
باپ خلدون تھا اور اس کے دائرے سر کے بال سفید ہو رہے تھے۔ اس کے دائیں طرف
پہاڑ کی ایک چوٹی کے اوپر دو جوان ہاتھوں میں کدالیں لیے چرنے کے بڑے بڑے پتھر
اکھاڑ کر نیچے کی طرف لڑھک رہے تھے اور نیچے کھڑے دونوں جوان ان پتھروں کو اٹھا کر
بھٹی کے اندر بھرتے جا رہے تھے۔ اوپر والے دونوں جوان جب بھی کوئی پتھر نیچے لڑھکانے
لگتے تو وہ اونچی آواز میں خبردار پکارتے اور پتھر اٹھا کر بھٹی میں رکھنے والے دونوں جوان
سنبھل جاتے۔

پہاڑ کے اوپر سے پتھر اکھاڑ کر نیچے لڑھکانے والے دونوں جوانوں نے ایک بار پوری
قوت سے چلانے ہوئے خبردار پکارا کیونکہ ایک بہت بڑا اور وزنی پتھر لڑھکتا ہوا نیچے کی طرف
آیا تھا۔ پتھر پر بیٹھا ہوا بوڑھا خلدون اٹھ کھڑا ہوا۔ جب وزنی پتھر نیچے آکر رکھا تو ایک جوان
اس پتھر کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھا وہ حسن کا بڑا بھائی اور خلدون کا نبھلا بیٹا حادث تھا۔
وہ غروب فدا اور اور توانا تھا نیچے جھک کر اس نے پتھر کو اٹھا نا چاہا لیکن اسے یابوسی ہوئی وہ پتھر
کو اٹھا نہ سکا تھا اس لیے کہ وہ بہت بڑا اور وزنی تھا۔ خلدون نے حادث کی طرف دیکھتے ہوئے

گھر سے نکل کر پہاڑ سے نیچے اترتے ہوئے دامن میں پہننے والے چشمے کی طرف جبار ہاتھا۔
دونوں ماں بیٹیا نیچے آتے۔ دونوں نے پہلے وضو کیا۔ پھر حماد نے ایک پتھر اٹھایا جسے
وہ اپنی ماں کے پاؤں پر گر کر اس کے پاؤں صاف کرنے لگا تھا۔ اس کے بعد دونوں ماں
بیٹیا اٹھیں اور چشمے کے کنارے بے چھت اور دیوار کی چھوٹی سی مسجد میں ظہر کی نماز ادا
کرنے لگے تھیں۔

خلدون اور حادث نماز پڑھ کر باہر نکلے اور مکان کے چاروں طرف پھیلے ہوئے گندم
اور جو کے کھیتوں میں گودائی کرنے لگے تھے۔ ان کے مکان کے چاروں طرف پہاڑ کے دامن
تک تدریجی نشیب کی دس کے قریب کھیتیاں تھیں جو ان کی اپنی ملکیت تھیں اور جن کے
اندروہ گندم، جو، ہمکتی اور چاول بویا کرتے تھے۔ ان کھیتوں کے کناروں پر پھیل دار پودوں
کے علاوہ چیل اور دیو دار کے درخت بھی تھے جو تیز ہواؤں میں بدردھوں کی طرح شور
مچا کرتے تھے۔ یہ درخت بھی ان کی ملکیت تھے۔ پھل دار درختوں میں زیادہ تر سیب،
انجیر، خویانی، بادام، زیتون اور لوکاٹ شامل تھے۔

گھوڑے کی ٹاپوں پر خلدون اور حادث دونوں باپ بیٹا چونک پڑے تھے جو کے
کھیت میں کام کرتے ہوئے وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے دیکھا دو گھوڑے سوار اس پتلی
سے پگڈنڈی پر اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑا رہے تھے جو ہرات سے نیشاپور جانے والی
شاہراہ سے علیحدہ ہو کر ان کے مکان کی طرف آتی تھی۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں
گھوڑے سوار پہاڑ کے اوپر چڑھے اور ان کے کھیتوں کے کنارے آ کر اپنے گھوڑوں سے اتر
پڑے۔ خلدون اور حادث آگے بڑھے اور بامی بامی ان دونوں سے مصافحہ کیا۔ ایسا لگتا تھا
وہ دونوں باپ بیٹا ان سواروں کو پہلے سے ہی جانتے تھے۔ یہ وہی دو سوار تھے جو حسن کی گرفتاری
کی اطلاع کرنے آئے تھے۔ قبل اس کے وہ دونوں کچھ بولتے بولتے گھوڑوں سے اترے پہلے ہی
ان سے پوچھ لیا۔ میرا بیٹا حسن کہاں ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟۔ ان دونوں

ان کے سامنے ایک پتھر پر بیٹھ کر دونوں کو بڑی شفقت سے دیکھتا رہا۔ دوپہر کے قریب
انہوں نے دونوں بیٹاں بھر کر اپنا کام ختم کر دیا۔ دونوں بھائی اپنے باپ کے پاس آئے جہاں
ان کے کپڑے بھی پڑے ہوئے تھے۔ بوڑھا خلدون اٹھا اور اپنے کندھے پر رکھے ہوئے
انگوچھے سے وہ اپنے دونوں بیٹوں کے کپڑے بھاڑنے لگا تھا۔ پھر انہوں نے وہاں
پڑی ہوئی اپنی اپنی پوستیں اٹھا کر پہن لی۔ حادث کی پوستیں اونٹ کی کھال کی بنی ہوئی
تھیں جبکہ حماد کی پوستیں بھی ٹاٹ کی تھی۔ ٹاٹ کی دو تہوں کے اندر اون بھر کر اسے پوستیں
کی شکل دے دی گئی تھی۔ حماد نے اپنا لوہے کا عصا اٹھالیا اور دونوں اپنے باپ کے
ساتھ گھر روانہ ہو گئے تھے۔ پہاڑ کے اوپر کدالوں کی مدد سے پتھروں کو نیچے لڑھکانے
والے دونوں جوان بھی اپنا سامان سمیٹ کر اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔

تینوں باپ بیٹا اپنی بستی سمرا باد میں آئے۔ نیشاپور سے صرف چار فرلانگ جنوب
کی طرف یہ ایک خوبصورت بستی تھی جو کوہستانی سلسلے کے اندر واقع تھی اور جس کے مکینوں
کے گھر پہاڑ کی چوٹیوں اور اس کے دامن میں کچھ کچھ فاصلے پر دور دور تک پھیلے ہوئے
تھے۔ وہ تینوں پہاڑ کی بلندی پر ایک چھوٹے سے مگر خوبصورت مکان میں داخل ہوتے
جس کے اندر ایک عورت کھانا پکا رہی تھی۔ وہ خلدون کی بیوی زریب اور حماد و
حادث کی ماں تھی۔ وہ تینوں جب گھر داخل ہوئے تو زریب نے قریب ہی پڑی ہوئی
ایک لامٹی بچوٹی اس کے سہارے وہ اٹھی اور آگے بڑھ کر اس نے حماد اور حادث کے
منہ چوم لیے اس کی ایک ٹانگ بیکار تھی اور وہ لنگڑا کر چل رہی تھی تینوں کو اس نے
گھر لے گئے تھے اندر لے جا کر بیٹھا یا پھر وہ انہیں کھانا کھلا رہی تھی۔

کھانے کے بعد انہوں نے تھوڑی دیر آرام کیا۔ پھر وہ اٹھنے ظہر کی نماز کا وقت ہو
چکا تھا۔ حادث اور خلدون دونوں باپ بیٹا وضو کر کے گھر پر ہی نماز پڑھنے لگے تھے۔
حماد اپنی ماں کے پاس آیا۔ اس کی ماں صحن میں شاید اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ زریب
کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گیا اور زریب نے اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے بازو اس کی
گردن کے گرد ڈال دیئے تھے۔ حماد نے اس کی لامٹی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی پھر وہ

میں سے ایک نے بڑے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ حماد کہاں ہے؟۔ خلدون کی پھر فکر گہرا آواز بلند ہوئی۔ وہ اپنی ماں کو لیکر نیچے چشتے پر گیا جسے وہاں وہ دونوں روزانہ نماز پڑھتے ہیں۔ اب وہ اوپر آنے ہی والا ہو گا۔

سوار نے دلیک آواز میں کہا۔ ہم تمہارے لیے ایک بڑی خبر لیکر آتے ہیں جس کو ہرات کے حاکم ناصر الدین نے لکھ کر فدا کر لیا ہے۔ خلدون نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پھر پوچھا۔ اس نے میرے بیٹے کو کیوں گرفتار کیا ہے۔ سوار نے یالوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اس نے کوئی وجہ نہیں بتائی ایسا لگتا ہے اسے کسی اچھے اور طاقتور و شجاع جوان کی ضرورت ہے۔ اور اس سے وہ کوئی اہم کام لینا چاہتا ہے۔ حسن کو اس نے اسی سلسلے میں اپنے پاس گرفتار کر کے روک لیا ہے۔ اس نے کہا تھا اس کے بڑے بھائی حماد بن خلدون سے جا کر کہنا اگر اس میں ہمت ہے تو اگر اپنے بھائی کو چھڑا لے۔

خلدون نے اس بار مدہم آواز میں پوچھا۔ ناصر الدین اس وقت کہاں مقیم ہے۔ اور کس جگہ اس نے میرے بیٹے کو محبوس کر رکھا ہے۔ اس سوار نے پھر کہا۔ وہ اس وقت تو تک شہر سے شمال کی طرف پہاڑوں کے اندر ایک حویلی میں مقیم ہے اور وہیں اس نے حسن کو بھی ٹھہرا رکھا ہے۔ خلدون نے اس بار بڑی شفقت سے کہا۔ آؤ بیٹھو میں تمہارے کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ پر حماد سے اس خبر کا تذکرہ نہ کرنا کہ حسن گرفتار ہو گیا ہے ورنہ وہ بھڑک اٹھے گا۔ اور ناصر الدین کو اپنی انتقامی کارروائی کا نشانہ بناتے گا۔ جو تمہارے حق میں ایک بڑا فائدہ ثابت ہو گا۔ اس سوار نے اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے کہا۔ ہم تمہارے مشکور ہیں۔ ہم ضرور یہاں قیام کرنے لیکن ہم فوراً اپنے گھر پہنچنا چاہتے ہیں اس لیے یہاں رک نہ سکیں گے۔

دونوں سوار اپنے گھوڑوں کی باگیں موڑ کر انہیں ایڑھ لگانا ہی چاہتے تھے کہ مکان کی دیوار کی اوٹ سے حماد نمودار ہوا۔ اس نے اپنی پیٹھ پر اسی طرح اپنی ماں کو اٹھا رکھا تھا۔ شاید وہ دیوار کی اوٹ میں کھڑا ہو کر ساری گفتگو سن چکا تھا اور جب وہ دونوں سوار جانے لگے تو اس نے باہر نکل کر اپنی بھاری آواز میں کہا۔ ٹھہرو! میرے ایک سوال کا جواب دیتے جاؤ۔ دونوں سوار رک گئے حماد نے پوچھا۔ ناصر الدین نے مجھیں جبکہ میرے بھائی کو گرفتار کیا تھا۔

اسی سوار نے پھر جواب دیا۔ ہم تینوں اپنے گھر کی طرف آرہے تھے کہ تو تک شہر سے چند میل ادھر جب کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر صبح کی نماز کے بعد ہم دوبارہ اپنے گھروں کی طرف کوچ کرنے والے تھے۔ ناصر الدین کے بارہ سوار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور ہم تینوں کو گرفتار کر کے تو تک لے گئے۔ وہاں حسن حویلی میں ناصر الدین مقیم ہے اس سے باہر صنوبر کے ایک مضبوط درخت کے ساتھ سن کا ایک کھردرا اور سخت رستہ بندھا ہوا ہے ناصر الدین نے حسن سے کہا کہ اگر وہ رستے کو کھینچ کر توڑ دے تو وہ اسے ایک ایسا کام سوچنے گا جس میں مذہب و ملت دونوں کی بہتری ہے۔ حسن اس رستے کو توڑ نہ سکا۔ لہذا ناصر الدین نے اسے اپنے پاس روک لیا اور ہمیں وہ پیغام دے کر جو ہم نے پہنچا دیا ہے۔ تمہارے طرف بھیج دیا۔ اتنا کہہ کر وہ دونوں سوار مڑے اور پہاڑ سے اتر کر وہ اس تنگ پگڑی پر اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑانے لگے تھے جو نیشاپور اور ہرات کے درمیان پڑنے والی بڑی شاہراہ سے جالمتی تھی۔ حماد بچید سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے وہ کسی فعل شنیدہ کی ابتداء کرنے لگا ہو۔ اس کے چہرے سے یوں لگتا تھا گویا اس کے جگر میں کسی نے انتہاب اور دل میں کریدنی بھر دی ہو۔ پھر وہ اپنی ماں کو اٹھاتے چپ چاپ گھر میں داخل ہو گیا خلدون اور حارث بھی اپنا کام چھوڑ کر اس کے پیچھے پیچھے گھر کی طرف چلے گئے تھے۔ حماد نے اپنی ماں کو گھر کے صحن میں اتارا۔ وہ جب لالچی کے سہارے کھڑی ہو گئی تو حماد نے بڑی خاکساری اور عاجزی سے کہا۔ اے میری ماں! مجھے اجازت دو کہ اپنے بھائی کو چھڑا کر لاؤں۔ وہ اسی رمی کی حالت میں مجھے پکار رہا ہو گا۔ اگر میں نہ گیا تو کون اس کی مدد کرے گا۔ وہ میرا بھائی ہے میرے جسم کا ایک حصہ ہے۔ زبیب اپنی لالچی ٹیکتی ہوئی آگے بڑھی اور بڑی شفقت سے حماد کی پیٹھ پر ہاتھ پھرتے ہوئے کہا۔ ضرور جاؤ میرے بیٹے! حسن کو صلح صفائی سے چھڑا کر لانا کسی سے جھگڑا نہ کرنا۔ اگر حسن کا کوئی جرم نہیں تو ہرات کا والی اسے ضرور چھوڑ دے گا۔ اے میرے بیٹے تو میرے گھر کا چراغ ہے۔ جلد لوٹ آنا میں تیرا انتظار کروں گی۔ اے میرے بیٹے میری نصیحت کو فراموش نہ کرنا۔ تو نے ہمیشہ اپنی ماں کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔ خدا ہر میدان میں تجھے کامیاب رکھیگا اور تیرے کھتے

ہمیشہ بھرے رہیں گے۔

حماد وہاں سے پٹنے ہی لگا تھا کہ اس نے دیکھا کہ اس کا باپ خلدوں اور چھوٹا بھائی
حارث گھر میں داخل ہو کر اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔ پھر لوڑھے خلدوں نے
اپنی خوش الحان اور شفقت آمیز آوازیں کہا۔ اے میرے بیٹے! میں جانتا ہوں تو کیا
ارادہ کر چکا ہے۔ میں نے سوچا تھا میں حسن کو لانے خود جاؤں گا۔ لیکن اب میں تجھے
نہیں روکوں گا۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں میرے اقدام سے تجھے دکھ ہوگا۔ پر میں
نہیں اکیلانہ جانے دوں گا۔ حارث کو میں تمہارے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔ میرے بچو!
تم اس گھر کے تخت جگہ اور چراغ ہو۔ اس گھر میں میرے اور زبیب کے پاس کچھ بھی نہیں
ہے صرف تم ہی ہماری نگاہوں کی تنویر اور ہمارے دلوں کا فرار ہو۔ اب تم حارث کے
ساتھ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں بڑی لمبی چینی تم تینوں بھائیوں کا انتظار
کروں گا۔

وہاں سے ہٹ کر حماد اور حارث دونوں بھائی اپنے مکان کے دائیں حصے کی طرف
بڑھے جہاں ایک پھیر نما اصطبل تھا اور جس کے اندر تین گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔
وہ دونوں بھائی اپنے اپنے گھوڑے پر زین ڈالنے لگے۔ ایک بار دونوں بھائی اپنے
مکان کے اندر گئے اور مسلح ہو کر باہر آئے۔ حماد نے اپنے ٹاٹ کے لباس پر زہ پہن لی
تھی۔ زہ کے اوپر اس کی ٹاٹ ہی کی پوسٹین تھی اور ان سب کے اوپر اس نے جو
عربوں کی روایتی عبا پہنی تھی وہ بھی، سہی کی تھی۔ اس کے سر پر آہنی خود، موٹے موٹے
بازوں پر لوہے کے مضبوط بازو بند اور کمر میں تلوار لٹک رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ
میں ایک بہت بڑا ناقوس اور دوسرے ہاتھ میں جنگی کلہاڑا تھا جبکہ اس کے کندھے پر
گھوڑے کی خرچیں لٹک رہی تھی۔ حارث کے پاس بھی ایسا ہی سامان تھا۔

اپنے جنگی ہتھیار انہوں نے اپنے گھوڑوں پر سجاتے۔ اصطبل کے اندر ہی بڑی
ہوتی انہوں نے اپنی کمائیں اور تیروں سے بھرے ہوئے ترش بھی اپنی زبیبوں کے
ساتھ باندھ لیے تھے۔ پھر دونوں اپنے گھوڑے کھول کر مکان کے بیرونی دروازے کی

طرف آتے وہاں عین دروازے پر زبیب اپنی لاکھی کے سہارے کھڑی تھی اور ایک ہاتھ میں
اس نے قرآن مقدس فضا میں بلند کر رکھا تھا۔ اس کے قریب ہی لوڑھا خلدوں کھڑا تھا جس
کے ایک ہاتھ میں نقدی کی تھیلی اور دوسرے ہاتھ میں ان دونوں بھائیوں کے لیے
زاورہ تھا۔

جب وہ دونوں قریب آتے تو خلدوں نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی دونوں چیزیں حماد
کے گھوڑے کی خرچیں میں ڈال دیں۔ آگے بڑھ کر اس نے اپنے دونوں بیٹوں کی پیشانیاں چومیں
اور انہیں فح کی دعا دی۔ دونوں بھائی آگے بڑھے۔ باری باری زبیب کے ہاتھ میں پکڑے
ہوئے قرآن مقدس کو بوسہ دیا اور باہر نکل گئے۔ زبیب نے اپنی پسلی ہوئی پر شفقت آمیز آواز
میں کہا جاؤ میرے بچو! میں تمہیں خدا حافظ کہتی ہوں۔ دونوں بھائی اپنے گھوڑوں پر سوار ہوتے
وہ ننگ پگھلندی طے کرنے کے بعد ہرات کی طرف جانے والی شاہراہ آئے۔ انہوں نے اپنے
گھوڑوں کو اڑھ لگائی اور لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی سردی میں انہوں نے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا
دیا تھا تاکہ تو لک شہر کی طرف تھا جہاں ان کا چھوٹا بھائی حسن بڑی لمبی چینی سے ان کا انتظار
کر رہا تھا۔

ایک روز جبکہ حسن صبح کی نماز کے بعد دعا مانگ رہا تھا۔ کچھ سوار بڑی تیزی سے اپنے
گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس حویلی میں داخل ہوتے تھے جس کے اندر وہ ایک طرح کی
ایسری کے دن گزار رہا تھا۔ اسے شبہ ہوا تھا کہ شاید اس کا بھائی حماد بن خلدوں آگیا ہے جلدی
جلدی دعا ختم کر کے وہ باہر آیا اور اس نے دیکھا حویلی کے صحن میں وہ سوار ناصر الدین کے
پاس کھڑے اس سے کچھ کہہ رہے تھے حسن کو گھٹت یاوسی ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ سوار اجنبی تھے۔
اور ان میں اس کا بھائی حماد شامل نہ تھا۔ وہ سوار چند ثانیوں تک ناصر الدین کے پاس کھڑے ہو
کر اس سے باتیں کرتے رہے پھر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی
روانہ ہو گئے حسن نے دیکھا ان سواروں کے جانے کے بعد ناصر الدین کچھ پریشان اور افسردہ
ہو گیا تھا وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ناصر الدین کے قریب آیا اور بڑی ہمدرد آوازیں پوچھا۔

دونوں مسلم حکمرانوں کے درمیان طے ہو جاتے گا۔ اس کے بعد سلطان شہاب الدین اپنی پوری توجہ اور قوت ہندوستان پر صرف کریں گے۔ میں آج شام تک تمہارے بھائی کا انتظار کر دوں گا۔ اگر وہ آگیا تو یہ میری اور تمہاری دونوں کی خوش قسمتی ہوگی۔ اگر وہ نہ آیا تو میں کل علی الصبح یہاں سے ہرات کوچ کر جاؤں گا اور وہاں سے ایک بھاری ملک کے ساتھ میں دریا تے چچوں کی طرف روانہ ہو جاؤں گا جہاں سلطان شہاب الدین ان دنوں جنگ میں مصروف ہے۔ اس جنگ میں حصہ لینے کے لیے تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔

حسن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ کیا آج ایک بار پھر مجھے وہ دستہ بھیج کر آپ کی شرط پوری کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ ہو سکتا ہے آج میں اس دستے کو توڑ کر آپ کی شرط پورے کر دوں۔ انڈیا کے ناصربالدین نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں۔ ناصربالدین حویلی کے اندر چلا گیا۔ ٹھوڑی ہی دیر بعد وہ دوبارہ لوٹ کر آیا۔ اس بار اس کے ساتھ اس کا محافظ دستہ بھی تھا۔ سب نے اصطبل سے اپنے گھوڑے نکالے اور سوار ہو کر وہ حویلی کے شمال میں سنگلاخ چٹانوں کے اندر صنوبر کے اس بوڑھے اور قدیم درخت کی طرف روانہ ہو گئے تھے جس کے ساتھ شرط کا وہ دستہ بندھا ہوا تھا۔

صنوبر کے اس درخت کے پاس آکر سب اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ ناصربالدین اس دستے کے پاس کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ خلدون کے بیٹے! اگر آج تم نے اس دستے کو توڑ دیا تو مجھ کو ایک عظیم مقصد کے لیے تمہارا انتخاب مکمل ہو چکا۔ حسن آگے بڑھا اور جو نہی وہ دستہ پکڑ کر اسے کیچھے لگا۔ وہ چونک پڑا اور بدک کر دستہ اس نے چھوڑ دیا اور کوئی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ کہتا ہوں کہ اندر ایک تیز اور زہریلی بارگشت کے ساتھ۔ ناقوس کی آواز بلند ہوئی تھی۔ ایسے لمحے میں جیسے کوئی کسی کو بڑی ہمدردی اور پیار سے پکار رہا ہو۔ حسن چونک اٹھا اور ناصربالدین کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ سنو! ناقوس کی اس آواز کو غور سے سنو اور جان لو میرا بھائی حماد بن خلدون پہنچ گیا ہے۔ خدا کی قسم یہ اس کے ناقوس کی آواز ہے اور وہ مجھے پکار رہا ہے۔

حسن سانس لینے کو رک کر پھر کہتا چلا گیا۔ ناصربالدین سنو! ناقوس کی اس آواز کو غور سے

کیا یہ سوار آپ کے لیے کوئی بری خبر لے کر آئے ہیں جو آپ اس طرح پریشان اور غمگین ہو گئے ہیں۔ ناصر الدین نے چھٹی چھٹی سی آواز میں کہا۔ تمہارا اندازہ درست ہیں۔ یہ سوار دریا تے چچوں کی طرف سے آئے ہیں۔ وہاں ان دنوں ہمارے سلطان شہاب الدین اور خوارزم کے حکمران سلطان شاہ کے درمیان نہ ختم ہونے والی جنگوں کا ایک طویل سلسلہ جاری ہے۔ یہ سوار میرے پاس سلطان شہاب الدین کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ سلطان نے ایک انتہائی بری خبر بھیجنے کے ساتھ رسد اور ملک بھی طلب کی ہے۔

حسن نے درمیان میں بولتے ہوئے پوچھا۔ وہ بری خبری کیسی ہے۔ ناصر الدین نے پھر کہنا شروع کیا یہ سوار خبر لاتے ہیں کہ ایک معرکے میں خوارزم کے حکمران سلطان شاہ نے ہمارے جنرل قطب الدین ایک کو گرفتار کر کے لوہے کے ایک پتھرے میں بند کر دیا ہے اور اب وہ نامور جنرل خوارزم کے سلطان شاہ کی قید میں ہے جس نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ کیا یہ بات ہمارے لیے باعث شرم نہیں کہ دو مسلمان حکمران ایک دوسرے کے خلاف صفت آرا ہوں۔ غزنی کے سلطان شہاب الدین اور خوارزم کے حکمران سلطان شاہ کا ایک دوسرے سے جنگ کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے ایک بھائی دوسرے بھائی کے خلاف تلوار کیچھنے لے۔

ناصر الدین نے بات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ یہ ایک معمولی سرحدی تنازعہ ہے جو غریب

یہ وہی قطب الدین ایک ہے جس کا مزار لاہور کی ایک روڈ پر ہے جن دنوں غزنی کے سلطان شہاب الدین اور خوارزم کے حاکم سلطان شاہ کے درمیان سرحدی جھڑپیں ہوتی تھیں ان دنوں قطب الدین سلطان شہاب کے اصطبل کا داروغہ تھا۔ جنگ کے دوران ایک روز وہ اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ لشکر کے گھوڑوں کے لیے گھاس کاٹنے۔ جنگ کی طرف گیا تو خوارزم شاہ کے دستوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ قطب الدین نے بڑی جرأت سے ان کا مقابلہ کیا۔ لیکن اس کے ساتھیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ لہذا اسے شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر خوارزم شاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ خوارزم شاہ نے لوہے کا ایک پیڑہ بڑا یا اور قطب الدین کو اس پیڑے میں بند کر دیا۔

سنو میرا بھائی پہنچ گیا ہے اور وہ یہیں کہیں کسی بلند پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہو کر اپنا ناقوس چھونک کر مجھے پکار رہا ہے۔ جانتے ہو اپنے ناقوس میں وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ مجھے پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ اے میرے بھائی تو کہاں ہے۔ ناصر الدین اور اس کے محافظ دستے کے سپاہیوں نے سنا ناقوس کی انتہائی سوزناک آواز اس وادی میں گونج گئی تھی۔

حسن اپنے گھوڑے کی طرف بھاگتا ہوا بولا۔ ٹھہرو میں اپنا ناقوس سجا کر اپنے بھائی کی پکار کا جواب دیتا ہوں تاکہ اسے پتہ چل جائے کہ میں یہاں ہوں حسن اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ گھوڑے کی زین سے نکلتا ہوا اس نے اپنا ناقوس اتارا اور اسے چھونک دیا جب اس نے اپنا ناقوس اپنے منہ سے علیحدہ کیا تو پوری وادی ایک دم گہری اور انتہا خاموشی میں ڈوب گئی تھی کیونکہ دوسری طرف سے بھی ناقوس بجنا بند ہو گیا تھا۔ مٹھوری ہی دیر بعد گھوڑوں کی تیز اور طوفانی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور پھر چند ہی لمحوں بعد چھوٹے سے اس میدان میں جس کے اندر صنوبر کے درخت کے ساتھ رستہ بندھا ہوا تھا حماد اور حارث نمودار ہوئے۔

انہیں دیکھتے ہی حسن کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ حماد نے میدان کے وسط میں آکر اپنے گھوڑے کی باگیں زور سے کھینچ لیں اور اس کا توازن گھوڑا اپنی ٹانگیں اٹھاتے ہوئے طوفانی انداز میں نہنایا۔ پھر حماد گھوڑے سے اترا اور بھاگ کر حسن کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ اس کے بعد حارث اس سے گلے مل رہا تھا۔ جب حارث اور حسن علیحدہ ہوئے تو حماد نے ناصر الدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حسن سے پوچھا۔

اگر میں غلطی پر نہیں تو یہی ہرات کا والی ناصر الدین ہے جس نے تجھے قید اور محبوس کر رکھا ہے حسن نے بڑی لطافت سے کہا۔ یا اخی! اس نے مجھے قید اور محبوس نہیں کر رکھا۔ انہیں ایک ایسے جوان کی ضرورت ہے جو ہندوستان جا کر اپنے مذہب اور ملت کی خدمت کریگا اور اس جوان کے چناؤ کی شرط یہ ہے کہ وہ جوان اس صنوبر کے درخت کے ساتھ بندھے ہوئے رستے کو توڑ دے۔ اے میرے بھائی اس جوان سے ناصر الدین جو کام لینا چاہتا ہے۔ اس میں اسلام کی اشاعت اور ترویج بھی شامل ہے۔

میں ایک بار اس رستے پر زور آزمائی کر چکا ہوں۔ لیکن میں اسے توڑ نہ سکا تھا۔ آج میں پھر زور آزمائی کرنے لگا تھا کہ آپ نے ناقوس سجا کر میری قوجراپنی طرف کر لی۔ اب ایک بار پھر میں اس رستے پر زور آزمائی کرتا ہوں۔ شاید میں کامیاب ہو جاؤں۔

حسن رستے کی طرف بڑھا۔ ناصر الدین نے آگے بڑھ کر حماد اور حارث سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو تم دونوں حماد اور حارث ہو اور اس ٹاپوں تم دونوں بھائیوں کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ ناصر الدین خاموش ہو گیا۔ کیونکہ حسن رستے کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگا تھا۔ حسن کافی دیر تک زور آزمائی کرتا رہا لیکن وہ رستے کو توڑ نہ سکا۔ ناچار اس نے رستہ چھوڑ دیا گردن جھکائے وہ پیچھے ہٹا اور اپنے بھائیوں کے پاس آکر وہ بڑی رحم طلب نگاہوں سے اپنے بھائی حارث کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

اس بار حارث آگے بڑھا اور رستے سے زور آزمائی کرنے لگا۔ وہ بھی کافی دیر تک رستے کو توڑنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن ناکام رہا۔ وہ بھی واپس آیا اور نہایت ہی امداد طلب نگاہوں سے حماد کی طرف دیکھنے لگا۔ حماد کی حالت قابل دید تھی۔ اس کے چہرے پر منور نقوش کی جھلک تھی۔ وہ آگے بڑھا رستے کے قریب جا کر اس نے اپنی ٹاٹ کی عبا اتار کر زمین پر رکھی پھر سر سے خود اتارا اور بعد میں اس نے ٹاٹ کی پستین بھی اتار کر زمین پر رکھ دی۔ اب اس کے ٹاٹ کے لباس پر زور چمکتی نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے ناصر الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے بندہ خدا! اس رستے پر میرے دونوں بھائی زور آزمائی کر چکے ہیں اس لیے یہ کمزور پڑ چکا ہے اور میرے ہاتھوں جلد ٹوٹ جاتے گا کیا تیرے پاس کوئی نیا رستہ نہیں ہے جس سے میں زور آزمائی کروں اور تم میری طاقت کا اندازہ کر سکو۔

ناصر الدین نے بڑی محبت اور شفقت سے کہا۔ یہ رستہ کمزور نہیں پڑا۔ ویسا ہی ہے اگر تم نے اسے توڑ دیا تو میری شرط پوری ہو جائے گی۔ حماد پھر بولا۔ تو پھر اس رستے کو دہرا کر کے صنوبر کے اس درخت کے ساتھ باندھ دو اور پھر دیکھو میں کس طرح اس رستے کو توڑ دیتا ہوں۔ ناصر الدین کے حکم پر سپاہی آگے بڑھے اور انہوں نے رستہ دہرا کر کے صنوبر کے درخت سے باندھ دیا تھا۔

شہاب الدین خیمہ زن ہے۔ تم بھی میرے ساتھ جاؤ گے اور اس جنگ میں حصہ لو گے۔ اس کے دواؤں سے ہونگے ایک نوین تہادی ہی جنگی عمارت کا جائزہ لے لوں گا، دوسرے تمہیں سلطان سے متعارف کرواؤں گا۔ اس جنگ میں حصہ لینے کے بعد ہندوستان کی طرف روانہ ہو جاؤ گے۔

کچھ عرصہ ہوا تہارے جیسا ہی ایک جوان جسے میں نے ہندوستان میں کام کرنے والے مسلمان جاسوسوں کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ یہاں سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس نے وہاں صرف چند ماہ تک ہی کام کیا کہ اچانک وہ کہیں روپوش ہو گیا مجھے خدشہ ہے اسے گرفتار نہ کر لیا گیا ہو۔ وہاں کام کرنے والے مسلمان جاسوس اب بھی اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ تم ہندوستان جا کر پہلے ایک خان کو تلاش کرنا۔ اگر وہ تمہیں مل جائے اور زندہ ہو تو تم اس کے امیر ہو گے اور وہ تہارے ماتحت کام کرے گا اگر وہ شہید ہو چکا ہے۔ تو بھی ہند میں کام کرنے والے سب مسلمانوں کے تم سرخیل ہو گے تم وہاں ہندوستان کے راجاؤں کی فوجی قوت کا جائزہ لینا اور ان کے لشکروں کی نقل و حرکت سے ہمیں آگاہ کرتے رہنا کیونکہ سلطان بہت جلد ہندوستان پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ وہاں تہارے ماتحت چند تیز رفتار گھوڑ سوار ہوں گے جو میرے اور تہارے دو میان پیغام رسانی کا کام دیں گے۔ جانے سے قبل میں تمہیں پوری تفصیل سمجھا دوں گا کہ ہندوستان جا کر تم کس کس سے ملو گے۔ کون کون وہاں ہمارا معتبر جاسوس ہے اور ان کے ٹھکانے کہاں ہیں۔

ناصر الدین جب خاموش ہوا تو حماد نے کہا۔ میرا باپ بوڑھا اور ماں اپنا بچ ہے میری کوئی بہن نہیں جو ان کی خدمت کرے۔ میں ہی ان کی دیکھ بھال کرتا ہوں پہلے میں اپنے گھر جاؤں گا کہ امیر میرے باپ اور ماں نے مجھے یہ کام کرنے کی اجازت دی تو میں ضرور تہاری خدمت کروں گا۔ بصورت دیگر میں مجبور ہوں گا۔ ناصر الدین نے کہا۔ میں تھوڑی دیر بعد یہاں سے ہرات کی طرف کوچ کر رہا ہوں وہاں سے ملک لیکر میں دریا سے نیچوں کی طرف روانہ ہوں گا۔ اس طرح نیشاپور میرے راستے میں پڑے گا اور میں تہارے

حماد آگے بڑھا۔ دہرے کیے ہوتے رستے کو اپنے بازو میں ڈال کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف دعا کے انداز میں اٹھائے اس کے ساتھ ہی وہ زمین پر دو زلزلے بیٹھ گیا اور اس کی گھمبیر مگر لطافت بھری آواز سنا دی۔ وہ دعا مانگا رہا تھا۔

”اے میرے اللہ! ہر صفت و صمدیت تیرے لیے ہے۔ تو سہو و خطا سے لاریب ہے۔ تیری حکمت میں شکایت کی مجال نہیں ہے۔ اے خداوند جلیل تو دہی ہے تو تاج و درں کہ خاک نشین کر دیتا ہے۔ اے میرے خدا! میری دعائیں اور اپنے نام کے وسیلے سے مجھے اس امتحان میں کامیاب کر۔ اے اللہ! تو میرا حکم برج اور میری مضبوط چٹان ہے۔ مجھ پر نگاہ رکھ اور میرا انصاف کر۔ مجھے ہمت دے کہ میں اس امتحان میں پورا اتر سکوں۔“ دعا ختم کر کے حماد سیدھا کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ لحظہ لحظہ آفت و طوفان کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ شیر دل فرزند آسمان کی مشکوں کو در زمین کی دزد کو کھول دے گا۔ وہ ایسا قہر آلود ہو گیا تھا گویا اسے کہساروں کو ریزہ ریزہ اور زمین کو رطیہ ہلاکت میں جھونک دینے کے لیے پیدا کیا گیا ہو۔ پھر اس نے پتھروں کی طرح مصمم ارادے سے رستے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا۔ اس کے پتیل جیسے سخت بازو خوب پھول گئے تھے اور اس کی آنکھیں غصے میں انگارے برسانے لگی تھیں۔ پھر اس نے اپنی پوری طاقت سے چلا کر اپنے رب کو پکارا ”اللہ“ اس کی پہاڑوں پر لرزہ طاری کر دینے والی آواز چادوں طرف بکھر گئی تھی۔ پھر اس کا جسم جھکنے اور دہرا ہونے لگا تھا جیسے وہ کسی وبق ناخاندہ کی ابتداء کرنے لگا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس نے زور لگایا اور اپنے پہلے ہی جھٹکے میں دہرے کیے ہوتے رستے کو درمیان سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔

ناصر الدین بھاگ کر آگے بڑھا اور اسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔ خدا کی قسم تم دہی ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔ بے عیب و بے نوم قدرت ملت کے کسی اہم کام کے لیے تمہارا انتخاب کر چکی ہے۔ پہلے میرا ارادہ تھا میں کل یہاں سے کوچ کر دوں گا۔ اب جبکہ تم آگتے ہو میں اپنے ارادے کو بدل چکا ہوں۔ میں آج ہی ہرات روانہ ہو جاؤں گا اور وہاں سے ملک لیکر دریا سے جیچوں کی طرف کوچ کر جاؤں گا جہاں اس وقت سلطان

ابواب سے تمہارے لیے اجازت لے لوں گا۔ میں کوشش کروں گا۔ تمہارے علاوہ حادثہ اور حسن کو بھی اپنے لشکر میں شامل کر لوں۔ ناصر الدین خاموش ہو گیا پھر اس کے کہنے پر سب لوگ حویلی کی طرف چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ناصر الدین حماد، حادثہ اور حسن کو لیکر اپنے محافظ دستے کے ساتھ ہرات کی طرف کوچ کر رہا تھا۔



رات ہو گئی تھی۔ عروس ایل نے چاروں طرف اپنے چاندنی کے آنچل پھیلا دیے تھے۔ آسمان پر کہیں کہیں بھورے بھورے بادل تیر رہے تھے۔ کوہستانوں کے اندر بل کھانے والی بے ٹھکانہ راہیں اداس اور افسردہ ہو گئی تھیں۔ چاند اور اس کے قریب ایک ستارہ دونوں اپنے اپنے مرکز پر قائم آہستہ آہستہ کچھ اس طرح مغرب کی طرف سفر کر رہے تھے گویا دو محبوب ناراض ہیں اور علیحدہ علیحدہ راستوں پر چل دیئے ہوں خلدون اور زبیب عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ خلدون چونک پڑا اور اپنی بیوی سے کہا۔ زبیب! سنو! یہ آواز غور سے سنو! زبیب کے چہرے پر خوشی کی لہریں بکھر گئی تھیں اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن رہی ہوں آواز لمحہ بہ لمحہ ہماری حویلی کی طرف بڑھ رہی ہے میرا دل کہتا ہے حماد اور حادثہ حسن کو لیکر آگے ہیں۔ خلدون کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ٹھہرو میں دیکھتا ہوں کون ہے اگر وہ میرے بیٹے ہیں تو میں مکان سے باہر نکل کر ان کا استقبال کرتا ہوں۔ خلدون اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑی تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد تین سوار پہاڑ کے اوپر چڑھتے دکھائی دیے۔ پھر وہ حویلی سے باہر خلدون کے سامنے اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے۔ وہ حماد، حادثہ اور حسن تھے۔ خلدون نے آگے بڑھ کر باری باری تینوں کو گلے لگایا پھر وہ انہیں اندر لے گیا گھوڑے انہوں نے صحن کے اندر ہی کھڑے کر دیئے اور سب زبیب کے پاس آئے زبیب کے چہرے پر اتھاہ اور بے پایاں خوشی بکھر گئی تھی وہ اٹھی اور تینوں کو اپنے

پاس بٹھا کر پیادہ کرنے لگی۔ خلدون اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔ تم تینوں ماں کے پاس بیٹھ کر باتیں کرو میں تمہارے گھوڑے اصطبل میں باندھ آتا ہوں۔

حماد فوراً کھڑا ہو گیا اور اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اسے اس کی نشست پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ آپ بیٹھے رہے۔ میں آپ سے رخصت کی اجازت لینے آیا ہوں۔ زبیب نے چونک کر پوچھا۔ رخصت کی اجازت؟ خلدون نے بھی پوچھ لیا تم حسن کو تولے آئیے ہواب تم کہاں جانا چاہتے ہو۔ حماد نے پہلے بڑے غور سے حادثہ اور حسن کی طرف دیکھا پھر اس نے کہنا شروع کیا۔ ناصر الدین مجھے سلطان شہاب الدین کے لشکر میں شامل کر کے ہندوستان کی طرف روانہ کرنا چاہتا ہے۔ شہاب الدین عنقریب ہندوستان پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور میرا کام یہ ہو گا کہ میں اسے وہاں کے راجاؤں کی عسکری قوت اور ان کی نقل و حرکت کے متعلق آگاہ کرتا رہوں۔ وہ حادثہ اور حسن کو بھی اپنے لشکر میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ بوڑھے خلدون نے بیٹے کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ کیا جس کام کے لیے تمہیں ہندوستان کی طرف روانہ کیا جائے گا اس میں اسلام کی ترویج اور اشاعت بھی شامل ہے۔ حماد نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اے میرے باپ! شہاب الدین اسلام کی اشاعت کے لیے ہی ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ خلدون نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔ اگر ایسا ہے تو سنو۔ تم اور حادثہ لشکر میں شامل ہونے کے لیے جاسکتے ہو تاہم حسن ہمارے پاس رہیگا تمہاری غیر موجودگی میں یہ اپنی ماں کی دیکھ بھال کے علاوہ میرے ساتھ کھیتوں میں کام کرے گا۔

حماد نے زبیب کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اے میری ماں! آپ اس بارے میں کیا کہتی ہیں۔ زبیب نے حماد کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا میں تمہارے باپ کے فیصلے کی تائید کرتی ہوں۔ حماد نے خلدون کی طرف دیکھتے ہوئے پھر کہا۔ یا ابی! مجھے کوئی نصیحت بھی کیجئے۔

خلدون چند لمحوں تک خاموش رہا اور کمرے میں گہری خاموشی چھائی رہی۔ پھر خلدون نے آہستہ آہستہ اپنی ٹھکی ہوئی گردن اوپر اٹھائی اور گدایانہ سی کیفیت میں اس نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے میرے بیٹے! جب تجھے اسلام کے دشمنوں سے جنگ کرنے

کا موقع ملے تو اپنی پوری قوت اشراق اور جذب استغراق سے اپنی روایتی طاقت و شہرہ و روم کے ساتھ ان پر حملہ آور ہونا۔ دشمن کے سامنے کبھی بھی اپنی آنکھوں میں اونگھ اور پلکوں میں چھپکی نہ آنے دینا۔ اگر تجھے لشکر کے کسی حصے کی کمانداری سونپی جائے تو اپنے ساتھیوں کے لیے دوستی کی صبح کی طرح اجلا اور اس درخت کی مانند خوشگوار رہنا جو ندی کے کنارے ہوا و جس کا پتہ نہ مرجھاتے۔

خالدوں نے چند لمبے رک کر پھر کہا۔ میرے بیٹے ارات سونے سے مختصر نہیں ہوتا اور دن محض غلط کاموں سے دن نہیں بنتا۔ جنگ میں لڑے بغیر نہ لڑیں۔ کیفیت لیکر اور اپنے گرم نعروں کے پورے زور و جوش کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد کرنا۔ اے میرے بیٹے! یاد رکھ جہاں حلقہ آتش فروغ ہوتا ہے وہاں میرے اللہ نے گلزار خلیل بھی بنا رکھا ہے۔ اگر تو اسلام کی ترویج و اشاعت میں کفار کے خلاف آتشی چکیوں کی طرح صاف حقہ دار چھپے گا تو قسم مجھے اس گھر کی جس کے گرد لوگ طواف کرتے ہیں میرا رب کہکشاں کو تمہارے قدموں کی دھول بنا دیگا۔

چند شاعروں کی خاموشی کے بعد خالدوں پھر گویا ہوا۔ یا بھئی! اے میرے بیٹے! مطمئن دل جسم کی جان ہوتا ہے جبکہ حد انسانی ہڈیوں کو بوسیدہ کر دیتا ہے۔ اپنے ظرف و ضمیر کو بیدار رکھ کر اپنے فرائض انجام دینا۔ تو اس گھر کا مشکوٰۃ و زجاج اور چراغ ہے۔ میں اور زبیب دن کے اُجالے اور پچھلے پہر کے تاروں کی چھاؤں میں تم دونوں بھائیوں کی فتح منا کی دعا مانگتے رہیں کہ کیا تم دونوں بھائی اکیلے ارضِ خوارزم کی طرف کوچ کرو گے۔

حادثے اپنی جھکی ہوئی گردن سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ ہرات کا والی ناصر الدین سلطان کی مدد کے لیے ایک لشکر لے کر یہاں سے جا رہا ہے ہم دونوں بھائی اس کے ساتھ جائیں گے وہ اپنے لشکر کے ساتھ نیچے پہاڑ کے دامن میں کھڑا بڑی بیتابی سے ہم دونوں کا انتظار کر رہا ہوگا۔ اس نے کہا تھا تم اپنے ماں باپ سے اجازت لے کر جلد لوٹ آؤ اور اگر انہوں نے جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی تو میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ خالدوں نے چونکتے ہوئے کہا۔ تو پھر جلدی جا کر اس کے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔

تمہارے دیر لگانے سے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سوچنے لگے کہ ایک عرب اپنے بیٹے کو اسلام کی خدمت کرنے کی سعادت سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ حماد کے جواب دینے سے قبل زبیب اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی اور حماد سے کہا۔ ذرا رک جانا بیٹے! میں ابھی آئی وہ اپنی لائٹھی ٹیکتی ہوئی ایک دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔ حماد نے حارث کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم میرے اور اپنے گھوڑے کو باہر نکالو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ خالدوں، حارث اور حسن باہر نکل گئے۔ حماد اس کمرے میں آیا جو اس کی خواب گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ پہلے اس نے دیوار سے اپنا بھاری گمراہ آثار کو فرش پر رکھا۔ پھر اس نے لوہے کا بنا ہوا ایک مضبوط پنجبھی دیوار سے اتار لیا۔ اس آہنی نیچے کی انگلیاں خوب موٹی، مضبوط، شاہین کے پنجوں کی مانند نمدار اور ان کے سرے خوب نوکیلے تھے۔ پھر اس نے دیوار سے لٹکتی مضبوط رسیوں کے کئی گچھے بھی اتار لیے تھے۔ یہ سب چیزیں اس نے اٹھا تیں اور حویلی سے باہر نکل کر وہ انہیں اپنے گھوڑے کی زین سے باندھنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد زبیب بھی اپنی لائٹھی ٹیکتی ہوئی حویلی سے نکلی اس کے ہاتھ میں ایک گھٹری بھی تھی جس میں حماد اور حارث کے لیے کھانے کا سامان تھا۔ وہ گھٹری زبیب نے حماد کے گھوڑے سے باندھ دی۔ پھر اس نے اپنی جھکی ہوئی کمر باندھی کی اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے بیٹے! اگر جنگ میں تم دونوں اکٹھے رہو تو حارث کا خیال رکھنا۔ خدا کے بعد تم ہی اس کے امین اور محافظ ہوں گے۔ اور سنو میرے بیٹو! اپنے باپ کی نصیحت کو اپنی لوحِ دل پر لکھ کر رکھنا۔

زبیب چند ساعتیں خاموش رہی پھر وہ قید خانے میں گائی جانے والی دھن کی طرح آوازیں بولی۔ اے میرے بیٹو! تم میرے گھر کے روشن چراغ ہو گے میں بڑی بیتابی اور بے چینی سے تم دونوں کی واپسی کا انتظار کروں گی پر بااں ہمہ میں تم سے یہ اُمید بھی رکھوں گی کہ تم دونوں اسلام کے دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے بیٹھ کر کھاؤ گے میرے بچو! اجہا وہیں دشمن پریوں وارد ہونا جیسے۔ جیسے گردوں نیچے جھک کر زمین سے کوئی سوال کرتا ہے۔ تم دونوں اپنے فحشہ کی نعروں سے دشمن کے حواسِ خمسہ پر

غم کی طیلسان نان دینا بالکل ایسے انداز میں جس طرح پاتال مردوں کو نگل جاتا ہے اگر تم اپنے مقصد میں پر خلوص رہے تو قدرت تم پر اپنی فطرت کے سارے راز اظہار کر دے گی۔ اب تم روانہ ہو جاؤ۔ میں تم دونوں کو اللہ حافظ کہتی ہوں۔ حماد اور حارث دونوں اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور نیچے کھڑے ناصر الدین کے لشکر کی طرف چلے گئے۔ خلدوں، زربیب اور حسن بوجھل بوجھل سی طبیعت کے ساتھ حویلی میں داخل ہو گئے تھے۔



سلطان شہاب الدین اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جیحوں کے کنارے خیمہ زن تھا اس سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر دریائے جیحوں کے بہاؤ اور بحیرہ اراک کی طرف خوارزم شاہ اپنے طوفانی دستوں کے ساتھ پڑاؤ کیے جنگ کا منتظر تھا۔ دونوں ہی حکمران جنگ کی ابتدا کرنے سے پہلو تہی کر رہے تھے۔ تاہم شہاب الدین کے لیے یہ جنگ اب ناگزیر ہو چکی تھی اس لیے کہ خوارزم شاہ نے اس کے ایک جرنیل قطب الدین ایک لوگوں کو کر کے لوہے کے پتھرے میں بند کر دیا تھا اور قطب الدین ایک ایسا جرنیل تھا جسے شہاب الدین اپنا بیٹا جان کر عزیز ترین رکھتا تھا۔

شہاب الدین کا خیمہ اپنے لشکر کے وسط میں تھا۔ یہ کمائے ہوئے چڑے کا ایک خوبصورت اور کافی بڑا خیمہ تھا جس کے اندر پردہ کھینچ کر خیمے کو دو چھوٹے چھوٹے گروں میں بدل دیا گیا تھا۔ خیمے کے دروازے پر اطلس کے پردے لٹک رہے تھے اور چڑے کے اندر وہی جتنے کو نیم ہرے رنگ سریری کپڑے سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ کمرے کے فرش پر موٹی تہ کاٹ بچھا ہوا تھا اور اسی ٹاٹ پر سلطان کا بستر لگا ہوا تھا۔

سلطان شہاب الدین کا کوئی لڑکا نہ تھا اس کی کل اولاد ایک لڑکی تھی جس کی قبر اس نے اپنے زندگی میں خود ہی بنا دی تھی لیکن قدرت کی بے اعتنائی کہ شہادت کے بعد سلطان خود اس قبر میں دفن ہوا۔ بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے سلطان، قطب الدین کو ہی اپنا بیٹا سمجھتا تھا۔

ایک روز جبکہ سہارا کا ٹھٹھا اہوا سورج مغرب کی طرف خوب جھک گیا تھا۔ ہرات کا حکمران ناصر الدین حماد کے ساتھ شہاب الدین کے خیمے کے عین سامنے اپنے گھوڑے سے اترا اور حماد کو وہیں رک کر انتظار کرنے کا اشارہ کر کے وہ شہاب الدین کے خیمے کی طرف بڑھا۔ ناصر الدین کو دیکھتے ہی خیمے کے محافظ اور چوہدار سر جھکائے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ ناصر الدین اندر داخل ہوا۔ سلطان باہر چلتی ہوئی تیز رفتاری سے اپنے بچنے کی خاطر اپنے بستر میں بیٹھا ہوا تھا۔ ناصر الدین کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا بستر اس نے ایک طرف پھینک دیا اور آگے بڑھ کر ناصر الدین کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ تم بہت اچھے وقت پر پہنچ گئے ہو میں آج رات یا کل دن کے وقت قطب الدین کو مارا کرنے کی خاطر جنگ کی ابتدا کرنے والا تھا۔

پھر شہاب الدین نے اپنے بھانجے کو کپڑے کر اپنے بستر میں بٹھاتے ہوئے پوچھا تم کس قدر کمک ہرات سے لاتے ہو؟ ناصر الدین نے اپنے پاؤں اور رانوں پر رضائی ڈالتے ہو کہا۔ میں اپنے ساتھ پانچ ہزار کا لشکر لایا ہوں۔ جو اس وقت تک آپ کے مقدمہ الجیش کے پہلو میں پڑاؤ کر چکا ہو گا۔ سلطان نے پھر پوچھا۔ کیا ہندوستان سے تمہارے پاس ایک خان کے متعلق کوئی خبر آتی ہے۔ ناصر الدین پریشان سا ہو گیا، اور اپنی گردن کو خم دیتے ہوئے اس نے کہا۔ ایک خان کے متعلق میں سخت پریشان ہوں۔ اس کی روپوشی نے مجھے ایک عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔

شہاب الدین نے خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔ ایک خان جیسا شیر دل جوان کسی خوش قسمت ماں کے ہاں پیدا ہوتا ہے۔ اسے اگر کچھ ہو گیا ہے تو یہ ہمارے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ایک خان جیسا جوان کسی ہرول کا گماندار اور کسی جوار لشکر کا سالار ہونا چاہیے تھا وہ بہادور اور شجاع تھا۔ ناصر الدین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میں اس نقصان کی تلافی کر چکا ہوں۔ شہاب الدین نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ایسے نقصان کی تلافی تم کیسے اور کیونکر کر سکتے ہو؟

ناصر الدین نے اس بار اپنی گردن اٹھاتے اور چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ میں نے

سے واقفیت رکھتے ہو۔ حماد نے بڑی عاجزی سے کہا۔ میں تجارتی قافلوں کے ساتھ
اکثر ہندوستان جاتا رہا ہوں۔ آپ جو کام بھی مجھے سونپیں گے میں اُسے آپ کی مرضی
اور خواہش کے مطابق انجام دوں گا۔ میں آپ کو مالوس نہ کروں گا۔ سلطان نے اس
کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ تم آج رات ہی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤ۔
تمہارا پہلا کام وہاں ایک خاں کو تلاش کرنا ہوگا، اگر وہ تمہیں مل جاتے تو آئندہ
کے لیے ہندوستان میں وہ تمہارے ماتحت کام کرے گا۔ اس کے لیے ناصر الدین
باقاعدہ تمہیں تحریر دے دیگا۔ ناصر الدین تمہیں یہ بھی بتا دے گا کہ وہاں کون کون
تمہارے دوست ہیں اور مصیبت کے وقت کس کس سے تمہیں مدد مل سکتی ہے۔
ایک خان اگر زندہ ہوا تو وہ ہر کام میں تمہاری مدد کرتا رہے گا وہ ایک مخلص اور نفیس
انسان ہے اور تمہارے ماتحت کام کرتے ہوئے خوشی محسوس کرے گا۔ اگر وہ کسی حادثے
کا شکار ہو چکا ہے تو وہ وہاں جا کر تمہیں اپنی راہوں کا تعین خود کرنا ہوگا۔

شہاب الدین چند محلوں کی خاموشی کے بعد چھ لولا۔ وہاں جا کر تجارت کا پیشہ اختیار
کر لینا۔ اس پیشے کی آٹھ میں تم ہر جگہ جا کر اپنا کام کر سکتے ہو۔ ہندوستان میں داخل ہوتے
ہی ابوالفتح سے ملنا۔ وہ دریائے سرسوتی کے کنارے جیم سین کے قصبہ میں رہتا
ہے۔ بظاہر وہ ہندو ہے اور اس کا نام بدری ناتھ ہے۔ لیکن وہ اس کا ظاہری روپ
ہے فی الحقیقت ایک مسلم مبلغ کے ہاتھوں وہ کچھ عرصہ قبل اسلام قبول کر چکا ہے۔ لیکن
اس نے کسی پر یہ ظاہر نہیں کیا اور اپنے پہلے مذہب کی آڑ میں وہ اسلام اور مسلمانوں
کے لیے جاسوسی کرتا ہے۔ وہ ہر مصیبت میں تمہارے کام آ سکتا ہے۔ ابوالفتح خود بھی
ایک خان کو تلاش کر رہا ہوگا۔ ہو سکتا ہے۔ تمہارے وہاں پہنچے تک وہ اسے
ڈھونڈھ چکا ہو۔

شہاب الدین جب خاموشی ہو تو حماد نے کہا۔ کیا میں اس جنگ میں شامل
ہونے کی سعادت حاصل نہ کر سکوں گا جس کے لیے آپ نے یہاں پڑاؤ کر رکھا ہے۔
میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں اس جنگ میں حصہ لینے کے بعد میں اپنے گھر جانے کے

ایک ایسے جوان کو تلاش کر لیا ہے جو ایک خان سے بھی زیادہ شجاع اور طاقتور ہے۔
سلطان نے بیتاب ہو کر پوچھا وہ اس وقت کہاں ہے اور اس کا نام کیا ہے۔ ناصر الدین
نے سلطان کی بیتابی سے محفوظ ہوتے ہوئے کہا۔ وہ نیشاپور کا رہنے والا ہے۔ اس کا
نام حماد بن خلدون ہے لوگ اسے نیشاپور کا شاہین کہتے ہیں پانچ ہزار کا ہوشگر میں اپنے
ساتھ لایا ہوں اس میں وہ اور اس کا ایک چھوٹا بھائی بھی شامل ہیں۔ تمہیں چاہیے تھا۔
اسے اپنے ساتھ میرے پاس لے کر آئے۔ ناصر الدین نے اس بار مسکراتے ہوئے کہا
اب زیادہ بیتاب نہ ہوں وہ اس وقت آپ کے خیمے سے باہر کھڑا ہے میں اسے
آپ سے ملانے کے بعد ہندوستان کی طرف روانہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ میری رستہ توڑنے
کی شرط بھی کر چکا ہے۔

سلطان نے رضائی ایک طرف پھینک دی اور بستر سے باہر نکلتے ہوئے
بول۔ تم نے اسے خیمے سے باہر منتظر پریشان کھڑا کر کے اس پر ظلم کیا ہے۔ خدا کی قسم
ملت میں ایسے نوجوان روز بروز پیدا نہیں ہوتے۔ میں اپنے خیمے سے باہر نکل کر اس
کا استقبال کرتا ہوں۔ ناصر الدین فوراً اٹھ کر خیمے کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے
بول۔ آپ بیٹھیں میں خود اسے بلا کر لاتا ہوں۔

تھوڑی دیر بعد ناصر الدین جب لوٹا تو اس کے ساتھ حماد بھی تھا۔ دروازے کے
قریب ہی سلطان نے اس سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے خوش طبعی اور
پرمسرت لہجے میں کہا۔ میں اپنے خیمے میں نیشاپور کے شاہین کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

حماد نے اپنی گردن قدرے خم کر لی اور اپنے دونوں ہاتھوں میں سلطان کا ہاتھ
مصافحہ کے لیے لیتے ہوئے اس نے کمال عقیدت اور زلفت میں کہا۔ میرے لیے
یہ ایک بہت بڑی سعادت ہے کہ میں آپ کے خیمے میں کھڑا آپ سے مصافحہ کر رہا
ہوں۔ سلطان دونوں کو خیمے کے دوسرے کمرے کی طرف لے گیا اور تینوں اس بستر
پر بیٹھ گئے جو فرش پر لگا ہوا تھا۔ پھر سلطان نے حماد سے کہا۔

مجھے ناصر الدین تمہارے متعلق بہت کچھ بتا چکا ہے۔ کیا تم ہندوستان کی سرزمین

بجائے سیدھا ہندوستان کا رخ کر لوں گا۔ شہاب الدین نے بلا توقف کہہ دیا۔ تمہیں اس کی اجازت ہے۔

ناصر الدین اور حماد دونوں سلطان کے خیمے سے باہر نکل کر اس جگہ آئے جہاں وہ لشکر پڑاؤ کیے ہوئے تھا جسے وہ ہرات سے لے کر آئے تھے۔ ناصر الدین گھوڑے سے اتر کر اپنے خیمے میں چلا گیا جس کے گرد مسلح مہر بدار کھڑے تھے۔ حماد نے ناصر الدین کے خیمے سے دائیں طرف ایک خیمے کی طناب سے اپنے گھوڑے کو باندھ دیا۔ خود وہ اس خیمے میں داخل ہوا۔ اندر اس کا چھوٹا بھائی حارث اس کا انتظار کر رہا تھا۔ حماد کو دیکھتے ہی حارث نے پوچھا۔ انجی! سلطان سے آپ کی ملاقات ہوئی؟ حماد اس کے سامنے بیٹھتا ہوا ہلا۔ ہاں میں سلطان سے مل چکا ہوں۔ میں اس جنگ میں حصہ لینے کے بعد ہندوستان کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ حارث نے چونک کر پوچھا اور میں؟ حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تم سلطان کے لشکر میں رہو گے اگر تم خلوص و جانفشانی سے کام کرو تو نام پیدا کر سکتے ہو۔ حارث خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے خیمے کے ایک کونے میں ڈھانپ کر رکھا ہوا کھانا نکالا اور تھوڑی دیر بعد دونوں بھائی اکٹھے بیٹھ کھا نا کھا رہے تھے۔

دوسرے روز سہ پہر کے قریب شہاب الدین اور خوارزم شاہ کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا تھے۔ دونوں کے درمیان ایک معمولی سرحد تیار تھی جو قطب الدین ایک کی گز فاصلے کے بعد اب ایک ہولناک جنگ صورت اختیار کرنے لگا تھا۔ اور اب ایک کھلے میدان کے اندر دونوں حکمرانوں کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ شہاب الدین نے اپنے لشکر کے میمنہ کا سالار اپنے چچا زاد بھائی ضیاء الدین کو بنایا۔ میسرہ کا کماندار اس کا بھائی محمود اور قلب لشکر خود سلطان کے اپنے پاس تھا وہ لشکر جو ہرات سے لگے

طوبہ پسیا تھا اسے مقدمہ الجیش کی صورت دی گئی تھی اور اس کا سالار سلطان کا بھانجا اور ہرات کا والی ناصر الدین تھا۔ حماد اور حارث بھی ہراول دستوں میں شامل تھے۔ سلطان اور ناصر الدین کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ جب جنگ اپنے عروج پر ہوگی۔ ناصر الدین اپنے ہراول دستوں کے ساتھ اس جگہ حملہ آور ہوگا جہاں خوارزم شاہ نے پڑاؤ کر رکھا تھا اور وہاں سے قطب الدین کو رہا کرانے کے بعد جنگ کے میدان سے دور ہٹتا ہوا محفوظ مقام پر چلا جائے گا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی ناصر الدین نے تین ہزار چیدہ چیدہ جوان حماد کی کمان میں کر دیئے تھے اور اس کے ذمہ یہ لگایا تھا کہ وہ عین اس جگہ شب خون مارے گا جہاں قطب الدین ایک گرفتار ہے اور اسے اٹھا کر لے آئیگا۔ جب دونوں حکمرانوں کے مابین جنگ شروع ہوئی۔ ناصر الدین نے فوراً پڑاؤ کی حفاظت کر نیوالے دستوں پر حملہ کر کے ان کا دھیان اپنی طرف کر لیا اس سے تھوڑی دیر بعد حماد نے اپنے تین ہزار ساتھیوں کے ساتھ اس جگہ شب خون مارا جہاں قطب الدین ایک کر رکھا گیا تھا۔

رند و خوراک کے ان گنت خیموں کے درمیان قطب الدین ایک لوہے کے ایک مضبوط پنجرے کے اندر بڑی تکلیف دہ زندگی گزار رہا تھا۔ حماد اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچا تو اس نے قطب الدین کو اس پنجرے سے نکالنا چاہا لیکن اس کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی کیونکہ پنجرہ لوہے کی اس قدر مضبوط سلاخوں کا بنا ہوا تھا جنہیں توڑنا جاسکتا تھا۔ اور اس کا جو چھوٹا سا کھڑکی نما دروازہ تھا وہ ایک مضبوط قفل سے بندھا تھا۔

ناچار حماد نے قطب الدین کو لوہے کے پنجرے سمیت اٹھا کر اپنے گھوڑے پر رکھ لیا جب کہ اس کے ارد گرد اس کی حفاظت میں اس کے سپاہی بڑی جانفشانی سے جنگ کر رہے تھے۔ ناصر الدین کو جب خبر ہوئی کہ قطب الدین کو رہا کر لیا گیا ہے تو اس نے پڑاؤ پر حملے بند کر دیئے اور حماد کے ساتھ آلاء اس کے بعد انہوں نے ایک لمبا کا دا

کاٹا اور جنگ میں مصروف اپنے لشکر کی پشت پر چلے گئے تھے۔ وہاں قفل ٹوڑ کر قطب الدین کو اس اذیت سے رہائی دلائی گئی۔ پنجرے سے باہر نکل کر قطب الدین کا حماد سے تصارف ہوا پھر وہ حماد سے بغلیکیر ہوا اور عنونیت سے کہا تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے کبھی وقت آیا تو میں تمہیں تمہارے اس احسان کا صلہ ضرور دوں گا۔ اس کے بعد قطب الدین اپنے واقف کار لوگوں سے ملنے لگا تھا۔

سلطان شہاب الدین کو جب قطب الدین کی رہائی کی خبر ملی تو اس نے جنگ بند کر دی اور اپنا پڑاؤ اٹھا کر رات کی تاریکی میں اپنے لشکر کے ساتھ وہ اپنے دارالحکومت غزنی کی طرف روانہ ہو گیا۔ جبکہ حماد سلطان اور ناصر الدین کے کہنے پر وہیں سے ہندوستان کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

سلطان شہاب الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے آموں (دریائے جیحوں) کا کنارہ چھوڑا۔ پہلے وہ مشہد آیا وہاں سے ہرات، ناصر الدین کو اس کے لشکر سمیت سلطان نے ہرات میں چھوڑا اور وہاں ایک شب قیام کرنے کے بعد وہ اپنے جھٹے کے لشکر کو لے کر جنوب مشرق کے رخ پر آگے بڑھا۔ پہلے دریائے ہلمند کو عبور کیا پھر دریائے ارغنداب کو پار کرنے کے بعد وہ اپنے دارالحکومت غزنی میں داخل ہو گیا تھا۔

حماد دریائے آموں کے کنارے کنارے مشرق کی طرف سفر کرتا رہا۔ سمرقند کی موسلا دھار بادشوں اور برت بادی کی پرداہ کیے بغیر وہ آگے بڑھتا رہا۔ ترمز کے پاس سے گزرتا ہوا وہ کندوز آیا۔ یہاں دریائے آموں کا ایک معاون اپنا رخ جنوب کی طرف بدلتا ہے۔ لہذا وہ دریا کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھتا ہوا کوہستانی شہر بغلان میں داخل ہوا۔ یہاں اس نے ایک دن اور رات آرام کرنے کے علاوہ اپنی خورش کا سامان خرید اور دوبارہ مشرق کے رخ پر اپنی منزل کی طرف جانے کے لیے کوچ کر گیا تھا۔

لے دریائے ہلمند کا بل کے کوہستانوں سے نکل کر جنوب کی طرف بہتا ہے اور دشت خشک کے ساتھ ساتھ گزرتا ہوا ایران کے صوبہ سیستان کی طرف چلا گیا ہے۔
لے یہ دریائے غزنی کے نواح سے نکلتا ہے اور قندھار سے چند میل نیچے دریائے ہلمند میں شامل ہو جاتا ہے۔

لے بغلان شمالی افغانستان کا ایک مشہور شہر ہے اس شہر کے گرد و نواح کا طویل پہاڑی سلسلہ دریائے آموں کے ایک معاون کا منبع بھی ہے۔

دیر اور سیدو کے درمیانی حصے سے اس نے کوہستان ہندو کش کے بلند سلسلے کو عبور کیا اور وادی بچور میں داخل ہوا۔ اب اس کے سامنے قدرے کم بلند کوہستانوں کا سلسلہ تھا۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں میلوں تک پھیلے ہوئے کھلے اور وسیع میدان بھی تھے۔ لہذا وہ بڑی برق رفتاری سے سفر کرتا ہوا دریا تے نیلا بٹ کے کنارے آن کرکا۔

موسم سرما کی لگاتار بارشوں کی وجہ سے دریا تے نیلا بٹ ان دنوں طوفانی سیلاب کی حالت میں تھا اور پھر وہاں سے اُپر پانی بچے دُور دُور تک کوئی پل بھی نہ تھا جس سے وہ دریا کو پار کر سکتا۔ اس کے علاوہ دریا کے کنارے جہاں اکھر وہ رکا تھا۔ سنان جنگل تھا۔ اور وہاں زیادہ دیر قیام کرنا بھی خطرناک تھا لہذا اس نے طوفانی دریا کو عبور کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سمان نے گھوڑے کی زین سے لٹکتے ہوئے رستے کھولے اور انہیں آپس میں گانٹھیں دیکر دریا کے پاٹ سے بھی چوڑے رستے کی شکل دے دی تھی پھر اس نے اس رستے کا ایک سرا دریا کے کنارے ایک پتھر سے باندھ دیا اور دوسرا سرا اس نے اپنی کمر میں باندھ لیا تھا۔ دوبارہ وہ اپنے گھوڑے کے پاس آپا اور خرچین کے اندر سے اس نے اپنا آہنی پنجہ نکالا۔ اور گھوڑے کی زین سے ایک اور سرا کھول کر پنجے کے نچلے حصے کے کنڈے میں باندھ دیا۔ پھر وہ دریا کے کنارے آکر کھڑا ہو گیا اور اپنے آہنی پنجے کو ہوا کے اندر گول چکر میں لہر کر خوب زور سے اس نے دھاکے اندر پھینکا اور پھر سستہ آہستہ جب اسے اپنی طرف کھینچا تو آہستی پنجہ دریا کے اندر پتھر کی چٹانوں میں کہیں پھنس گیا تھا۔

حماد نے رستے کو زور سے کھینچ کر اس کی سختی کا اندازہ لگایا پھر وہ دریا تے نیلا بٹ کی پھری ہوئی لہروں کے اندر کود گیا اور آہنی پنجے سے بندھے ہوئے رستے کی مدد

سے وہ اس چٹان پر جا کھڑا ہوا جس کے اندر وہ ہے کا وہ پنجہ اٹکا ہوا تھا۔ اس چٹان کے زور سے اپنا پنجہ نکالنے کے بعد اس نے پہلے کی طرح اسے لہر کر دریا کے اندر اور آگے پھینکا اور تین چار بار رستے کو مختلف سمتوں میں پھینکنے کے بعد وہ اپنے اس آہنی پنجے کو ایک اور چٹان کے اندر پھنسانے میں کامیاب ہو چکا تھا اس طرح اپنے آہنی پنجے کی مدد سے پانی کے اندر ڈوبی ہوئی مختلف چٹانوں سے ہوتا ہوا وہ دریا کے دوسرے کنارے کے قریب پہنچ گیا۔

وہاں اس نے ایک بار پھر اپنے پنجے کو خوب زور سے لہر کر دریا کے کنارے کی چٹانوں پر پھینکا۔ پہلی ہی کوشش میں پنجہ ایک چٹان میں اٹک گیا اور حماد رستے کی مدد سے دریا سے نکل کر کنارے پر چڑھ گیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنا پنجہ علیحدہ کیا پھر کمر کے ساتھ بندھا ہوا اس نے دریا کے کنارے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ اب اس کے طویل رستے کا ایک سرا دریا کے اُس پار پتھر سے بندھا ہوا تھا اور اس طرف اس نے اسے ایک مضبوط درخت سے باندھ دیا تھا اور یوں سرا دریا کے اس کنارے سے اس کنارے تک پورے پاٹ پر پھیل گیا تھا۔

حماد نے پنجے کا رستہ لپیٹ کر اپنی کمر سے باندھ لیا اور رستے کی مدد سے وہ دریا کے اس کنارے آیا جہاں اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ پتھر کے ساتھ بندھا ہوا اس نے رستہ کھولا اور اسے اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دیا پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے دریا میں ڈال دیا۔ گھوڑا چونکہ رستے کے ساتھ بندھا ہوا تھا لہذا وہ بآسانی تیز لہروں میں بہتا ہوا دوسرے کنارے پر جا چڑھا تھا۔ وہاں جا کر اس نے رستے کا دوسرا سرا کھولا سارے رسوں کو علیحدہ کمر کے دوبارہ زین سے باندھا۔ کمر سے بندھا ہوا آہنی پنجہ رستے سمیت اس نے اپنے گھوڑے کی زین میں ڈال لیا اور دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔

نانگا پار تبت کے بلند اور طویل کوہستانی سلسلے کو عبور کرنے کے بعد حماد راستے کے یہ پہاڑ ۶۶۶۶ فٹ بلند ہے۔

لے سوات اور دریا تے کا بل درمیانی علاقہ۔

۷ دریا تے سندھ کا پرانا نام دریا تے نیلا بٹ تھا۔

جیسے کسی پرکسل اور ماندگی طامی ہو گئی ہو۔ اپنے گھونسلے سے بھٹکے ہوئے اس طائر
کی مانند جو اپنے آئینا کو تلاش کرتے کرتے تھک کر کہیں گر گیا ہو۔
حماد نے اپنے گھوڑے کی گردن تھپتھپاتے ہوئے پیار سے کہا۔ بیدل نہ ہو،
حاصلہ رکھ مضبوط ہو جا۔ اور خوف نہ کھا۔ شاید اس اجنبی سرزمین میں قدرت کی طرف
سے تیرا میرا یہ پہلا امتحان ہے۔ حماد نے آواز کی سمت گھوڑے کو ایڑھ لگا کر اسے سرپٹ
دوڑا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک بار پھر اپنے گھوڑے کو روک لیا اور فوراً گھوڑے
سے کود گیا۔ کوہستانوں سے گھری ہوئی وادی میں اس کے سامنے ایک جوان آدمی خون
میں لٹ پٹ ایک لاش کی طرح پڑا ہوا تھا۔ حماد نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ وہ ایک کڑیل
اور خوبصورت ہندو جوان تھا۔ حماد نے اس کی سانس کا جائزہ لیا وہ زندہ تھا۔ شاید
وہ بے ہوش تھا اور بڑی شکل سے سانس لے رہا تھا۔

حماد اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ زمین سے بندھی ہوئی چھگل اتاری اور
تھوڑا تھوڑا کر کے سارا پانی اس زخمی ہندو جوان کے چہرے پر چھڑک دیا اور پھر وہیں
کھڑے ہو کر اپنے کام کے ردعمل کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس جوان نے آنکھیں
کھولیں اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔ اے نیش (انسان) تو کون
ہے۔ چہرے اور لباس سے تو مسلمان لگتا ہے۔ حماد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
پہلے تم کہو۔ تم کون ہو اور تمہاری یہ حالت کس نے بنائی ہے۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔
میرا نام ایشپال ہے۔ میں اپنی بہن کے ساتھ نگر کوٹ کی طرف جا رہا تھا کہ ہمارے دشمنوں
نے ہمارا تعاقب کر کے ہم پر حملہ کر دیا اور میری بہن کو چھین کر لے گئے۔ وہ مجھے مردہ
سمجھ کر چلے گئے ہیں۔ تم میرے لیے دیوتا بن کر آتے ہو۔ میں تمہیں تمہارے خدا اور رسول
کا واسطہ دیکر منتی (التجا) کرتا ہوں کہ میری بہن کی عزت بچاؤ۔

ایشپال خاموش ہو گیا۔ شاید اس پر پھر غشی طامی ہو گئی تھی۔ حماد نے دیکھا جہاں
ایشپال پڑا تھا وہاں گھوڑا اس کے ان گنت سموں کے نشانات تھے۔ حماد نیچے جھک
کر بڑے عجز سے سموں کے ان نشانات کا جائزہ لینے لگا تھا۔ اتنے میں ایشپال کی

میں بہت کم قیام کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ جھیل ولر کے پاس سے گزرنے کے بعد اس
نے اپنا رخ قدرے جنوب مشرق کی طرف کر لیا اور یوں پیر پنجال اور جھیل ڈل کے
درمیان سے گزرتا ہوا وہ طوفانی انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ راستے میں دریا تے بھست
اور چناب کو اس نے اپنے آہنی پنجے کی مدد سے اسی طرح عبور کر لیا جس طرح اس نے
دریا تے نیلاب کو کیا تھا۔ چمپا کے راستے وہ مدھیہ پردیش میں داخل ہوا۔ یہاں اس
نے اپنا رخ جنوب کی طرف کر لیا اور کوہستانوں کے اندر سے گزرتا ہوا وہ دریا تے
سر سوتی کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ جہاں سلطان شہاب الدین کی ہدایت پر سب سے
پہلے اسے قصبہ جھیم سین میں اس بدری ناتھ سے ملنا تھا جس کا اصل نام ابوالفتح تھا۔ اور
جو سلطان کا ایک جاسوس تھا۔

ایک روز دوپہر سے ذرا پہلے دریا تے سر سوتی کی طرف کوہستانی سلسلے کے اندر
قصبہ جھیم سین کی طرف جانے کے لیے حماد اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑا رہا تھا کہ ایک دم زور
سے بائیں کھینچ کر اس نے گھوڑے کو رک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ کوہستانی سلسلے کے گہرے
سائے کی دبیز چھاؤں میں طوفانی لہروں کی طرح پیچ و تاب کھاتی ہوئی ایک انسان
بیخ بند ہوئی تھی جیسے کسی انسان کو بیل گاتے کی طرح ذبح کیا جا رہا ہو۔

حماد وہاں رک کر کچھ سوچنے لگا تھا کہ اندیشہ و عواقب سے بھر پور ہر اس ادا
پریشان کر دینے والی وہ آواز ایک بار پھر اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ حماد نے
اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا کر اسے ایک طرف بڑھانا چاہا تھا۔ لیکن گھوڑا وہیں کھڑے
کھڑے اپنی ٹانگیں اٹھا کر بڑی طرح نہہنہ لگا تھا۔ ایک بار پھر وہ مضطرب و متوجہ
کر دینے والی جگر آشوب آواز ابھری۔ پھر کچھ ایسے انداز میں آہستہ آہستہ ڈوبنے لگی

۱۔ یہ جھیل ناگپربت اور سرنگر کے درمیان ہے۔ یہ سرنگر سے شمال مغرب میں ہے۔
۲۔ سرنگر سے شمال مشرق میں واقع ہے۔
۳۔ دریا تے جہلم کا پرانا نام

مندرجہ بالا کے ساتھ ایک اور علامت تھی جو شاید پینڈتوں کا آشرم تھا۔ تالاب کے کنارے ایک بڑا بیٹھا ہوا تھا۔ حماد اس کے قریب ہی اپنے گھوڑے سے اترا جب وہ دینی چھاگل لیکر وضو کی طرف بڑھا تو پیشانی کے کراہتے ہوتے کہا۔

دیوتا! میں تھک گیا ہوں۔ مجھے بھی نیچے اتار دو راست لو سنگا۔ حماد تے ٹاسے اپنے دونوں
 زوؤں میں لے کر نیچے اتارا اور ایک پتھر کی ٹیک لگا کر اُسے بٹھا دیا۔ دوبارہ وہ اپنی چھانگل
 لے کر حوض کے کنارے آیا اور وہاں بیٹھ کر پانی بھرنے لگا۔ اچانک کنارے پر بیٹھے ہوئے پٹرت
 نا نگاہ اس پر پڑی اور اس نے جل کر کہا۔ ادا! اناش (جانور) مٹھر جا کیوں جل گندا کرتا
 ہے۔ حماد نے اُس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور اپنی چھانگل میں پانی بھرتا رہا۔ پٹرت غصے
 میں بل کھاتا ہوا قریب آیا اور حماد کی ران پر اپنے پاؤں کی ایک سخت ٹھوکر مارتے ہوئے
 بنا۔ تو کون ہے یہ لیچھ۔ اکیا تو نہیں جانتا یہ پوتر جل صرف پنڈتوں کے لیے ہے۔

قبل اس کے حماد کچھ کہتا ایشال نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے پنڈت سے کہا -
 ہاراج اکیوں ایک لیٹیا جل کے بیٹے ~~لٹھ~~ ^{لٹھ} ~~مٹھ~~ ^{مٹھ} ہو۔ اپنی چھاگل بھر کر حماد کھڑا ہو گیا اور قمر آلود
 ٹاہوں سے پنڈت کی طرف دیکھنے لگا۔ پنڈت ابھی تک غصے میں مٹھا اور کپکپاتی آوازیں
 برلائے نراور منٹش (دیکھنے انسان) تم مجھے مسلمان لگتے ہو تم نے پاپ کیا ہے۔ میں تجھے اس ایمان
 مناہ کی کوڑھی مڑا دوں گا۔

ایشال پنڈت کو سمجھاتے ہوئے پھر لولا۔ آپ کا کام تو شانتی کا پیدائش دینا ہے مہاراج! انسان کی پوریش (روح) اور پنڈت کرتی (دامہ) تو ایک جیسی ہوتی ہے مگر صرف یوگ، تپ، عبادت، اور پنچایا (عبادت) سے پیدا ہوتے ہیں جو انسانوں کو ایک دوسرے سے اعلیٰ درجہ پر کرتے ہیں اس کے علاوہ ہر انسانی تفریق دھوکا ہے فریب ہے۔ پنڈت نے بیل، طرح رائجتے ہوئے ایشال سے کہا۔ مودک! تو تو ہندو ہے۔ کیا تیری بھی مت ماری گئی ہے۔ کیا تو بھی مندر کی ریت کے خلاف چل رہا ہے۔

سجاد کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنی چمکتی ہوئی بھاری انگلی اٹھالی اور سخت غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: تو کیسا بچاری ہے جس میں انسانیت کا

[illegible]

پانچ چھ میل کی مسافت طے ہو گئی تو ہسپتال پھر ہوش میں آیا اور حماد سے پانی مانگا۔ حماد کا مشکمرہ خالی تھا لہذا پانی کی تلاش میں اس نے اپنے گھوڑے کی رفتار اور تیز کر دی تھی۔ ڈیڑھ میل کا فاصلہ اور طے کرنے کے بعد حماد کو ایک مندر کے سنہری کلس دکھائی دیے۔ وہ گھوڑے کو بڑی تیزی سے اس طرف دوڑانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک بہت بڑے مندر کے سامنے تھا۔ پہاڑ کے دامن میں بسنے ہوئے اس مندر کی عمارت بہت بڑی تھی جس کے سامنے پانی کا ایک بہت بڑا سونٹ تھا جس کے کنارے چھوٹی سی ایک کٹیاتھی اس کٹیاء کے پس منظر میں

در دہنہیں کیا تمہارا مذہب یہی سکھاتا ہے کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری نہ کرو۔ کسی پیاسے کو مر جانے دو اور پانی نہ دو۔ میں تیری ساری بھگتی ساری تپا بیلیا میٹ کر دوں گا۔ کیا تو نہیں جانتا خدا کی بنائی ہوئی ہر چیز سے سب انسان ایک جیسا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ گنگا کا انسان کیا تو نہیں دیکھتا۔ پانی کی نمی، آگ کی چمک، سورج کی گرمی اور ہوا کے لمس سے ہر انسان اپنی مرضی کے مطابق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ پھر تم پنڈتوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ادھیچ نیچ کے طبقات پسند کرو۔

حماد نے اپنے ہنٹوں پر زبان چھیری اور کہنا چلا گیا، یہ گنگا، جمن، سرسوتی و تپتہا، سر جو، گومتی، گونڈکی، چناب، راوی، بھت، نیلاب، ستلج، بیاس، فرات و جلعلموں اور نیل سب دریا انسانوں کے لیے خدا کا عطیہ ہیں۔ تم پنڈتوں نے بے کاری ہندو قوم کو چار طبقات میں تقسیم کر رکھا ہے۔ کیا اچھوت جنہیں تم پتھر سمجھتے ہو انسان نہیں تم انہیں گنگا کے نزدیک تک جانے نہیں دیتے۔ گنگا کسی کی جائیداد نہیں ہے۔ وہ ایک دریا ہے جس سے ہر انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

حماد اپنی تلوار اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور سخت غصے کا اظہار کرتے ہوئے اس پنڈت سے کہا اپنے کسی دیوتا و بھگوان کو یاد کرو میری تلوار تم پر برسنے لگی ہے۔ پنڈت سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ سردی کے باوجود اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔ اتنے میں یشپال کی آواز سنائی دی وہ حماد سے مخاطب ہوا تھا۔ دیوتا! بھول نہیں اسے ہی ہوتی ہے۔ اس سے بھی خطا ہوتی۔ غصہ پاپ کی جڑ ہے اسے تھوک دو اور اس پجاری کو شام (معاف) کر دو۔

پنڈت منو نے اپنی کتاب دھرم شاستر میں ہندوؤں کو چار طبقوں میں بانٹا ہے۔ برہمن کستری، ویش اور شودر۔ بقول اس کے برہمنی بچہ جنتی ہے۔ ریاضت کے لیے کستری جنتی ہیں کہ میدان جنگ میں کٹ مریں۔ ویشانی جنتی ہے۔ مویشیوں کی رکھوالی لیے اور شودرانی کے بچے پہلے تینوں طبقوں کی خدمت کریں۔

اچانک وہ پجاری آگے بڑھا اور حماد کے قدموں پر گر تے ہوئے کہا۔ راجن (راجہ) آپ سچے اور دھرماتما ہو مجھے شاکر دو اب کبھی ایسی بھول چوک نہ ہوگی۔ حماد کے ہنٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ شاید وہ بھی پجاری کو صرف ڈرانا دھمکانا ہی چاہتا تھا۔ اس کے گلشنے پر پاؤں کی ٹھوکہ مارتے ہوئے اس نے کہا۔ اٹھو اور میری بات کا جواب دو۔ یاد رکھو تم نے جھوٹ بولا تو میں تمہاری گردن کاٹ دوں گا۔

پجاری کھڑا ہوا اور کپکپاتی آواز میں کہا۔ پوچھو ہمارا راج اجماد نے دھونس جانے والے لہجے میں کہا۔ کیا تو نے یہاں سے ایسے چار سو ارگزر تے دیکھے ہیں جن کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہو پجاری نے جھٹ کہہ دیا۔ تمہارے یہاں آنے سے تھوڑی دیر قبل ہی وہ یہاں سے گزرے ہیں جس رفتار سے وہ سفر کر رہے تھے۔ اگر اسی رفتار سے آگے بڑھتے رہے تو انہوں نے زیادہ سے زیادہ ایک میل کی مسافت طے کر لی ہو گئی۔

حماد جلدی جلدی یشپال کی طرف بڑھا اور اسے پانی پلانے لگا۔ پجاری بھی ان کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور یشپال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ شاید یہ سخت زخمی ہے پر تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے۔ حماد نے غور سے پجاری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دہی جو ایک انسان کا دوسرے سے ہونا ہے۔ پجاری نے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کیا۔ تم مسلمان یہ ہندو تم دونوں کا دھرم کرم ہی آپس میں نہیں ملتا پھر تم کیسے اس کے ساتھی ہو سکتے ہو۔ حماد نے لٹکی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ کیا آدمی ذات کی نسبت سے ہر انسان کا دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے پھر حماد نے یشپال کو اٹھا کر گھوڑے پر بٹھاتے ہوئے پجاری سے کہا۔ تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ جاؤ مندر میں جا کر عبادت کرو۔ مجھے وقت ضائع کیے بغیر کسی کا تعاقب کرنا ہے۔ حماد گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑھ لگا دی پجاری اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

حماد اپنے گھوڑے کو سر پیٹ دوڑا رہا تھا کہ اس کے آگے بیٹھے ہوئے یشپال نے کہا۔ دیوتا! تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں کہا۔ حماد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میرا نام حماد ہے۔ حماد بن خلدون کیا تم عرب ہو۔ ہاں کہاں سے آتے ہو۔ نیشاپور سے

کس کام سے تجارت کرتا ہوں۔ تھوڑی دیر کی چپ کے بعد لیشال نے کہا۔ حوض کنارہ اس پینڈت کے ساتھ تہادی باتوں نے میرے من کو شانت کر دیا ہے۔ حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں تو سمجھ رہا تھا تم ناراض اور خفا ہو گے۔

لیشال نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ گو میں کشتری ہوں۔ لیکن مجھے مسلمانوں کے اندر رہنے کے کافی مواقع ملتے ہیں۔ مجھے تمہارے دھرم کا یہ نظریہ پسند ہے کہ الیٹور (خدا) ہر جگہ ہے نرگن اور نادادی (آدلی) ہے۔ حماد نے اس کی تائید میں کہا۔ ہاں اللہ ہر جگہ ہے اور وہ ازل سے ابد تک ہے اسے فنا نہیں۔ اچانک حماد نے چوہے ہوئے کہا۔ لیشال! لیشال! وہ سامنے دیکھو چار گھوڑے سوار جا رہے ہیں انہیں پہچانو کیا یہ وہی ہیں جو تمہیں زخمی کر کے تہادی بہن کو اٹھالا تے ہیں۔

لیشال کے چہرے پر خوشی کے آثار بھر گئے اور اس نے بے پناہ مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ہاں یہ وہی نزدی (کھوڑ) ہیں۔ وہ دیکھو سب سے آگے والے نے میری بہن کو اپنے سامنے بٹھا رکھا ہے۔ حماد اور تیزی سے اپنے گھوڑے کو بھگانے لگا اور ان کے قریب جا کر اپنی کھولتی ہوئی آوازیں اس نے کہا۔ ٹھہرو!

وہ چاروں رک گئے اور بڑے تیکھے حوٹوں سے حماد اور اس کے سامنے بیٹھے ہوئے لیشال کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر ان میں سے وہ جس نے اپنے آگے لیشال کی بہن کو بٹھا رکھا تھا۔ لیشال کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے بولا۔ کیا تم ابھی تک زندہ ہو۔ لیشال نے سخت غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ہاں میں بھگوان کی کرپا اور اس دیوتا کی بروقت سہاوتا (مدد) سے زندہ ہوں۔ تم مجھے مردہ سمجھ کر چلے آئے تھے پھر جیون مرن تو بھگون کے ہاتھ میں ہے۔

حماد گھوڑے سے اترا لیشال کو اس نے گھوڑے کی پیٹھ سے اتار کر ایک پتھر کے سہارے بٹھا دیا۔ دوبارہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر ان کے سامنے آتا ہوا بولا۔ اس کو ہستانی سلسلے میں تم چاروں مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جواب میں وہ بھی اپنی تلوار سونپتے لگے۔ لیشال کی بہن کو موقع مل گیا اور وہ گھوڑے

سے نیچے کود گئی۔ کیونکہ جس نے اسے اپنے سامنے بٹھا رکھا تھا۔ اس نے تلوار اور ڈھال سنبھال لی تھی اور لڑکی پر اس کی گرفت جاتی رہی تھی۔ لہذا وہ بھاگ کر لیشال کے پاس آئی اور اس کا سر اپنی گود میں لے کر وہ اس کی احوال پرسی کرنے لگی۔

جس جوان نے لڑکی کو اپنے سامنے بٹھا رکھا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو چند قدم حماد کی طرف بڑھایا پھر اپنی کھولتی ہوئی آوازیں کہا۔ مورکھ! ہمارے کام میں اٹکل ڈالے گا تو میں تیری آتما (روح) اور شریہ (جسم) کا سنبھال (ناطلہ) توڑ کر تیرے مرتک (دلاش) کو یہیں شرارہ (دفن) کر دوں گا۔ زبھاگی (بد قسمت) تجھے ہمارا مالک (راستہ) روکنے کا کوئی ادھیکار (حق) نہیں ہے۔ ہمارے راستے سے ہٹ جا ورنہ میں اکیلا ہی تجھ پر حملہ کر کے تمہارا جیون نشٹ کر دوں گا اور یہاں کوئی بھی تمہاری سہاوتا (مدد) کو نہ آئے گا یاد رکھو ہم کشتری ہیں اور لڑ کر مرنے سے کشتری کو سو رنگ پر اپت ہوتی ہے (جنت ملتی ہے)۔

جب وہ خاموش ہوا تو حماد نے اپنے سامنے اپنی بھادی اور چمکتی ہوئی تلوار لہراتے ہوئے کہا آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ کر دیں تم چاروں کو ایک ساتھ لڑنے کی دعوت دیتا ہوں۔ یاد رکھو۔ ان کو ہستانوں کے اندر تم سے مقابلہ کرنا۔ میری عمر بھر کی ریاضت کا امتحان ہے۔ یاد رکھو جس طرح گھوڑا اپنے مالک کو ادراہیل اپنی چرئی کو پہچانتا ہے۔ اسی طرح میں بھی لڑائی کا ہفرن جانتا ہوں۔ میں تمہاری سادی بدی کو دھو کر تمہاری کوحوں کو مستقیم کر دوں گا۔ میرے سامنے تمہارا کوئی واغواہ اور کوئی مستغیث نہ ہو گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں تمہارا کوئی وار مجھ پر کارگر ثابت نہ ہو گا اور میں اپنی تلوار کی ضرب سے تمہیں مٹی کی طرح اپنا مطیع اور ماریکی کی طرح اندھا کر دوں گا جب میری تلوار تم پر برسے گی۔ تو تم اپنے آپ کو چرہا ہے کے کتے کی طرح احمق اور گونگا سمجھنے لگو گے۔ آؤ میری طرف بڑھو کہ میں تم پر لدی ہوئی سادی بدی کو دھو ڈالوں۔

وہ اکیلا ہی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ تم اکیلے مسلمان سے ہم چاروں کا ایک ساتھ مقابلہ کرنا ہم کشتریوں کی توہین ہے۔ لو سنبھلو میں تم پر حملہ کرتا ہوں اور پھر دیکھتا ہوں تو کیسی مہاتم (عظمت) اور شکست (دھاکت) کا مالک ہے۔ حماد نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑھ

لگا کر آگے بڑھایا۔ اتنی دیر تک اس کا مقابل آگے بڑھ کر اس پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ حماد نے اس کا دوا اپنی ڈھال پر روک کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ جواب میں جب اس نے اپنا بھرپور وار کیا تو وہ حماد کے وار کو روک نہ سکا۔ حماد کی تلوار اس کی گردن کے قریب گری اور اس کے سارے جسم کو چیر ہوئی گھوڑے کی پیٹھ بھی کاٹ گئی۔

فضا میں ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی تھی اور ان رہزموں کا ایک ساتھی اپنے گھوڑے سمیت دم توڑ گیا تھا۔ باقی تین کو بھی حماد نے سنبھلے نہ دیا۔ طوفان کی طرح آگے بڑھ کر وہ ان پر بھی حملہ آور ہو گیا۔ اپنے ساتھی کی جھیناک موت پر وہ پہلے ہی سہمے ہوئے تھے۔ جب حماد طوفان بن کر ان پر حملہ آور ہوا تو وہ اور زیادہ جی چھوڑ گئے۔ حماد نے ان کی اس کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور صرف چند لمحوں میں ہی ان تینوں کو بھی کاٹ کر رکھ دیا۔

اپنی تلوار پونچھ کر نیام میں کرتے ہوئے حماد جب ایشال کے پاس آیا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دیوتا! تمہاری شکست واقعی اپرم یاد (لامحدود) ہے۔ پھر اس نے اپنی بہن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ رتنا ہے۔ میری بہن۔ ساتھ ہی اس نے اپنی بہن سے کہا۔ یہ حماد بن خلدون ہیں۔ میرے لیے یہ دیوتا ثابت ہوئے ہیں یہ نہ ہوتے تو اب تک میری آتما میرا ساتھ چھوڑ چکی ہوتی اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں زندہ ہونگا رتنا کھڑی ہوتی۔ حماد کے سامنے وہ ڈنڈوت بجا لاتی۔ پھر ایک طرف ہٹ کر جھکی کھڑی رہی۔ حماد نے پہلی بار غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ تازہ دودھ کی جھاگ کی طرح دلکش اور کسی آسجوب میں نہا کنول کی طرح اداس تھی۔ اس کے چہرے پر نبت حوا کی مکمل طلسم آرائی اور رویائے جمیل جیسا سہانا پن تھا اس کے لب سرخ یا قوت اور میگوں تھے۔ اس کی آنکھوں میں نیلم کی سی جھلک اور دانت ایسے تھے جیسے شفق میں ستارے ہوں۔ اس کے پاؤں کا رنگ پدم و پارس جیسا تھا اور جسم سرخ مونگے جیسا حسین تھا۔ اس کے گلاب و ترن جیسے جسم اور اٹھ اٹھ کر چلتے ہوئے جوانی کے رس کی ایک ایک نس میں لذت تخلیق تھی۔ قمری رنگ کی زکار سر بری پوشاک میں سنہری زیتونی رنگت

لی وہ حسین ترین زنانوں لگ رہی تھی جیسے — جیسے لولوتے کا میں خطا گھر۔ بے عروسی کے قصے کی طرح حسین اور کوہ قاف کی جادوگر شنگولیوں کی طرح دلکش رتنا بنی دنیا میں آپ ہی قاتل آپ ہی قاتل آپ ہی تیر آپ ہی حدت تھی۔ حماد کے سامنے وہ یوں کھڑی تھی جیسے اندھیری رات میں چاند طلوع ہوا ہو۔ حماد اس کے حسن کی معجزاتی سن کھوہ سا گیا تھا لیکن فوراً اپنے آپ کو سنبھال گیا اور ایشال کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ ہنسا جاتا تھا کہ اس سے قبل ہی رتنا اسے مخاطب کرتی ہوئی بولی۔

اپنے جو میرے بھائی پر دیا کی ہے۔ اُس کے بدلے پر میشور آپ کا سر بلند کرے آپ کی شکست لازوال رہے اور آپ کے من کی کتا پوری ہو۔ میں آپ کو یکن دیتی ہوں اگر کبھی سے آیا تو ہم آپ کی سہائتا اپنا دھرم سمجھیں گے۔ جھگڑان کی کرپا سے ہر کام میں آپ کی جے ہوگی۔ رتنا کی آواز ایسے تھی جیسے شب کے پھلے پہر کے سرد ناٹے میں مرغابیوں کی فوں سا آواز سنا دی ہو۔ حماد کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بُری طرح شرار مچاتی تھی اور اس سے اس کا سٹول جسم اور حسین ہو گیا تھا۔ اس کا رنگ گندن کی طرح دمک اٹھا تھا اور کنول جیسی حسین اور موٹی موٹی آنکھوں میں دور دور تک شرم و لاج کی گہری پرچھائیاں بکھر گئی تھیں۔

حماد چند لمحوں تک غور سے رتنا کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور ایشال کو مخاطب کر کے کہا۔ ایشال! ایشال! آسمان کی طرف دیکھو بادل کیسے گہرے اور گھلتے جا رہے ہیں یہیں فوراً یہاں سے محفوظ جگہ کی طرف کوچ کر جانا چاہیے۔ ورنہ سرما کی یہ بارش ہمارے لیے مصیبت کا باعث بن جائے گی۔

ایشال نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ پر کوچ سے قبل ایک کام کریں۔ آپ دیکھ رہے ہیں جن چاروں کو آپ نے قتل کیا ہے ان کے پاس چھ گھوڑے تھے جن میں سے چار تو ان کے اپنے تھے جبکہ دو ہم بہن بھائیوں کے ہیں اور ہمارے گھوڑوں کی نر خیزوں میں بھاری نقدی کے علاوہ قیمتی زیورات، کھانے پینے کا دافر سامان اور کچھ سونے چاندی کے برتن بھی ہیں — حماد نے اس

کے مطابق بدری ناتھ ہی سے ملنا تھا۔یشال نے بول کر پھر اسے چونکا دیا۔ لیکھراج میرا بڑا ماموں ہے۔ اس کے بیٹے ارجن سے رتنا کی سنگاتی بھی ہو چکی ہے۔ ارجن ہستنا پور کے راجہ کھانڈے رائے کے لشکر میں جنرل ہے۔ بھیم سین میں بھی ہم دونوں بہن بھائی کو احتیاط سے رہنا ہو گا کیونکہ یہ سارا علاوہ ہستنا پور کے راجہ کھانڈے رائے کی راجدھانی میں شامل ہے اور یہ اجیر کے راجہ رائے پتھور کا اسکا بھائی ہے اس لیے ہمیں یہاں بھی خطرہ ہی نہ ہو گا۔ پر مجبوری ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا کوئی ٹھکانہ بھی نہیں۔

یشال خاموش ہو گیا۔ فضا میں اب ہلکی ہلکی بوندھا باندی ہونے لگی تھی انہوں نے دریا تے سرسوتی کو پار کیا۔ اب ان کے سامنے کچے مکالوں اور جھونپڑیوں پر مشتمل ایک بستی بھی اگنی تھی جس سے باہر کچھ پنہا رنیں دریا تے سرسوتی سے پانی بھرنے جا رہی تھیں حماد ان پنہارنوں کے پاس آیا اور ان میں سے ایک لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ بہن! ہم مسافر ہیں۔ میرا ساتھی بُری طرح زخمی ہے۔ بارش شروع ہو گئی ہے اور رات بھی سر پر آگئی ہے۔ کیا تمہاری اس بستی میں ہمیں سر چھپانے کو جگہ مل جائے گی۔ جب بارش رک گئی، ہم کوچ کو جاتیں گے۔ اس پنہارن لڑکی نے دیکھتے ہوئے لہجے میں کہا میں ردیل اور بیچ قوم کی لڑکی ہوں شاید تم نے جھوٹے سے مجھے بہن کہہ دیا ہے۔ یہ شودر ہوں اور یہ سادی بستی شودروں کی ہے جبکہ تمہارا ساتھی اور یہ لڑکی اپنے لباس سے مجھے کشتری سمجھتے ہیں البتہ تم مسلمان دیکھتے ہو۔ ہمارے دھرم میں ہم نجس اور پلید سمجھے جاتے ہیں جبکہ تم مجھے بہن کہہ کر پکار رہے ہو۔

حماد نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا میں ایسے دھرم کو نہیں مانتا جو انسانیت کی غفلت اور فساد کو بحال نہیں رکھتا۔ میں جس مذہب پر ایمان رکھتا ہوں اس میں قابلِ عزت وہی ہے جو اللہ پر ایمان لاتے اور نیک کام کرے اس کے علاوہ میرا مذہب دوسرے دھرم کے لوگوں کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھنے کا درس دیتا ہے۔ قبل اس کے وہ

۱۔ دہلی شہر کا پراانا نام ہستنا پور تھا۔

پنہارن لڑکی کوئی جواب دیتی رتنا غصے میں بل کھاتی ہوتی حماد پر برس پڑی اور بُری نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا۔ تجھے کس نے یہ ادیکار دیا ہے کہ تو ہمارے دھرم کے خلاف زبان کھولے تو خود ادھرمی، اپرا دھمی، میچھ اور گیانی ہے۔ ہمارے دھرم کے خلاف جو کچھ تم نے بولا اس کی جھگڑا اور منرا تہیں آؤش (ضرور) ملیگی۔ دھرم اپنا اپنا خود ہے۔ کوئی انسان پوچھتا ہے۔ کسی کا مبدعہ مند، کسی کا گرجا کسی کا مسجد ہے۔ کوئی نیک سے ڈر کر نیک کام کرتا ہے کوئی شیطان کے خوف سے جھگڑاؤں کا دھیان کرتا ہے۔ رتنا غصہ ڈی دیر لڑکی پھر غصے میں اُبلتے ہوئے کہا۔ تو خود در لالچ (بے شرم) ہے۔

جب سے برہما نے اس منسا کی رچنا مچی ہے (پیدا کیا ہے) تب سے ہی ہمارا دھرم دھرتی سے آکاش تک پور پر واکو کی طرح پھیلا ہے اگر تیرے اپنے من میں بوجھ نہ ہوتا تو یوں ہمارے دھرم کی گرن پر چھری نہ چلاتا۔ پر نہ تو ایک بات یاد رکھو جسکو گیان ہے۔ وہی ہمارے دھرم کو سمجھ جان سکتا ہے۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہہ رہی۔ ایسی بات جو ہمارا دھرم ریت کے خلاف ہو تم نے کسی اور سے کہی تو وہ تمہارے گردن کاٹ دیگا۔ حماد نے بڑے پرسکون لہجے میں رتنا سے کہا۔ تمہیں غلط فہمی ہوتی ہے میں نے تمہارے دھرم کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ میں تو ان رسموں کے خلاف بولا ہوں جنہیں لوگ خود اپنے دھرم میں شامل کر لیتے ہیں ورنہ میرا مذہب ہر دوسرے مذہب کی عزت اور احترام کرنے کا درس دیتا ہے۔

رتنا نے پھر کھانچنے والے لہجے میں کہا۔ تو تمہارا کیا مطلب ہے۔ ہمارے دھرم میں لوگوں نے خود ہی الٹی سیدھی باتیں داخل کر لی ہیں۔ سنو۔ رتنا کو خاموش ہو جانا پڑا کیونکہ یشال جواب بھی تک بڑے صبر سے سب کچھ سن رہا تھا۔ غصے میں آؤش کی طرح رتنا پر برس پڑا۔ ذلیل کیلینی اچپ رہ، جانتی ہے تو کس کے خلاف بکے جا رہی ہے۔ حماد میرے محسن ہیں یہ دھار تک اور جھگڑا (نیک) ہیں۔ میرے لیے یہ دیوتا ہیں دیوتا جن کی پوجا کی جا سکتی ہے۔ تو مذہبی تعصب میں اندھی ہو چکی ہے۔ ایسی کوئی بات جو تمہارے خلاف ہوتی اگر تیری زبان سے نکلی تو میں تیری قیچی کی طرح چلنے والی زبان کاٹ

پکارا تم پہلے انسان ہو جس نے مجھے یہ عزت بخشی ہے۔

سنو بھیا! میرا نام دلیپا ہے۔ میرے ماما بڑے سورگ پر اپت کر چکے ہیں (مرچکے ہیں) بے گھر ہیں صرف میرا دادا ہے اسے میں بالوکہ کہہ کر پکارتی ہوں۔ وہ نہیں دیکھ کر خوش ہو گا۔ ٹھہر وہیں دریا سے گاگر مہروں پھر نہیں ساتھ لے کر چلتی ہوں۔ دوسری رن لڑکیاں بڑی حیرت سے یہ بات چیت سن رہی تھیں مگر کسی نے کچھ نہ کہا۔

دینا جب دریا سے گاگر مہر نے چلی گئی تو رتنا نے دھوپ کی طرح چستے لہجے میں کہا تمہارے اس دیوتا نے ایک پلچھ لڑکی کو بہن کہہ دیا ہے۔ ہمارے ہاں اب پلچھ ہے۔ اس کے ہاتھ کی کوتی بھی چیز ہم پر حرام ہے۔ میں ان شودروں کی بستی نہ دہونگی۔ بھیتا! تم برہمنوں کی طرح رحم دل نہ ہو جاؤ کشتری ہمیشہ بے رحم ہونے پر بہن کا دھرم اگر اہنسا ہے تو کشتری کا دھرم ہنسا ہے بھیتا! آؤ دونوں بہن بھتی! اس سلمان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ ورنہ ہر طرف ہمارے پلچھ ہونے کا بھی پرچا پھیل جائیگا۔ یوں ہمارے دھرم کی موت ہو جائے گی۔

یشال نے رتنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جانے والے لہجے میں کہا۔ پاپن! بخت! بل پھر کا اور کلیجہ لو ہے کا ہے۔ میں تم سے کہے دیتا ہوں بھوٹن اور نا اتفاقی کی مانند کرو۔ میں حماد کے ساتھ ان شودروں کی بستی میں ضرور جاؤنگا۔ تو اگر کہیں اور چاہتی ہے تو جاؤ دفع ہو۔ ہم پرانی ہوتی سادی مصیبتیں اور کٹھنایاں تیری وجہ سے ہی ہیں۔ اپنی زبان کو لگام دیکر رکھ ورنہ تیرے جیسی کٹھن دل پاپن کو میں کبھی شام نہ دینگا۔ تم کس دھرم کی بات کرتی ہوں۔ اس دھرم کی جس کے ٹھیکیداروں کے ہمدی عزت تک محفوظ نہیں ہے اور میں تمہیں لیے نگر نگر دھکے کھانا پھر رہا ہوں۔ نا کو خاموش ہو جانا پڑا کیونکہ دینا گاگر مہر کوٹ آتی تھی اور اس نے حماد کی طرف تے ہوئے کہا آؤ بھیتا چلیں۔ حماد نے گھوڑے کو ایڑھ لگا دی اور رتنا بھی ان ساتھ ہوئی۔ خالی گھوڑے جو ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے ان کے پیچھے چلنے لگے تھے۔

دونگا۔ پھر یشال نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ہمارا راج! اپنی بہن کی طرف سے اس کے ناروا سلوک پر میں آپ سے شکایتی جھگڑا (معافی کی جھجک) مانگتا ہوں حماد نے یشال کے جڑے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ تم شرمسار نہ ہو۔ تمہاری بہن کی باتیں مجھے رزم و ذلت نہیں دے سکتیں مجھے برا بھلا کہہ کر اگر اسے سکون مل سکتا ہے تو میرے لیے یہ بھی باعث ثواب و سعادت ہے۔ پھر حماد نے اس پنہارن لڑکی کو مخاطب کر کے کہا۔ بہن! تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ جبکہ تم دیکھتی ہو۔ بارش لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہی ہے۔ اور میرا ساتھی زخمی ہے۔ اس لڑکی نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔ ہمارا راج آپ لوگ! آکاش ہیں اور میں دھرتی آپ دوسری بار مجھے بہن کہنے کی بھول کر رہے ہیں۔ میں شودر ہوں اور شدرائیاں خدمت کے لیے پیدا کی جاتی ہیں۔

حماد نے نغمہ شیریں جیسے انداز میں کہا تم اپنے آپ کو اس قدر نیچا نہ جالو۔ یہ آسمان میرے خدا کا جلال اور زمین اور فضا اس کی دستکاری ظاہر کرتی ہے۔ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کا ضمیر حق و تعیل سے گوندھا گیا تھا اس انگارہ خالی کی مرثیت میں لغزش و سہو ہے۔ میں تمہیں پھر بہن کہہ کر پکارتا ہوں۔

وہ پنہارن لڑکی رو پڑی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حماد نے دیکھا لہجے میں پوچھا تم رو رہی ہو میری بہن؟ تم اگر اپنے ہاں ہمیں پناہ نہیں دینا چاہتی تو نہ ہی میرے خدا کی بی زمین بہت وسیع ہے وہ ہمارے لیے کوئی نہ کوئی پناہ گاہ ضرور مہیا کر دے گا۔ اس کے ساتھ ہی حماد نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا دی اور آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اگر میری باتوں سے تمہیں دکھ ہوا ہو تو میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔ وہ پنہارن تیزی سے آگے بڑھی۔ ایک ہاتھ سے اس نے سر پر رکھی ہوئی گاگر سنہالی اور دوسرے ہاتھ سے حماد کے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے کہا۔ ٹھہر جاؤ بھیتا! میں تمہیں ضرور اپنے گھر لے کر جاؤنگی۔ میرے یہ آنسو خوشی کے آنسو ہیں۔ اس سنہار اس جگت میں کوئی کسی کا نہیں۔ اپنی آتما ہی اپنی ہے۔ میرا کوئی بھائی نہیں آج تک مجھے کسی نے بہن کہہ کر

ہوں گے۔

حماد اس کمرے میں آیا جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور باری باری سارے گھوڑوں کی زینیں اور دھانے اُتار کر وہ ایک طرف رکھنے لگا۔ اسی اثنا میں رتنا بھی اسی کمرے میں داخل ہوئی اور اپنے اوریشپال کے گھوڑوں سے بندھے ہوئے بسترول کے بلاد وہ دونوں گھوڑوں کی خیرچیں بھی اٹھا کر لے گئی تھی۔ اتنے میں اسے یوں محسوس ہوا جیسے دینا کا بالو آگیا ہو کیونکہ صحن میں کسی مرد کی بھاری آواز سنائی دی تھی جو دینا سے گفتگو کر رہا تھا۔

باہر صحن میں دینا تھوڑی دیر اپنے بالو سے گفتگو کرتی رہی۔ وہ اسے حماد سے پیش آنے والے سارے حالات سنا رہی تھی۔ جب وہ دونوں خاموش ہوئے تو حماد اٹھ کر باہر آنے لگا کیونکہ وہ اپنے کام سے فارغ ہو چکا تھا۔ لیکن کمرے سے باہر نکلتے نکلتے وہ پھر رک گیا کیونکہ دینا کے بالو کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے دینا سے پوچھا تھا۔ گھر میں کچھ کچانے کھانے کو ہے۔ دینا کی بے بسی میں ڈوبی ہوئی کپکپاتی آواز سنائی دی۔ شکے میں تھوڑا سا اٹھا۔ اور کبھی میں ذرا سا گھسی ہے۔

بوڑھے نے اسے حوصلہ دلاتے ہوئے کہا۔ تو یہی ٹھہر میں کسی سے ادھار مانگنا ہوں اگر مل گیا تو بھلا نہ ملا تو ایک بکری یا چھینچ دوں گا۔ تو گھبرا اور فکر مند نہ ہو میری بچی اگر وہ تیرا بھائی ہے تو میں اس کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ بوڑھا جب باہر جانے لگا تو حماد تیری سے باہر آیا اور دینا کے بالو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ٹھہر یہ ہے۔ بوڑھا رک گیا پھر حماد کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑی عاجزی و انکساری سے کہا۔ رام رام مہاراج! حماد نے آگے بڑھ کر بوڑھے کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا آپ میرے بڑے کی جگہ ہیں۔ میرے سامنے اس قدر عاجزی سے ہاتھ کیوں جوڑتے ہیں۔ بوڑھے نے دوبارہ ہاتھ جوڑتے ہوئے اپنی کپکپاتی آواز میں کہا ہم شہر تو آپ کے داس (نوکر) ہیں مہاراج۔ ہمارا کام آپ کی سیوا کرنا ہے آپ کیوں میرے چہرے چھوتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ شہر دوں کی اس بستی میں داخل ہوتے جس کے تین اطراف دریا تے سرسوتی کے ساتھ ساتھ بے حد و کنار جنگل پھیلا ہوا تھا۔ اس جنگل کے عین بستی سے صرف دو میل کے فاصلے پر ایک بلند پہاڑ کے اوپر ایک بہت بڑا مندر دے رہا تھا۔ جو اپنی عمارت کے لحاظ سے بوسیدہ اور بے آباد لگتا تھا۔

شہر دوں کی وہ بستی جس کا نام سدانیہ تھا۔ بہت بڑی تھی۔ دُور دور تک لکڑی کے مکانات پھیلے ہوئے تھے جن میں کچھ دو منزلہ بھی تھے۔ کہیں کہیں لکڑی کو اونچی دیواریں بنا کر کھلے احاطے بناتے گئے تھے جن کے اندر بھیڑ بکریاں رکھی جاتی بستی کے لوگ مقامی سرکار سے اجرت پر جنگل سے لکڑی کاٹ کر اپنی گزربس کرتے۔ حمادیشپال اور دتنا کو لے کر دینا لکڑی کے ایک خوبصورت اور صاف مکان میں داخل ہوئی۔ مکان کا صحن کافی کھلا تھا جس میں ایک طرف ایک گا۔ بندھی ہوئی تھی اور اس کے قریب ہی چھوٹی سی ایک کچھیا بیٹھی بڑے پیارے میں جو گالی کمر رہی تھی۔ حمادیشپال اور دتنا کے ساتھ مکان سے باہر ہی رک گیا۔ اندر گئی۔ سربراٹھائی ہوئی پانی کی گاگر اس نے لکڑی کی گھر ونچی پر رکھی اور دروازہ کی طرف مرتے ہوئے حماد سے کہا۔ بھیا آپ باہر کیوں کھڑے ہو گئے۔ اندر آجا یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔ حماد اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ بارش چونکہ نہ ہو گئی تھی۔ لہذا دینا نے ان کے گھوڑے اور باہر بندھی ہوئی اپنی گائے اور کچھ ایک کمرے کے اندر باندھ دیتے۔ پھر وہ انہیں ایک صاف ستھرے کمرے میں لے گئی حماد نےیشپال کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا رکھا تھا۔ دینا نے ایک کھاٹ کی طرف اشارہ کیا اور حماد نےیشپال کو اس پر بٹا دیا۔

کمرے کے اندر ایک اور چارپائی بھی تھی جس پر دتنا بیٹھ گئی تھی۔ حماد دینا سے کہا۔ میں اپنے گھوڑوں کی زینیں اور دھانے اُتاروں تو ہاں بالو کہاں دینا نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہمارا چار بکریاں بھی ہیں، بالو انہیں چرانے لے جاتے ہیں۔ چونکہ بارش ہو رہی ہے۔ اس لیے لوٹنے د

حماد نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ میرا نام حماد ہے میں دینا کا بھائی ہوں۔
 بوڑھے نے بڑی خوش طبعی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ میرا نام سیوارام ہے دینا کا دادا
 ہوں۔ یہ مجھے بالوکہہ کہہ کر پکارتی ہے۔ آپ بیٹھیں میں آپ کے بھوجن (کھانا) کا بندوبست
 کرتا ہوں۔ حماد نے سیوارام کی راہ روکتے ہوئے کہا۔ میں آپ اور دینا کی سادی گفتگو
 سن چکا ہوں۔ آپ کو اپنی بکری اور بچھیا بیچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس کافی
 رقم ہے۔

دینا نے فوراً دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ نہیں بھئی آپ کیوں خرچ کرینگے۔
 حماد نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔ تو چپ رہ چھوٹی بہنیں بھائیوں کے سامنے نہیں
 بولتیں۔ پھر اس نے سیوارام سے کہا ٹھہرتے ہیں خود آپکے ساتھ چلتا ہوں۔ حماد اس
 کمرے میں داخل ہوا جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ وہ اپنے گھوڑے کی زین
 سے بندھی ہوئی ایک بوری اور ایک بڑا سا ٹاٹ لے آیا۔ سیوارام نے بڑی شفقت
 سے پوچھا۔ اس بوری اور ٹاٹ میں کیا لاؤ گے۔ حماد نے اس کے قریب ہوتے ہوئے
 کہا۔ بوری میں گھوڑوں کے لیے دانہ اور ٹاٹ میں ان کے لیے پھس لاونگا۔ سیوارام نے
 مسکراتے ہوئے کہا گھر میں پھس بہت ہے ہاں دانہ لانا پڑے گا۔ حماد نے کچھ سوچتے
 ہوئے کہا۔ کیا اس لبتی کا کوئی بازار ہے۔ ہاں اس کا بہت بڑا بازار ہے جہاں سے
 ضرورت کی ہر چیز مل سکتی ہے۔ میرے پاس چار فالٹو گھوڑے ہیں اگر میں انہیں بیچنا
 چاہوں تو کیا یہاں انہیں کوئی خرید لیگا۔

سیوارام آگے بڑھا اور حماد کے ہاتھ سے بوری اور ٹاٹ لیتے ہوئے کہا۔ یہ
 دونوں چیزیں مجھے تمہارے گھوڑے لے آؤ۔ تمہارے گھوڑے اگر اچھے اور صحت مند
 ہیں تو وہاں جاتے ہی بک جائینگے۔ گھوڑے لانے سے قبل حماد نے پھر سیوارام سے
 پوچھا۔ دینا نے تمہیں بتا دیا ہو گا کہ میرا ایک ساتھی بڑی طرح زخمی ہے اس کے علاج
 کے لیے کوئی وید (بجھم) یہاں سے مل جائے گا؟ تم گھوڑے لے آؤ میں ہر چیز کا
 بندوبست کر لوں گا۔ حماد نے رتنا کی عزت بچاتے ہوئے جن چاروں کو قتل کیا تھا۔ ان

باروں کے گھوڑے لیکر وہ سیوارام کے ساتھ باہر چلا گیا۔
 بارش اب تیز ہو گئی تھی نفی نفی مچھواری جگہ اب موسلا دھار دینہ برسنے لگا تھا۔
 دینا کمرے میں جا کر گاتے اور بکریوں کا دودھ دھسنے لگی تھی۔ رتنا جو اپنے گھوڑوں کی
 فرجینوں سے سامان نکال کر دیکھ رہی تھی۔ لیشال کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ بھئی! آپ
 لو بھوک لگی ہو گی۔ کچھ کھائیں گے۔ لیشال کو اس سے خفا تھا پھر بھی اس نے بڑی نرمی
 و پیار سے کہا۔ حماد باہر گیا ہے جب تک وہ نہیں لوٹتا ہم دونوں کا بھوجن کو ہاتھ لگانا
 بھی پاپ ہے وہ آجائے تو اکٹھے بیٹھ کر کھائیں گے۔ رتنا خاموش رہی پھر وہ لیشال کے
 پاس آکر بیٹھ گئی اور ہلکے ہلکے اس کا سر دباتے ہوئے اس نے پیار میں ضد کرنے کے
 انداز میں کہا۔

بھئی! میں اُن کا بھوجن اور ان کے برتن استعمال میں نہ لاؤں گی۔ ہمارے پاس!
 کھانے کی بہت سی چیزیں اور برتن بھی ہیں۔ لیشال نے اس بار نرمی سے کہا۔ جو تیری
 باسنا (خواہش) ہو تو کر میں جانتا ہوں تو دھرم کے معاملے میں بہت سخت ہے۔
 پر تو ایک بات یاد رکھنا میں جب حماد کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگوں تو تو چپکی رہنا
 منہ سے بڑا شبد (لفظ) نہ نکالنا ورنہ تیرا جھگڑا ہو گا۔ رتنا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ
 خاموش رہی اور ہلکے ہلکے بھاتی کا سر دباتی رہی۔

مخدوم دیوبند دونوں بہن بھاتی چونک کر باہر دیکھنے لگے۔ حماد گھر میں داخل ہوا۔
 تھا اس کے ایک کندھے پر دے ہوئے چنوں سے بھری ہوئی بڑی بوری تھی اور
 دوسرے کندھے پر ٹاٹ میں بندھی ہوئی بہت بڑی گٹھ تھی۔ صحن کے درمیان آکر
 اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ بڑی طرح کچھو کچھو کر پڑا۔ کمرے کے اندر سے لیشال
 بڑی طرح چلانے لگا۔ حماد! چوڑا تو نہیں آتی۔ رتنا بے حس و حرکت اپنی جگہ پر
 بیٹھی رہی تھی۔ دوسرے کمرے سے دینا بھی بھاگتی ہوئی باہر آگئی تھی۔ اتنی دیر تک
 حماد اٹھ کھڑا ہوا تھا تاہم اس کا ٹاٹ کا لباس کچھ سے لت پت ہو گیا تھا۔ دینا نے
 پریشانی سے پوچھا۔

وہ سامنے کھڑی لڑکی اس زخمی نوجوان کی بہن ہے۔ ان کی جان بچان کے کچھ لوگوں نے ان سے اس لڑکی کا رشتہ مانگا انہوں نے انکار کر دیا جس کی بنا پر وہ ان کے دشمن ہو گئے۔ موقع پر پا کر انہوں نے ان کے ماں باپ کو قتل کر دیا لیکن یہ اپنے گھر سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر انہوں نے ان کا تعاقب کیا۔ اور اس نوجوان کو زخمی کر کے اس کی بہن کو اٹھالیا۔ اتفاق سے میرا وہاں سے گزر رہا تھا۔ میں نے اس زخمی لڑکی کی مدد کی اور اس کے دشمنوں سے لڑ کر اس کی بہن کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ بس اتنی سی داستان ہے ان کی۔

وید نے حیرت سے حماد کی طرف دیکھا پھر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور اس نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ مسلمان ہیں۔ حماد نے بڑی انکساری سے کہا۔ آپ کا اندازہ درست ہے میں مسلمان ہوں۔ وید نے مصافحہ کے لیے حماد کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اسلام علیکم۔ حماد نے بڑی حیرت سے وید کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ قبل اس کے دونوں میں سے کچھ اور کہتا پاس کھڑے سیوارام نے حماد سے کہا۔ اپنے وید جی بھی مسلمان ہیں ان کا نام ابوبکر ہے۔ حماد نے ایک بار پھر بڑی گرمی جوشی سے ابوبکر کے ساتھ مصافحہ کیا اور پیشال کو دیکھنے کے لیے کہا۔

ابوبکر آگے بڑھا۔ رتنا کو اس نے ایک طرف ہٹ جانے کو کہا۔ پھر اس نے پیشال کے زخموں کی پٹیاں کھول دیں اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو یہ پٹیاں آپ نے باندھی ہیں۔ کیونکہ جراحی اور مرہم پٹی کا یہ طریقہ شرق اوسط کے مسلمانوں کا ہے۔ جواب میں حماد نے مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔

ابوبکر نے پانی منگو کر سارے زخموں کو اچھی طرح دھویا۔ پھر زخموں پر دو مختلف رنگوں کے سفوف چھڑک کر انہیں خشک کیا۔ اس کے بعد سارے زخموں کو مرہم سے خوب بھر کر پٹیاں باندھ دیں۔ پھر اس نے اپنا سامان اپنی پٹیلی میں رکھنے کے بعد پیشال کا نشانہ چھتھپاتے ہوئے کہا۔ میرے اللہ نے چاہا تو تھوڑی ہی دیر بعد آپ کے زخموں

کیا ہوا بھتیجا! حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پاؤں پھسلنے سے گر پڑا۔ بارش سے کیچڑ جو ہو گیا ہے۔ دنیا کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے وزنی اور بھاری بھر کم بادی ایک ہی جھٹکے میں اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھی اور اس گھر میں لے گیا جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ دینا آگے بڑھ کر ٹاٹ کی وہ گھٹ دیکھنے لگی۔ وہ حیران رہ گئی۔ اس میں کھانے پینے کی ان گنت چیزیں بندھی ہوئی تھیں۔ حماد پھر باہر آیا اور دینا سے کہا۔ یہ تمہارے کھانے پکانے کا سامان ہے۔ یہ کہاں رکھوں گی۔ دینا نے ایک چھوٹے سے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور سوئی میں دکھ دیں۔

حماد نے وہ گھٹ اٹھائی اور سوئی میں لے آیا۔ دینا بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ گھٹ فرش پر رکھنے کے بعد حماد نے جب کمر بیدھی کی تو دینا نے بڑے لاچار سے جذبے میں کہا۔ بھتیجا! آپ نے اس قدر سامان کیوں خرید لیا۔ آپ کی کافی رقم خرچ ہو گئی ہوگی۔ ہمارا کام آپ کی سید کرنا تھا اب آپ ہم پر احسان کر رہے ہیں۔ حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو تو لگی ہے۔ بھائیوں کے بہنوں پر کیا احسان ہوتے ہیں۔ تو میری بہن ہے۔ تیری ہر ضرورت کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔ دینا نے ڈبڈباتی آواز میں کہا۔ تم دھرم اذنا ہو بھتیجا! کون کسی کا یوں خیال رکھتا ہے۔

حماد کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سیوارام گھر میں داخل ہوا اس کے ساتھ ایک وید بھی تھا جس نے اپنے ہاتھ میں بھیڑ کی کھال سے بنا ہوا ایک پتیلی بھی اٹھا رکھا تھا۔ سیوارام وید کو لیکر اس کمرے کی طرف چلا گیا جس میں پیشال اور رتنا تھے حماد بھی دینا سے کچھ کہے بغیر ان کے پیچھے پیچھے اسی کمرے کی طرف چلا گیا۔ دینا سوئی میں بیٹھ کر کھانا تیار کرنے لگی تھی۔

جب سیوارام، وید اور ان کے پیچھے پیچھے حماد اس کمرے میں داخل ہوتے تو رتنا بھاتی کی کھاٹ سے اٹھی اور پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ وید نے پیشال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیوارام سے پوچھا۔ یہ کیسے زخمی ہوتے۔ قبل اس کے سیوارام کچھ کہتا جمادبول پڑا اور رتنا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کی ٹیسیں ختم ہو جائیگی اور آپ سکون کی نیند کہیں گے۔ میں اب جاتا ہوں کل پھر حاضرم ہوں گا۔

حماد نے اپنے لباس کے اندر سے چند سسکے نکالے اور البکر کی طرف بڑھاتا ہوتے کہا۔ یہ دیکھ لیں البکر نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ اس دس میں تم اجنبی ہو۔ تمہاری ضرورت مجھ سے ہم ہے۔ یہ میں نہیں لوں گا۔ حماد نے سکے زبردستی اس کے پھیلے میں ڈالتے ہوئے کہا یہ آپ کا حق ہے۔ آپ اس مولا دھار بارش میں چلے آتے ہیں۔ یہ آپ کی ہرمانی ہے۔ البکر اٹھا اور حماد کا ہاتھ پکڑ کر کھسی قدر دباتے ہوئے کہا۔ آپ میرے ساتھ آئیے باہر اب اندر ہونے لگا ہے۔ دوسرے میں آپ کو ان کے متعلق احتیاطی تدابیر بتا دوں گا۔

باہر گلی میں آکر البکر نے پھر حماد کا ہاتھ تھام لیا اور سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ آپ کہاں سے آتے ہیں۔ حماد نے بڑی انکساری سے کہا۔ میں نیشاپور سے آیا ہوں۔ البکر نے چونک کر پوچھا۔ یہاں آنے کا مقصد حماد نے بات کو گول اور مختصر کرتے ہوئے کہا۔ میں تجارت کے سلسلے میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں۔ اب کی بار میری منزل دیدیا سے سرسوتی کے کنارے قصبہ جیم سین ہے۔ وہاں میں ایک سوداگر بدری ناٹھ کے ہاں ملازمت کروں گا۔ وہ میری جان پہچان کا آدمی ہے اور مجھ پر اس کا اعتماد و اعتبار ہے۔

البکر نے تیز نگاہوں سے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہاری نگاہوں کی گہرائی اور عقابی پن تمہارے جسم کا تناؤ اور تمہارے چہرے کے تاثرات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ تم تجارت کے لیے نہیں پیدا ہوئے اگر میں غلطی پر نہیں تو قدرت کسی اہم کام کیلئے تمہارا انتخاب کر چکی ہے اور اس کام میں یقیناً میری ملت اور میرے مذہب کی بہتری اور آسودگی نہی ہے۔ حماد نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ خاموش رہا۔ البکر نے پھر لوہے ہوتے کہا۔ میں یہ نہیں چاہتا تم مجھ پر کوئی راز افشاں کرو۔ میری دعا ہے جو مقصد لے کر تم اس اجنبی شہر میں وارد ہوئے ہو اس میں میرا رب تمہیں فوڑ کا میاب رکھے۔

حماد اور بوڑھا البکر خاموشی سے آگے بڑھتے رہے۔ بخوڑی دور جا کر البکر نے

پھر سرگوشی میں حماد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میری ملت کے باجہدوت فرزند! عمر اور تجربے میں تم سے بڑا ہونے کے ناطے سے میں تمہیں ایک نصیحت بھی کرتا ہوں۔ سنو! اس شہر میں کے لوگ طبقات میں بٹے ہوئے ہیں اور ان کا خمیر تفرید و فریب سے گندھا ہوا ہے۔ یہاں تمہیں ان کے ہر حکم، دغا اور دیا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ ہمارے رسول عربی کو لات وعزای کی مہابت سے دھمکانے والوں کی طرح اپنے باطن کی خباثت سے تم پر تاریکی کی طرح چھانے کی کوشش کریں گے۔

البکر نے ذرا ٹک کر پھر کہا۔ تم یہاں ہر طرف ان گنت رنگ دیکھو گے۔ اور ہر رنگ کی تاثیر پہچان کر اپنا رد عمل ظاہر کرنا۔ ضرورت پڑنے پر ان کے لیے ترازو زانغ اور لوٹے بلبل بن جانا اور برے ایام کی دیرانی میں ان کے لیے آتش سیال اور نیم سوز شعلہ بن کر رہو گے تو یہ لوگ تم سے خوفزدہ ہو کر تمہیں عزت اور احترام دیں گے۔ اگر تو یہاں تنہا کام کرنے آیا ہے اور تیر کوئی رہبر و راہنما نہیں تو سن میری ملت کے فرزند! بڈیوں کا کوئی بادشاہ نہیں ہوتا پھر بھی وہ کس طرح پرے باندھ کر اڑتی ہے۔ جس طرح مکھن دودھ دھونے سے اور خون ناک مڑوڑنے سے نکلتا ہے اس طرح تو بھی یہاں حکمت و صناعی کے ساتھ رہنا۔ میرا دل کہتا ہے۔ تمہارا تعلق غزنی کے حکمرانوں سے ہے اگر ایسا ہے تو وہ وقت عنقریب آئے گا کہ یہ بت پرست اور شرک پسند قوم جو آج ہم مسلمان کو میچھوں سے بھی کمتر جانتی ہے مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہو کر اسی طرح شکستہ ہو جائے گی جس طرح بنی اسرائیل نے خدا کو چھوڑ کر بعل و عسارات جیسے دیوی دیوتاؤں کی پرستش شروع کر دی اور وہ تباہ و برباد ہو گئے تھے۔

البکر ایک جگہ رک گیا اور اپنے سامنے ایک دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ میرا گھر ہے۔ آؤ آج کی رات میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ میں تم سے بہت کچھ کہنا اور سننا پسند کروں گا۔ حماد نے منت کے انداز میں کہا۔ مجھے اب جانے دیجئے۔ ورنہ وہ میرے متعلق مشکوک ہو جائیں گے اس لیے کہ قصبہ جیم سین میں جس بدری ناٹھ کے ہاں مجھے جانا ہے وہ دونوں اس کا بھانجا اور بھانجی ہیں اور وہ بھی

اس کے پاس جا رہے ہیں۔ آپ کی بتائی ہوئی نصیحت کے مطابق مجھے اس سرزمین پر
میں محتاط رہنا ہوگا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے مصافحہ کیا اور بارش و تابکی پر
وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے۔ اب بکر اپنے گھر کے دروازے پر
کھڑا ہو کر دُور جاتے ہوئے حماد کو دیکھتا رہا جب وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل
گیا تو اس نے دُعا کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاتے ہوئے اپنے
پرغم اور سوگوار آوازیں کہا۔ میرے اللہ! تو کرو گار و کریم ہے۔ میری ملت کے اس پاسدار
کو صبح کی زلفشانی کی طرح نردانہ اور ہر روز مشرق سے طلوع ہونے والے سورج کی مانند
کامیاب و کامران رکھنا پھر لوٹھا اب بکر اپنے گھر کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔
حماد جب واپس لوٹا تو دُعا اپنے بھائی کے پاس بیٹھی باتیں کر کے اس کا دل بہلا
رہی تھی۔ وہ جب ان کے کمرے کی طرف جانے لگا تو روتی سے دینا بانہر نکلتی ہوئی بولی۔
بھتیبا! کھانا نہیں کھاتیں گے۔ حماد نے پیشال کے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
کہا۔ یہیں لے آؤ۔ حماد نے ادھر ادھر دیکھا شاید وہ سیوارام کو دیکھ رہا تھا پر وہ
رستوتی میں وینا کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اسے شاید کچھ یاد آگیا اور وینا کو مخاطب کر کے کہ
وینا! وینا! میری بہن بالو کو ذرا ادھر بھیجنا۔ خود وہ اس کمرے میں داخل ہو گیا۔
جس کے اندر اس کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد سیوارام بھی اس کمرے
میں داخل ہوئے ہوا بولا۔ کوئی کام ہے آپ کو؟ حماد نے اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر
ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ آپ نے کہا تھا گھر میں توڑی ہے۔ سیوارام آگے بڑھا ہوا
بولا۔ توڑی تو ہمارے ہاں بہت ہے۔ پھر اس نے اس کمرے کے ایک کونے کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ جو پرل کا ڈھیر لگا ہے نا اس کے نیچے توڑی ہی توڑی ہے
پر تم کیا کرنے لگے ہو پہلے کھانا تو کھاؤ۔ حماد نے دے ہوئے چوڑی کی بوری کھولتے ہوئے
کہا۔ پہلے ان بے زبانوں کی خوراک کا بندوبست کر کے پھر کھاؤ لگا۔ سیوارام بھی کام
میں اس کی مدد کرنے لگا۔ دونوں نے مل کر گھوڑوں، گائے، بھینیا اور بکریوں کو چارا
ڈالا اور باہر آ گئے۔

سیوارام پھر رستوتی میں چلا گیا۔ جبکہ حماد ہاتھ منہ دھو کر پیشال کے کمرے میں آیا۔ رتنا
اُسے دیکھ کر اپنی کھاٹ کی طرف چلی گئی۔ حماد پیشال کے بستر پر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں تک اس نے
کچھ سوچا۔ پھر اس نے دھیمی آواز میں پیشال کو مخاطب کر کے کہا۔ پیشال! اگر بُرا نہ مانو تو ایک
بات کہوں۔ پیشال نے مسکرا کر کہا جو کہنا ہے مجھ سے پوچھو بغیر کہو تم مجھے گالیاں دو تب
بھی بُرا نہ مانوں۔

حماد اپنا چہرہ اس کے قریب لے گیا اور سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔ آؤ آج کی رات
مل کر دھرم کے بندھنوں کو توڑ دوں۔ آؤ تھوڑی دیر کے لیے ان ریلوں کے جال کو اپنے
اوپر سے اتار دوں جو انسان کو طبقاتی جنگ میں مبتلا کرتی ہیں۔ میرے دوست آؤ کچھ دیر
کے لیے یہ بھول جائیں کہ ہم میں سے کوئی کشتی اور کوئی ملیچھ اور توڑ دیں۔ آج کی رات
دھرم کی ہر اس آواز کے سامنے کان بند کر لو جو یہ فیصلہ دیتی ہے کہ بلیچھ ہندو معاشرے میں
ریوٹس کے گزرنے کا بخباہ ہیں اور یہ کہ ویدوں کے مقدس اشلوک سننے کے لیے ان کی سماعت
پر پابندی ہے۔ آؤ آج کی رات مل کر اپنے میزبانوں کو یہ احساس دلائیں کہ ہم سب صرف
انسان ہیں اس کے علاوہ ہمارا کوئی طبقاتی وجود نہیں ہے۔ یہاں سے نکلنے کے بعد میرا راستہ
طرز مسلمان ہو گا اور تم اپنے دھرم کی قبائے شب کی سی طبقاتی تابکی میں کھو جانا۔ میرے
مذہب میں کسی انسان کا دل دکھانا عظیم گناہ ہے۔ آؤ آج کی رات سب کچھ بھول کر اپنے تھوڑے
میزبانوں کو ثقافتِ ذہنی اور قسادتِ قلبی سے بچالیں۔

حماد نے زور زیادہ پیشال پر جھکتے ہوئے کہا۔ کیا اس معاملہ میں تم میرا ساتھ دینے
کو تیار ہو؟۔ پیشال نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا تم دھرم آتما اور صبح کی روشنی
جیسے صاف پلوتہ ہو تمہاری باتیں اور بجا شہد کے چھتے کی طرح شیریں اور زندگی بخش ہیں
پھر پیشال نے حماد کے کان کے قریب منہ لیجاتے ہوئے اپنی خوش کن آوازیں کہا۔ حماد!
حماد! میں اپنے ماموں بدری ناتھ کے ہاں اکثر آتا رہا ہوں۔ ان کا مسلمانوں سے کافی لین دین
ہے۔ وہاں مجھے مسلمانوں سے باتیں کرنے اور تمہارے مذہب کے متعلق بہت کچھ جاننے کے
کافی مواقع ملے ہیں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ آج کے بعد میں ذات پات کے خلاف

آواز اٹھاؤں گا۔ مجھے تمہارے مذہب کا یہ فرمان بید پسند ہے۔ کہ سب انسان ایک اللہ کے ہاں قابل عزت وہی ہے جو پرہیزگار ہے۔ منو حمار میں نے تمہارے صحرائی را کے وہ سنہری الفاظ بھی پڑھے ہیں جو انہوں نے حجتہ الوداع کے موقع پر کہے تھے۔ میرا کہنا ہے عنقریب وہ وقت آئے گا۔ جب میں اور تم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ایک ہی را پر چلتے ہوئے ایک ہی ————— نہ جانے یثال کیوں چپ ہو گیا پھر بات کا بدل کر کہا میرا ایمان ہے جس منش کا من الیٰ نور میں گڑھا ہے وہی لوگ میں پر دین ہے اسے ہی جہنم مرن کے ساگر کے اس پار جانے کا موقع ملتا ہے۔

حماد اور یثال آپس میں باتیں کر رہے تھے اور دوسری چار پاتی پر تناد م برید سانپ کی طرح کرو دھا اور غصے میں بل کھا رہی تھی۔ اتنے میں دینا اندر آئی اس کے ہا میں ایک بہت بڑا تھال تھا جس کے اندر بڑے پتے بچھائے گئے تھے جن پر بربڑی اور روٹیاں رکھی گئی تھیں۔ دینا نے وہ تھال حماد کے سامنے یثال کی چار پائی پر رکھتے ہو۔ کہا۔ حماد بھائی! یہ آپ تینوں کا کھانا ہے۔ پھر اس نے بڑی ہمدردی سے کہا جیتا آپ کے کپڑے بھیگے ہوتے اور کپڑے سے لٹھرے ہوئے ہیں انہیں اتار کر دوسرے پہن اگر تمہارے پاس اور کپڑے نہ ہوں تو میں باپ کے فالٹو کپڑے آپ کو لا دوں۔

حماد کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ تم پانی لاؤ۔ میں کپڑے بدل کر آتا ہوں۔ حماد اٹھ کر اس کمرے میں چلا گیا جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کپڑے ہا کر لوٹا اس نے ٹاٹ کا نیا لباس پہن لیا تھا۔ دینا ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ حماد کو دہ ہی اس نے دکھ سے پوچھا۔ حماد بھائی! آپ ٹاٹ کا لباس کیوں پہنتے ہیں۔ کیا آپ پاس سوت کے کپڑے نہیں۔ حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بس یہ سمجھ لو میرے جسم کو کپڑے اچھے نہیں لگتے۔ پر تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ پانی نہیں لاتی ہو۔

دینا نے اداس آواز میں کہا۔ جیتا! تمہارے پاس کوئی برتن ہو تو دے دو اس میں پانی لا دوں۔ حماد نے پریشان ہو کر پوچھا۔ کیا تمہارے پاس برتن نہیں ہیں۔ برتن تو بہت ہیں جیتا۔ میں نے سوچا شاید آپ لوگ ہمارے برتنوں میں کھانا پینا پسند نہ

ہوں۔ اسی لیے میں تپوں پر کھانا رکھ کر لاتی ہوں۔ حماد نے کھانے کا تھال اٹھا کر دین کے ہاتھ دے دیا۔ یہ بھی واپس لے جاؤ اور ہر چیز اپنے برتنوں میں ڈال کر لاؤ۔ تم میری بہن ہو اور اس سے بڑھ کر قریبی رشتہ اور کون سا ہو سکتا ہے۔

دینا چلی گئی تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی اس بار اس نے تھال کے اندر کھانے برتن لگا رکھے تھے اور پانی کا برتن بھی لے کر آئی تھی۔ سب چیزیں وہ حماد کے سامنے رکھ کر باہر نکل گئی۔ حماد نے کھا کھا کر کیے بغیر خود بھی کھانے لگا اور یثال کو بھی کھانا کھلانے لگا۔ دینا نے اپنے گھوڑے کی خرچین سے اپنے کھانے کا ہالان نکالا۔ انہیں سونے چاندی کے برتنوں میں بجا کر اور پانی کا منگیزہ اپنے سامنے رکھ کر وہ بھی کھانا کھانے لگی تھی۔

دینا ایک بار پھر کمرے میں آئی اور کھانے کے خالی برتن اٹھاتے ہوئے اس نے حماد سے پوچھا۔ آپ کی کھاٹ بھی اسی کمرے میں لگا دوں۔ حماد کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ نہیں میں اس کمرے میں سوتو لگا جس میں گھوڑے بندھے ہوتے ہیں اور سوتو میرے لیے کھاٹ اور بستر بھی مت لانا میں وہاں اپنے سونے اور آرام کرنے کا پورا بندوبست کر آیا ہوں دینا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ وہاں آپ نے کیا بندوبست کر لیا ہے۔ وہاں تو نہ کھاٹ ہے نہ بستر پھر آپ کہاں سوتیں گے۔ حماد نے ہلکے سے مسکرا کہا۔ وہاں سب کچھ ہے میرے پاس اپنا بستر ہے۔ اور وہاں کمرے میں پرال کا بہت بڑا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ میں نے ڈھیر سا پرال فرش پر بچھا کر اس کے اوپر اپنا بستر لگا دیا ہے۔ اب مجھے نہ کھاٹ کی ضرورت ہے اور نہ ہی بستر کی۔

دینا نے منہ لبو رتے ہوئے کہا۔ نہیں جیتا! میں آپ کو پرال پر نہ سونے دوں گی، میں اسی کمرے میں آپ کی کھاٹ بستر بھی لگاتی ہوں۔ اور پھر رات کے وقت آپ کو اپنے زخمی ساتھی کا بھی تو خیال رکھنا ہو گا۔ حماد نے دینا کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھی کا تم فکر نہ کرو اس کے پاس اس کی بہن ہے۔ وہ رات کے وقت اس کا خیال رکھے گی اور پھر یہاں کے ویدکی مرہم پٹی نے اس کے زخموں کے درد کو زائل کر دیا ہے۔ رات کے وقت اسے زیادہ سے زیادہ پانی کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس کے لیے

زننا یہیں ہے اور اس کے پاس پانی کا مشکیزہ بھی ہے اس کے باوجود اگر یہ میری ضرورت محسوس کریں تم مجھے ساتھ والے کمرے سے بیدار کر سکتے ہیں۔

یشپال نے بھی کچھ کہنا چاہا لیکن حماد نے اسے اشارے سے خاموش رہنے تلقین کر دی اور وہ کہتے کہتے رک گیا۔ وینا نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔ اگر آپ پرال پر نہیں باپ سے آپ کو شکایت کر دوں گی۔ حماد نے منت کے انداز میں کہا۔ کیا اچھی بہن ہیں بھائیوں کی شکایت کرتی ہیں۔ حمادیشپال کو شب بخیر کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ وینا اس کے تھکی۔ دونوں اس کمرے میں آتے جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ وینا نے حماد نے واقعی ایک کونے میں پرال بچھا کر اس پر اپنا بستر لگا رکھا تھا۔ پرال پر بچھی ہوئی اس کی چادر بھی ٹاٹ کی تھی اور اس کا لحاف بھی ٹاٹ میں دوٹی بھر کر بنایا گیا تھا۔

قبل اس کے وینا کچھ کہتی حماد نے ایک طرف رکھے ہوئے اپنے جھیکے اور کچھ کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وینا میری بہن! اگر تم اپنے بھائی کے لیے کچھ ہی چاہتی ہو تو میرے یہ کپڑے لے جاؤ انہیں دھو دینا۔ چپ چاپ کپڑے اٹھا کر باہر نکل گئی۔ حماد نے گھوڑوں، گائے، بچھیا اور بکریوں کے آگے اور چارہ ڈال دیا اور اپنے بستر میں گھس کر سو گیا۔ باہر فضاؤں میں ابھی تک تیز اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔

شب کے پریشان لمحوں کا فروغ دم توڑ رہا تھا۔ طلوع و سحر میں نگفتہ سرگوشیاں شروع نہیں تھیں۔ رات بھر بارش اور سردی کے مارے ہوتے دراندہ و زار طیور نواسے زمین اپنی بیداری کا اعلان کرنے لگے تھے۔ تاریکی کے دام ہم رنگ زمین اُبناتے م کی بساط ادراک کے اس پار درپوش ہو رہے تھے۔ سحر صدف در بستہ کی طرح نمودار آتی تھی اور صالح تخلیق کی مشیت و مقصود بن کر متحج جو ہر انسان بننے لگی تھی۔

حماد نے پرال پر بچھی ہوئی اپنی ٹاٹ کی چادر پر فجر کی نماز ادا کی پھر وہ اٹھ کر اپنے دروں اور دوسرے جانوروں کو دانہ اور چارہ ڈالنے لگا۔ اتنے میں زننا اس کمرے میں غل ہوئی صبح کے وقت وہ اپنے رخ گلگوں، دراز قد اور طویل زلفوں اور اپنے صدف بے حسن کے افون رخسار میں مست و مگن، طلسمات جہاں، جلوۂ روحت اور کینز ان شبتان مال باندھ گئی تھی۔ وہ حماد کے قریب آئی اور اپنے عنابی لب کھولتے ہوئے کہا۔

میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ حماد نے اُس کی طرف دیکھے بغیر اپنے گھوڑے کے منہ توڑی میں دانہ ملاتے ہوئے کہا۔ کہہ لو۔ زننا نے کچھ سوچا پھر وہ برقی مثال، شوخ و بن العلل کوہ اور بت شنگرف جیسی پرکشش اور جاذب نظر لڑکی خوناب و مشر تاب ہجے یا بھٹ پڑی۔

تم نے اپنے احسان کے چتر تلے میرے بھائی کا دھرم خرید لیا ہے۔ تم نے اتنا پاپ کیا ہے جس کے لیے کوئی شفا نہیں ہے۔ تم نے میرے بھائی کو دھرم میں اس قدر

بیچے کر دیا ہے کہ وہ ایک مہاراج پت کا کشتری ہو کر تہادی دھر سے پیچھ ہو کر رہ گیا ہے۔ تم حل ہا
ہو اور تم نے میرے بھائی کا اکا اکا (بادی وراہما) بن کر اسے بخش کر دیا ہے۔ جب کہ تو جانتا
ہے تو مسلمان اور ہم ہندو ہیں۔ جبکہ تجھے خبر تھی تیرا ہمارا کوئی پیوند نہیں ہے پھر تم نے کیوں
میرے بھائی کو شہر دوں کے ہاں سے کھلا پلا دیا ہے۔

حماد و تنائی کی طرف مڑا اور اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ تم صرف دیوتاؤں کو
آنکھ سے دیکھتی ہو پھر اس نے دنیا کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ سنو دیوی میں
تمہارا ڈن نہیں۔ رتنا نے حماد کو بات بھل نہ کرنے دی اور بڑی نفرت و کدودہ
کا اظہار کرتے ہوئے اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ چھینک کر کہا۔ جا جا میرے شہر پر کوہا
نہ لگا۔ تیرا مسلمان ہو کر مجھ کو چھو نا میرے دھرم اور میرے شہر پر کا دیہانت (مرگ) ہے۔
حماد نے تنائی اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو نے مجھے صرف محبت و شفقت
میں ابر نہاں کی صورت میں ہی دیکھا ہے۔ جب تم میرا شعلہ طور چنگاری والی گارے
جیسا غصہ دیکھو گی تو تم اپنا جیون مرن سب بھول جاؤ گی۔ اپنے آپ میں رہ کر مجھ سے
گفتگو کرو میں کوئی تمہارا دیبل اور غلام نہیں ہوں۔ میں نے تمہارے بھائی کی زندگی اور
تمہادی عزت بچا کر تم پر احسان کیا ہے تمہارے ہاتھ اپنے آپ کو بیجا نہیں ہے۔

رتنا نے اپنے لباس کے اندر سے نقدی کی ایک بڑی خفیہ لکالی اور برکھارت
میں اٹکی ہوئی کوہی ندی کی طرح غصے میں بل کھاتے ہوئے پوچھا۔ بتاؤ ہم دونوں بہن
بھائی کی مدد کرنے کی کیا قیمت مانگتے ہو۔ حماد نے بھی غصے میں پھرتے ہوئے کہا یہ
انسانی جذبے ہیں جن کا کوئی خریدار کوئی فروشنده نہیں ہو سکتا۔ جاؤ لوٹ جاؤ میرے
غصے کو ہوانہ دو۔ رتنا نے پھر خفیہ آواز میں کہا۔ تم تو مجھے معمولی فٹاش کے بدلے انسان
لگتے ہو۔ یہاں میرے سامنے تمہارے مذہب کا اپنے خدا رسول پر بیعت یقین رکھنے والا
کوڑی بھی ہو تو میں اسے بھی اس کے ایمان سمیت خرید لوں تمہاری توحینیت ہی کچھ نہیں
حماد کا رنگ غصے میں گرم سرخ ہو گیا تھا۔ پھر اس کا دایاں ہاتھ اٹھا کر
رتنا کے منہ پر اس نے اس زور کا طمانچہ مارا کہ وہ ہوا میں اچھلتی ہوئی دور جا گری۔

ندت کے باعث اس کے منہ سے چیخ نکلتی تھی اور اس کے نازک و سرخ و سفید
پہرے حماد کے آہنی ہاتھ کی انگلیوں کے نشان یوں ابھر گئے تھے جیسے کسی کے پہرے
پر سے داغ دیا گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی حماد کی طوفانی آواز اس کمرے میں گونج گئی
سن بنات سوا کی ذلیل ترین روح! تو نے میرے خدا میرے رسول کا مضحکہ اڑایا
میرا خدا میری پلڑی میرا مٹول میرا غر و سر فراز ہے۔ سن تو جس قدر لغو بکے گی۔ اسی قدر
یادینی روح اور میرا انقلابی شعور بیدار ہو گا۔ تم جس قدر مجھ سے نفرت کا اظہار کرو گی۔
قدر میرے کمر دار و گفتار کی نیکی و سچائی اور میرے ایمان کی ضد بڑھتی رہے گی۔ سن اے
ملکی میرا تعلق اس قوم سے ہے جس کے ہاں نہ حوصلے کی کمی اور نہ قسط ہمت ہے۔ اگر
نے پھر اپنی گندی زبان سے کوئی ایسی بات کی جس سے میرے خدا و رسول اور میرے
ب و ملت پر حرف آتے تو خبر دار وہ اور میرے قبر سے ڈر کر میں تیری وہ گستاخ زبان
نے دود گا اور تجھے اوکھلی میں ڈال کر موصل سے کوٹ دوں گا۔ اگر تیرا دھرم تجھے
نوں سے نفرت کرنے کا سبق دیتا ہے تو مجھے اس دھرم سے نفرت ہے جو انسان کو
ات میں بانٹ کر نفرت و نا اتفاقی کی نہاد و نسیا دڈالے۔ جا یہاں سے دفع ہو جا اور
بھی میرے سامنے اس موضوع پر گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم اپنے بھائی کی ضد ہو وہ
قدر شریف ہے تم اسی قدر شریف نہ ہو۔

رتنا کانپتی ہوئی اٹھی اور سرخ چھوٹوں سے لدی ہوئی شاخ کی طرح لہراتی ہوئی وہ
کمرے میں باہر نکل گئی۔ حماد پھر اپنے کام میں لگ گیا تھا۔ رتنا اپنے گال پر اپنا سرخ و گداز
رکھے واپس اپنے کمرے میں آئی اُس نے دیکھا ایشال جاگ رہا تھا۔ وہ تنگی باز سے
مت کو گھور رہا تھا۔ اور اس کی آنکھیں نمک تھیں۔

رتنا جب اس کے پاس سے گزرنے لگی تو ایشال نے کمرخت آواز میں کہا۔ لگتا ہے
دے تمہارے منہ پر صرف ایک طمانچہ ہی مارا ہے جس کے نشانات تم چھپانے کی کوشش
ہی ہو۔ رتنا ہم عورت نہیں جھپتی ہو۔ میں یہاں لیٹے لیٹے دوسرے کمرے میں تیری
نادکی ساری گفتگو سن چکا ہوں۔ حماد اوتا اور فرشتہ ہے تو نے اس کا دل توڑا ہے۔ تو نے

یہاں سے بچ کر بھیم سین پہنچنے کا موقع مل جاتے گا۔ میرا ارادہ ہے آج رات ہوتے ہی ہم یہاں سے کوچ کر جائیں۔ یہاں سے سرسوتی کے کنارے کنارے بھیم سین زیادہ سے زیادہ تین کوس ہو گا اور ہم رات ہی رات وہاں پہنچ کر خطرات سے باہر نکل سکتے ہیں۔ اگر ہم بادشہ کے پاس تک پہنچاں انتظار کریں اور اس کے بعد موسم کھلنے پر اپنی منزل گریط روانہ ہوں تو ہم ہر صورت میں پکڑے جاتے گے۔ میں جانتا ہوں اس بادشہ اور طوفان میں سفر تکلیف دہ ہو گا لیکن مجھے اُمید ہے تم نے ہم پر جو اس قدر احسان کیے ہیں تو ایک اور احسان کرنے پر اپنا من نہ پوراؤ گے۔

حماد نے پھریشیال کی پیشانی پر پیاد سے ہاتھ بھرتے ہوئے کہا۔ تمہارا کہنا تو عجیب ہے۔ لیکن اس بادشہ میں سفر کرنا تمہارے زخموں کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو گا۔ تاہم میں سیوارام سے بات کرتا ہوں۔ اگر کسی بیل گاڑی کا بند و بست ہو گیا تو آج رات ہوتے ہی ہم یہاں سے ضرور کوچ کر جائیں گے۔ پھر حماد کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ لو میں سیوارام سے ابھی بات کر لیتا ہوں۔

حماد سرسوتی میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی دینا نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ آؤ بھیا! پھر اس نے ایک پیڑھی اس کی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔ آؤ بیٹھو بھیا!۔ حماد پیڑھی پر بیٹھ گیا اور سیوارام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔ سیوارام نے کہا۔ دھن بھاگ اگر میں آپ کی کوئی سیوا کر سکوں۔ حماد نے سنبھل کر کہا۔ کیا یہاں سے کسی بیل گاڑی کا بند و بست ہو جاتے گا۔ میرے ساتھی آج شام ہوتے ہی یہاں سے کوچ کر جانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے کوئی چھت دار اور چاروں طرف سے ڈھکی ہوئی بیل گاڑی ضروری ہے کیونکہ بادشہ کے اندر کھلی گاڑی میں سفر کرنے سے میرے ساتھی کے زخم خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔

سیوارام نے سوچتے ہوئے کہا۔ بیل گاڑیاں تو ایک چھوٹے شمار ہیں کیونکہ اس نگر کی بایں بیل گاڑیوں میں جنگل سے کٹی ہوئی کوئی دریا سے سرسوتی کنارے لاتے ہیں پراس طوفانی بادشہ میں کیا خبر کوئی سفر کرنے کی حامی بھرنا ہے یا نہیں۔ پرتم جاؤ گے کس طرف میری منزل

اس کے خدا، اس کے رسول، اس کے مذہب اور اس کی ملت کا مضحکہ اڑایا ہے۔ تو نے اُسے خریدنا چاہا۔ تو نے اس کے احسانات کی قیمت چکانے کی کوشش کی۔ تو نے اُس کے سامنے اپنے دھرم کا ناش کر دیا ہے۔ کیا تو سمجھتی ہے ہمارا دھرم انسانوں سے نفرت کر کا سب دیتا ہے رتنا! کاش میں تیرا بھائی نہ ہوتا، کاش! تو میری بہن نہ ہوتی۔ آہ تو نے اپنے ساتھ مجھے بھی حماد کی لگا ہوں میں ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ میں اب کیسے اس کا سامنا کر دوں؟

یشیال کی آواز ڈوب گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔ رتنا اپنی کھاٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اور اپنا سر بارہ دونوں گھٹنوں میں چھپا کر وہ سک سک کر رونے لگی تھی۔ باہر بھی تک موسلا دھار بارہ ہو رہی تھی اور کمرے کی فضا بوجھل اور سوزناک ہو گئی تھی۔

جانوروں کو چادہ ڈالنے سے فارغ ہو کر حماد کمرے سے باہر آیا۔ اس نے دیکھا باہر اسی طرح موسلا دھار ہو رہی تھی اور آگن میں پانی ہی پانی جمع ہو رہا تھا۔ رسوتی سے دھواں اُڑ رہا تھا اور وہاں سیوارام اور دینا بیٹھے ہوئے تھے۔ شاید دونوں مل کر کھانا تیار کر رہے ہوں۔ حماد یشیال کے کمرے میں داخل ہوا اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔ کیسے پریشاں حماد کو کمرے میں آنا دیکھ کر رتنا فوراً سنبھل گئی تھی۔ یشیال نے بڑے پیار سے حماد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ جب تک تم جیسا ہمدرد و شفقت ساتھی میرے ساتھ رہو گے دینا بھر کی گھنٹیاں میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ پھر یشیال نے حماد کا ہاتھ دباتے ہوئے حماد باتم اگر بڑا نہ لائو تو ایک بات کہوں۔ حماد اس کے قریب ہی اس کی کھاٹ پر بیٹھ بولا۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

یشیال نے لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔ یہ بات میں کل ہی کہہ دینا چاہتا تھا لیکن تمہاری تھکاوٹ کا خیال کر کے خاموش رہا۔ سنو حماد!۔ راجہ رستے پھوڑا کے آؤ کی ایک نہیں کئی ٹولیاں ہماری تلاش اور ڈھنڈیل میں لگی ہوئی ہیں۔ جن میں سے ہم صرف ایک ہی جتنے کو ختم کیا ہے ان جیسے سینکڑوں لوگ ہماری تلاش میں ہیں۔ یہ بادشہ کل کی شروع ہے لکھی ہے یہ بھڑکی کی صورت اختیار کر گئی ہے اور کئی روز تک لکھی رہے گی۔ میرے بھگوان کی کرپا اپنے رب کی نعمت جانو کہ اس کی وجہ سے ہمیں شانتی اور امن کے

قصہ جیم سین ہے اگر ہمارے جانے کے بعد ہمارا کوئی دشمن یہاں آکر تم لوگوں سے ہمارے متعلق پوچھے تو اسے کہنا ہم نگر کوٹ کی طرف گئے ہیں۔ اس کی تم چنتا نہ کرو یہ تو میں سنبھال لوں گا۔
پرتقم ایسے موسم میں

دینا نے سیوارام کی بات اچکتے ہوئے گھبراہٹ اور الجھن میں کہا۔ حماد بھٹیا۔ اس برساتی موسم میں جیم سین کی طرف سفر نہ کرنا۔ حماد نے چونک کر پوچھا کیا راستے میں کوئی خطرہ ہے۔ دینا نے گھبراہٹ میں کہا۔ ہاں بھٹیا۔ بہت برا خطرہ ہے جیم سین کی طرف جانے کے دوران اسے پہاڑوں کے اندر طویل چکر کاٹ کر آپ کو جیم سین جانا پڑے گا۔ اور ان چکر میں آپ کی مسافت چھ کوس ہو جائے گی اور پھر یہ راستہ انتہائی تیرے۔ بارشوں کے موسم میں راستے کے اندر جگہ جگہ دھانیں بن جاتی ہیں اور بیل گاڑی کا وہاں سے گزرنے مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا ہے۔

دوسرا راستہ دینا کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ جانا ہے۔ کچھ دور نیچے جا کر ویا پر بکھڑی کا ایک پل آتا ہے اور اسے پار کر کے جیم سین آ جاتا ہے۔ اس راستے مسافت بمشکل تین کوس بنتی ہوگی لیکن یہ راستہ عرصہ ہوا بند ہے اور کوئی بھی ادھر سے گزرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ حماد نے غور سے دینا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کس لحاظ سے خطرناک ہے۔

دینا نے سہمے سہمے لہجے میں کہا۔ اس کے متعلق باپو آپ کو بتائیں گے۔ حماد نے سیوارام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بتائیے یہ راستہ کبوں خطرناک ہے۔ سیوارام کہیں ڈوبتے ہوئے بہت دور سے بولا۔ یہ ایک پرانی اور ہولناک داستان ہے۔ تم کہو میں سننا پسند کر دوں گا۔ سیوارام نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

سنو اکتی برس پیچھے کی بات ہے۔ ہمارے بستی کے جنوب اور دریائی ڈھلان جانب پہاڑ کے اوپر ایک بہت بڑا مندر ہے۔ جواب بھی اسی طرح کھڑا ہے۔ اس مندر کے قریب ہی ایک بہت بڑی بستی ہو کر تھی جس کا نام متھلا تھا۔ وہاں ایک جہان برہمن

بہتا تھا جس کا نام منوہر لال تھا وہی منوہر متھلا کی ایک کہنا لڑکی پسند کرنے لگا اور اس سے شادی کرنا چاہی پر وہ لڑکی بڑی حسین اور خود سر تھی اس نے برہمن کی تہمت اور محبت کا جواب بڑی حقارت اور نفرت سے دیا اور اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی روز سے برہمن اس مندر کے عقبی جنگل میں چلا گیا اور تپسیا کے علاوہ لوگ اور تپ کرنے لگا۔ جھگو ان کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ برہمن اسی جنگل کے اندر مر گیا اور اپنے دوسرے جنم میں شیر کا روپ دھار لیا۔ پھر اس نے متھلا والوں سے انتقام لینا شروع کیا اور بستی پر حملے شروع کر دیئے۔ کوئی انسان کوئی جانور اس کے حملوں سے محفوظ نہ رہا ہے۔

سنا ہے وہ متھلا سے ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کو اٹھا کر لے گیا اور جنگل میں لجا کر اس لڑکی کو مار دیا۔ وہ لڑکی اس برہمن کی ٹمکتی سے اپنے دوسرے جنم میں شیر بن گئی اور اس کے ساتھ رہنے لگی۔ شیر کے حملوں سے متھلا کی بستی ایسی اجڑ چکی کہ لوگ اپنے اپنے مکانات کا ملبہ لیکر دریا تے سرسوتی کے اس پار چلے گئے اور ایک نئی بستی آباد کر لی۔ وہاں مندر کے پاس اب اس بستی کے کھنڈرات ہی رہ گئے ہیں اور کوئی بھی انسان اس طرف جانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ وہ شیر اور شیرنی دونوں مل کر۔ اب اس ویران اور قدیم مندر کے اندر رہتے ہیں اور دریا کے کنارے کھارے جو راستہ دریا کے بہاؤ کے ساتھ نیچے کی طرف جاتا ہے۔ وہاں سے کسی کو گزرنے نہیں دیتے۔

حماد نے طنزاً مسکراتے ہوئے کہا تم بھی اس پر یقین رکھتے ہو کہ وہ برہمن دوسرے جنم میں شیر بن گیا اور اس نے متھلا کو ویران کر دیا۔ سیوارام نے جھوٹے پن سے کہا۔ نہ ماننے کی کیا بات ہے ہمارا جیہ تو ہندو دھرم کا اعتقاد ہے کہ ہر منٹش مرگ کے بعد پھر جنم لیتا ہے اور ————— حماد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میرا مذہب اس کی نفی کرتا ہے۔ کوئی انسان دوسرا جنم نہیں لیتا۔ وہ شیر پنڈت منوہر لال نہیں۔ اور نہ وہ شیرنی کوئی عورت ہے کہ دونوں نے جنم بدل لیا ہے۔ وہ دونوں جنگل کے عام دندے ہیں اور کسی وجہ سے انہوں نے بستی کو ویران کر دیا ہو گا۔ ہو سکتا اس بستی کے کسی فرد نے ان کے بچے اٹھالیے ہوں یا انہیں مار دیا ہو اور اس نرا دہ نے بستی سے اپنے بچوں کا انتقام لیا ہو

آپ کو لینے آیا ہوں۔ رات میں نے اپنے گھر تہارا ڈاکر کیا تھا میرے گھر والے سب بھند ہیں کہ تمہیں ساتھ لے کر آؤں۔

دینا نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ ویدجی! بھوجن تیار ہے۔ کھالیں پھر بیشک انہیں اپنے ساتھ لجا لیں۔ البکر نے زور دیتے ہوئے کہا۔ پر وہاں بھی ان کا انتظار کھانے پر ہی ہو رہا ہوگا۔ دینا نے انکار کر دیا۔ نہیں ویدجی! اب تو بھوجن یہیں ہرگا آپ بھی کھا کر جائیں گے۔ میں ابھی لاتی ہوں دیر نہیں کر دوں گی۔

دینا بانہر نکل گئی۔ جلدی میں وہ لوٹی اور سب کے سامنے کھانا رکھ دیا۔ حماد، البکر، سید ارام اوریشال مل کر کھانے لگے۔ البکر نے رتنا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس بلیا کو بھی پوچھا ہوتا۔ آپ لوگ اس سے ایسا سلوک کر رہے ہیں گویا اس سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ قبل اس کے کوئی بولتا ریشال نے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے طنز اُکھا۔ اس نے مون دھامن (دنبولنے کی قسم) کر رکھا ہے۔ یہ اب اپنی منزل پر جا کر ہی اپنی زبان کھولے گی۔ سب خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے۔

جب دینا خالی برتن اٹھا کر لے گئی تو حماد نے البکر سے کہا۔ میں آپ کو ایک تکلیف بھی دینا چاہتا۔ البکر نے مسکراتے لہجے میں کہا۔ تمہاری طرف سے تکلیف بھی میرے لیے ایک عظیم سعادت ہوگی کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ کسی سے بات کر کے ہمارے لیے ایک بیل گاڑی کا انتظام کر دیکھتے۔ میرے سانھی آج شام کے بعد یہاں سے کوچ کرنے پر پربھید ہیں اور پھر ان کے حالات ہی ایسے ہیں کہ انہیں واقعی اس طوفانی بادش کی اڑھ میں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ البکر نے حماد کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ بیل گاڑی والے تو ایک چھوڑ پھٹی تیار ہو جائیں گے اس کا تم اندیشہ نہ کرو۔ حماد نے تسلی کر لینے کے انداز میں کہا۔ بیل گاڑی والا کوئی ایسا ہو جو آپ کے اعتبار والا ہو جو کسی کے پوچھنے پر یہ کہہ سکے کہ ہم قصبہ جیم سین کے بجائے نگر کوٹ کی طرف گئے ہیں۔

البکر اپنی جگہ سے اٹھتا ہوا بولا۔ تم اٹھو میرے ساتھ چلو۔ میری نظر میں ایک نہایت قابل اعتماد گاڑی بان ہے۔ چلو تم خود ہی اس سے چل کر بات کر لو۔ مجھے امید ہے اس

بہر حال وہ شیر بندت منور لال نہیں ہے۔ یہ میرے مذہب کی ضد ہے اور میں اسے ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ پہلے میں نے اسے ماننے نہیں جانا تھا تو اب ضرور اسی رات سے جاؤں گا۔ اگر ہم سلامت گزر گئے تو لوگوں کا یہ اعتقاد ختم ہو جائے اور اگر اس شیر بان شیرنی نے مجھ پر حملہ کیا تو میں انہیں باز کر یہ ثابت کروں گا کہ وہ جنگل کے عام جانور ہیں۔ اس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو لوگوں نے اپنے دل میں جو غلط اعتقاد بٹھا رکھا ہے وہ اٹھ جائے گا۔ دوسرے یہاں کے لوگوں پر میرے مذہب کی سچائی ظاہر ہو جائے گی۔ بس تم مجھ پر ایک مہربانی کرو۔ اپنی بستی کے کسی آدمی سے بات کر کے میرے لیے ایک سیل گاڑی کا انتظام کر دو۔

سید ارام کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ مکان کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی سید ارام اٹھتا ہوا بولا۔ میں دیکھوں تو ترکے ترکے کون اُگیا ہے۔ حماد بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ سید ارام نے جب دروازہ کھولا تو سامنے بڑھا البکر کھڑا تھا۔ سید ارام نے بڑی خوش طبعی سے کہا۔ آئیے آئیے ویدجی! البکر حماد کی طرف بڑھا اور اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ کل آپ سے ملاقات کے دوران میں آپ سے اس قدر متاثر ہوا کہ رات مجھے نیند ہی نہیں آئی۔ سوچتا رہا کہ صبح ہوگی اور آپ جیسے باجبروت فرزند سے ملوں گا۔ میں اپنا دوائیوں کا تھیلہ بھی اٹھا لایا ہوں۔ سوچا نہیں ملنے کے ساتھ ساتھ تمہارے سانھی کی پٹی بھی بدل دوں گا۔ کیا وہ بیدار ہو چکا ہے۔

حماد نے ریشال کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ آئیے میرے ساتھ کافی دیر ہوئی وہ بیدار ہو چکا ہے۔ البکر حماد کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا۔ رتنا اپنی کھاٹ پر ہی بیٹھی رہی۔ البکر کو دیکھتے ہی ریشال نے اپنا سر اُپر اٹھا کر اسے پرنا م کیا اور بڑی ہمدردی اور دردمندی سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ البکر نے پرانی بلیاں کھول کر زخموں کو پھر مختلف رنگ کے سفوفوں سے دھویا اور دوبارہ اس نے زخموں میں مرہم بھر کر بلیاں باندھ دی تھیں۔ اتنی دیر تک دینا بھی رسوئی سے وہاں اگر کھڑی ہو گئی تھی۔ البکر نے اپنا تھیلہ سمبھالا اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ میرے ساتھ چلتے ہیں

اس کے زخموں کا علاج میں ہی کر رہا ہوں۔ اس زخمی کی وجہ سے انہیں بیل گاڑی میں جانا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ بارش میں سفر کرتے ہوئے اس کے زخم خراب ہو جائیں گے اسماعیل نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ ویدجی! یہ ہمارے مسلمان بھائی ہو کر قصبہ جھیمین تو کیا ہستنا پور (دہلی) کہیں تب بھی میں انہیں وہاں پہنچا کر آؤں۔ حماد نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ اگر میں تمہیں بیل گاڑی دریا تے سرسوتی کے اس کنارے کے ساتھ ساتھ نیچے کی طرف لیجانے کو کہوں تو انکار تو نہ کر دو گے۔

اسماعیل ہم گیا اور کسی قدر بدکلاتے ہوئے کہا اس قدیم پرانے اور آسیب زدہ مندر کے راستے جہاں سے کوئی بچ کر نہیں جاسکتا؟۔۔۔ حماد نے اس کے جذبہ ایمانی کو ابھارتے ہوئے کہا کیا ہندوؤں کی طرح تمہارا بھی یہی اعتقاد ہے کہ اس مندر میں جو شیر رہتا ہے۔ وہ پنڈت منہر لال ہے جس نے دوسرا جہنم لیا ہے۔ کیا تم مسلمان ہو کر ایسے گمراہ کرنے والے اعتقادات کا ٹکڑا ہو۔ اسماعیل نے اپنی گردن کو نفی میں زور سے ہلاتے ہوئے کہا۔ نہیں نہیں میرے مذہب میں ایسے بے نہاد عقیدوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے حماد نے آگے بڑھ کر اسماعیل کے شانے پر پیار سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ تو سنو! میں اسی راستے جا کر ہندوؤں کے اس اعتقاد کو غلط ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ہم سلامتی کے ساتھ گزر گئے تو بھی ان کے اس عقیدہ کو ٹھیس آئے گی اور سنو اسماعیل اگر اس نر مادہ شیر نے ہم پر حملہ کیا تو میں نہیں یقین دلاتا ہوں۔ میں انہیں تم یا تمہارے بیلوں کو نقصان پہنچانے سے قبل ہی ختم کر دوں گا۔ اسماعیل نے اپنی چھاتی کو ابھارتے ہوئے کہا۔ آپ بے فکر رہیں میں آپ کے ساتھ مل کر ہندوؤں کے اس عقیدہ پر کاروی ضرب لگاؤں گا۔ میں آپ کے ساتھ اس مندر کے راستے ضرور جاؤں گا۔

حماد اب مطمئن دکھائی دے رہا تھا اس نے اسماعیل سے پوچھا کیا تمہاری گاڑی کا پچھلا حصہ چھت دار ہے۔ اسماعیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ بے فکر رہیں میں ایسا انتظام کروں گا کہ بارش کا پانی اندر نہ آ سکے گا۔ اس بار ابوبکر نے اسماعیل سے کہا۔ تو پھر آج شام مغرب کی نماز کے بعد اپنی گاڑی یکسر سوارام کے گھر آ جانا۔ اسماعیل نے سوچنے کے انداز

سے مل کر تم خوش ہو گے۔ حماد بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور دونوں موسلا دھار بارش میں باہر نکل گئے۔ ابوبکر بارش سے بچنے کے لیے جو کپڑے کی چادر اوڑھ کر آیا تھا اب اس نے حماد کو بارش سے بچانے کے لیے اس چادر کا آدھا حصہ حماد پر ڈال دیا تھا۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے اس گلی میں آگے بڑھنے لگے جو بازار کی طرف جاتی تھی۔

ایک محلے میں داخل ہوتے ہوئے ابوبکر نے حماد سے کہا یہ سارا محلہ مسلمانوں کا ہے اور جس گلی میں اس وقت ہم جا رہے اس سے بائیں طرف کی گلی میں میرا گھر ہے۔ حماد نے بڑی جستجو سے پوچھا اس بستی میں مسلمانوں کے کتنے گھر ہوں گے۔ ابوبکر نے بڑے فخر سے کہا۔ کافی گھر ہیں۔ کیا مسلمان ہونے سے قبل۔۔۔ ابوبکر نے اس کی بات اچکتے ہوئے کہا ہم سب شہر درختے۔ محمود غزنوی کے طوفانی حملوں کے دوران مسلمان گھروں کے آباد اجداد مسلمان ہو گئے تھے۔ اب تو اس بستی میں ہمارے ہم مذہبوں کی تعداد کافی ہو گئی ہے۔

حماد جواب میں کچھ کہنے والا تھا کہ ابوبکر ایک گھر کے سامنے رک گیا اور دروازے پر دستک دیتے ہوئے اُدھی آواز میں پکارنے لگا۔ اسماعیل! اسماعیل! تھوڑی دیر بعد ایک خوب قد اور ادھر کھیل جوان نے دروازہ کھولا وہ بدن پر چوٹی کے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور سر پر پگڈنڈی بھی چوٹی ہی کی تھی۔ ابوبکر کو دیکھتے ہی اس نے بڑی عورت و احترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ویدجی! آپ باہر کیوں رک گئے۔ اندر آئیے نا۔ چہم اس نے حماد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟

ابوبکر نے حماد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ہاں ان سے ملو۔ یہ مسلمان اور چالے مذہبی بھائی ہیں۔ ان کا نام حماد ہے۔ اور کسی اہم کام کے سلسلے میں ینیشاپور سے آئے ہیں یاد رکھو یہ اہم کام ایسا ہے جس میں تیری میری اور ان کی ملت و مذہب کی بہتری اور بھلائی بھی ہے۔ تمہیں آج راتورات انہیں اپنی بیل گاڑی میں قصبہ جھیمین پہنچانا ہے۔ اگر یہ اکیلے ہوتے تو اب تک اپنے گھوڑے پر کوچ کر چکے ہوتے لیکن ان کے ساتھ ان کے دو ساتھی بھی ہیں جن میں ایک لڑکی اور ایک مرد ہے۔ مرد بڑی طرح زخمی ہے

میں کہا۔ کون سیو ارام؟ کیا وہی بوڑھا تو نہیں جس کی پوتی دنیا ہم مسلمانوں کے گھروں میں کام کرتی ہے۔ ابوبکر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائے ہوئے کہا۔ ہاں وہی وہی ہمیں اب اجازت دے ہم چلتے ہیں۔ میں انہیں اپنے گھر لے جا رہا ہوں ورنہ ہم تمہارے ہاں ضرور بیٹھتے۔ ابوبکر اور حماد نے اسمعیل سے مصافحہ کیا۔ اور دونوں آگے بڑھ گئے۔

ابوبکر نے جب بائیں طرف گلی کا موڑ مڑا تو حماد نے پوچھا۔ کیا دنیا لوگوں کے گھر میں کام کرتی ہے؟ ابوبکر نے بڑی ہمدردی سے کہا۔ ہاں اس بچہ کی کا کوئی کمانے والا نہیں اس لیے وہ ہم مسلمانوں کے گھروں میں صفائی کا کام کر کے اپنا اور اپنے باپ کا پیٹ پالتی ہے۔ حماد اس انکشاف پر بے حد مسکایا تھا۔ پھر اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ میں یہاں ایک چیز یہ بھی محسوس کی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی زبان اور بولی میں کچھ فرق ہے۔ ابوبکر نے خوش ہو کر کہا تمہارا انداز درست ہے۔ اصل میں ہمارے اباؤ اجداد نے ترکوں کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا وہ کچھ عرصہ ہمارے خاندانوں میں رہے اس لیے ہماری بول چال ان سے متاثر چلی آرہی ہے۔

حماد اور کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ ابوبکر اپنے گھر کے دروازے پر دستک دینے لگا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک نوجوان نے دروازہ کھولا اور ابوبکر حماد کو لے کر اندر داخل ہوا وہ ایک کمرہ تھا جس کا دروازہ کھلا تھا اور اپنی ہیئت کے اعتبار سے دیوان خانہ لگتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نوجوان اور اندر آگئے اور ابوبکر نے حماد کا ان سے تعارف کراتے ہوئے کہا یہ سب میرے بیٹے ہیں پھر وہ سب اکٹھے دیوان خانے میں بیٹھ گئے اور دل کر اپنے مذہب پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

مغرب کی نماز کے بعد اسمعیل نے اپنے گھر سے اپنی بیل گاڑی نکالی۔ خود وہ اس طرح آراستہ ہوا تھا گویا بیل گاڑی ہانکنے کے بجائے وہ کسی جنگی رتھ پر بیٹھ کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا ہو۔ اس نے اپنے جسم پر زہر پہن رکھی تھی۔ اس کی تلوار اور ڈھال اس کے دائیں طرف پڑی تھیں اور سر پر اس نے چمکتا ہوا خود پہن رکھا تھا۔ وہ گاڑی میں جتے ہوئے اپنے ناگوری بیلوں کو ہانکتا ہوا۔

سیوارام کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ بارش اب بھی جاری تھی جس کی وجہ سے سرشام ہی فضاؤں میں گہری تاریکی چھا گئی تھی۔ لوگ سویرے سویرے بارش اور سردی کی تیز لہر کی وجہ سے اپنے اپنے گھروں کے اندر دھب گئے تھے۔ اسمعیل جب کبھی کبھی اپنے بیلوں کو چھڑی چھوٹا تا تو بڑے بڑے سنگوں والے دونوں ناگوری بیل اپنی دم کو اڑھڑا دھراتے اور سر کو دائیں بائیں جھلاتے ہوئے اپنی رفتار تیز کر دیتے تھے۔

سیوارام کے گھر کے سامنے اسمعیل نے بیل گاڑی روک دی۔ تیزی سے برستے مینہ میں چڑے کی چادر اپنے اوپر لیے وہ نیچے اترا اور آگے بڑھ کر اس نے سیوارام کے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد سیوارام نے دروازہ کھولا۔ اسمعیل نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ کیوں بالو! یہاں سے کوچ کرنے والے مہمان تیار ہیں۔ انہیں میرے آنے کی اطلاع کر دو۔

سیوارام نے دروازے کے دونوں پٹ کھولتے ہوئے کہا۔ مہمان تو تیار ہیں۔ پر اندر آکر بیٹھ تو جاؤ۔ اسماعیل اندر داخل ہوا اور سیوارام کے ساتھ اس کمرے میں آیا جہاں لٹا پڑا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا بوڑھا مسلمان طبیب ابوبکر بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اسماعیل نے بڑھ کر حماد اور ابوبکر سے مصافحہ کیا اور ان کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے اس نے حماد کو پوچھا۔ آپ کب تک کوچ کریں گے۔ حماد نے لیشال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ہم تو یہاں ہیں۔ اسماعیل کھڑا ہو گیا۔ تو پھر چلیں وقت کیوں ضائع کریں۔

حماد کھڑا ہو گیا۔ اسماعیل نے دیکھا حماد بھی بہترین جنگی لباس پہنے ہوئے تھا۔ ٹاٹ کی عبا کے نیچے اس نے ایک موٹی، بھاری اور چمکتی ہوئی کمر لیل کی زدہ پہن رکھی تھی۔ اس کے بازوؤں پر کہنوں تک لوہے کے مضبوط جوڑن۔ دونوں کندھوں پر آہنی شانہ بند۔ سر پر خود ہونے کے علاوہ کمر سے اس کی بھاری اور خمدار خوب لٹی تلوار لٹک رہی تھی۔ سب سے پہلے رتنا اور دینا نے مل کر گاڑی کے اندر لیشال کا بستر لگایا۔ پھر لیشال کو اٹھا لایا اور بیل گاڑی میں بستر پر لٹا کر اسے اس کا بھاری لحاف اوڑھا دیا۔ اتنے دیر تک سیوارام اور اسماعیل ان تینوں کے گھوڑے اندر سے کھول لاتے تھے اور انہیں بیل گاڑی کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ رتنا بھی گاڑی میں سوار ہو کر اپنے بھائی کے پاؤں بیٹھ گئی تھی۔

ابوبکر گاڑی کے پاس آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں تین لمبی مشعلیں بکڑ رکھی تھیں۔ حماد نے اپنے گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا اپنا بھاری جنگی گرز لکھاڑا اور ڈھال تینوں چیزیں کھول کر اسماعیل کو تھماتے ہوئے کہا۔ انہیں اپنے پاس گاڑی کے اگلے حصے میں رکھ لو۔ اسماعیل تینوں چیزیں سنبھال کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ کی خیمہ ناچھت موٹے چمڑے کی تھی اور چاروں طرف سے وہ ویسے ہی موٹے چمڑے کے پردوں سے بند تھی جس کی وجہ سے بادش کا پانی اندر نہ جاسکتا تھا۔ گاڑی کے اگلے حصے میں تدریجی ڈھلوان کا ایک چھج بنا تھا جس کے نیچے گاڑی بان بارش سے محفوظ کر سیلوں کو ہانک سکتا تھا۔ ابوبکر اسماعیل کے پاس آیا اور تینوں مشعلیں اسے تھماتے ہوئے

کہا۔ بستی چھوڑنے کے بعد ان میں سے ایک مشعل کو روشن کر لیا اور فرائض تندہی سے انجام دینا۔ اسماعیل نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ ویدجی! آپ کوئی چٹنا نہ کریں۔ رب کی مہربانی سے میں انہیں کوئی دکھ تکلیف نہ ہونے دوں گا۔

ابوبکر حماد کے پاس آکر اسے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس دوران دینا روتی ہوئی حماد کی طرف بڑھی اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ بھیا! میں ایک بیچ لڑکی ہوں آپ نے بہن کہہ کر مجھے عزت دی ہے۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے آپ پہلے شخص ہیں جس نے مجھے بہن کہہ کر پکارا ہے۔ کیا میں امید رکھوں میرا بھائی پھر بھی اپنی اس بے آسرا بہن سے ملنے آتے گا

حماد آگے بڑھا اور دینا کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے گلوگیر آواز میں کہا دینا! دینا! جس طرح تمہارا کوئی بھائی نہیں۔ اس طرح میری کوئی بہن نہیں ہیں وعدہ کرتا ہوں میں اپنی بہن سے ملتا رہوں گا۔ پھر حماد اچانک مڑا اور بیل گاڑی کا پچھلا پردہ اٹھا کر اسے لیشال کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

یشال تمہارے جن چار دھنوں کو میں نے قتل کیا تھا ان چاروں کے گھوڑے میں نے بیچ دیتے۔ گوان گھوڑوں پر میرا حق تھا کیونکہ ان کے مالک میرے ہی ہاتھوں ختم ہوتے تھے اس کے باوجود میں تم سے اجازت طلب کرتا ہوں کہ کیا وہ رقم جو مجھے ان گھوڑوں کو فروخت کرنے سے حاصل ہوئی ہے وہ میں کسی نیک کام پر خرچ کر سکتا ہوں۔ لیشال نے اپنا سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ حماد تم مجھ سے اجازت طلب کر کے مجھے شرمندہ کر رہے ہو ان گھوڑوں کے ساتھ ساتھ تم میرا اور رتنا کا گھوڑا بھی بیچ کر رقم اپنی جان پر خرچ لیتے تو بھگوان کی برگزد میرے من کو شانتی پر اپیت ہوتی۔

حماد مڑ کر پھر دینا کے پاس آیا۔ اپنے لباس کے اندر سے اس نے نقدی کی ایک بڑی خیملی نکالی اور اسے دینا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ یہ رکھ لو میری بہن! بڑے وقت میں یہ رقم تمہارے کام آئے گی۔ دینا پیچھے ہٹتے ہوئے بولی نہیں بھیا! میں نزلوں گی۔ حماد پھر آگے بڑھتا ہوا بولا بہنیں بھائیوں کی بات نہیں ٹالیں۔ میرے پاس اور بھی نقدی

ہے۔ یہ میں تمہیں اپنے اخراجات سے فالتو نکال کر دے رہا ہوں۔ اگر تم نے نہ جانوں گا۔ تم مجھے اس قابل نہیں سمجھتی کہ اپنا بھتیجا بناؤ۔

دینا نے فوراً آگے بڑھ کر تھیلی لے کر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا ایسی کوئی بار بھتیجا۔ حماد نے پھر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میری غیر موجودگی میں اگر تجھے اپنے او کے اخراجات کے لیے رقم کی ضرورت ہو تو۔ ابو بکر یا اسماعیل سے قرض کے طور پر کرنا۔ میں جب آیا تو ان کا قرض اُتار دیا کرونگا۔ قبل اس کے دینا کچھ کہتی بوڑھا ادا سیدو رام اپنی ڈبڈبائی آنکھوں سے گلوگیر آوازیں بولا۔ مہاراج اتم منٹ نہیں ادا کرنا۔ کاش۔ سیدو رام اپنی اکھڑتی ہوئی آواز پر قابو نہ پاسکا اور الفاظ اس کے حلق پر ڈوب کر رہ گئے۔ حماد نے ابو بکر سے مصافحہ کیا اور اسماعیل کے ساتھ بھگی میں سوا رہا اسماعیل نے سیلوں کو ہانک دیا تھا۔ سیدو رام نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ کیسے بھاگوا پتا ہوں گے وہ جن کا یہ بھگتی (نیک) اور مہاراج (دراقت ور) بیٹا ہے۔ سیل گا اندھیرے اور بادش میں جلد ہی آنکھوں سے اوچل ہو گئی۔ دینا سکیاں لیتی ہوئی کے اندر چلی گئی۔ بوڑھے سیدو رام نے بھی اپنی صافی کے پلو سے اپنی آنکھیں خشک کیں گی گردن جھک گئی تھی۔ وہ بھی مڑا اور گھر کا دروازہ بند کر کے بوچھل بوچھل قدموں کے رسوئی کی طرف بڑھنے لگا۔ جہاں دینا بیٹھی سسک سسک کر رو رہی تھی۔ ایک ایسا انسان کے ساتھ ان کا کوئی دھرم رشتہ بھی نہ تھا وہ اس کے اخلاق سے متاثر ہو کر اس کی پر بد حال ہو رہے تھے۔

سے سیلوں کو گاڑی کھینچتے ہوئے دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

ایک میل کا سفر کرنے کے بعد جنوب کی طرف جانے والا وہ پتھر ملا راستہ جس پر سیل جی جا رہی تھی دے دیا تے سرسوتی سے دوڑھٹتا ہوا گھنے جنگل میں داخل ہونا جا رہا تھا۔ جا رہی تھا۔ اسماعیل نے ایک ہاتھ میں شعل اور دوسرے میں اپنے سیلوں کی رسیاں رکھی تھی اور وقت گزرنے کی خاطر وہ حماد سے ادھر ادھر کے سوال کرتا جا رہا تھا۔ گاڑی کے اندریشال اور دتنا بھی دونوں بہن بھائی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ سردی بچنے کے لیے رتنانے لحاف اوڑھ رکھا تھا اور بڑے آرام سے وہیشال کے سر قریب بیٹھی ہوئی تھی۔

اسمیل نے سیلوں کی رفتار تیز کر دی تھی۔ اب وہ اس گھنے جنگل میں سے گزر رہے ہیں جس کے باتیں ہاتھ ایک پہاڑ کے اوپر وہ پرانا آسیب زدہ مندر تھا اور اس پہاڑ کی تلہی میں بستی کے کھنڈرات تھے جس کا نام مٹھلا تھا اور جو تباہ ہو گئی تھی۔ مندر کے نیچے سے مڈرات کے ساتھ ساتھ گزرتے ہوئے حماد نے اسماعیل کو مخاطب کرتے ہوئے تادیبی ڈوبے اس بوسیدہ مندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تو یہ ہے وہ مندر جو آسیب بکریاں کے ہندوؤں اور کھڑدہ عقیدہ لوگوں کے ذہنوں پر سوا رہے۔ مندر کے پاس سے گزرنے کے بعد اب دونوں جانب گھنا جنگل شروع ہو گیا تھا اور سیل بڑی تیزی سے باسفر طے کرتے جا رہے تھے۔ حماد نے مسکرا کر اسماعیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میں نے تو اس سفر کو موت زندگی کا سفر جانا تھا۔ کہاں ہے وہ اس بہت کی روح جس کیوجہ سے یہ راستہ طاعون زدہ راہوں کی طرح دیوان اور اداں ہو گیا ہے۔ اسماعیل نے کوئی جواب دیا اور وہ حماد کی طرف دیکھتے ہوئے صرف لطف و محبت سے مسکرا کر رہ گیا۔

گھنے جنگل کے اندر انہوں نے ایک میل کی اور سافت طے کی ہوگی کہ سیل خود بخود مگنے۔ حماد نے پریشان ہو کر پوچھا۔ اسماعیل اتم نے سیل کیوں روک دیتے۔ اسماعیل نے بوکھلائی ہوئی آوازیں کہا۔ سیل میں نے نہیں روکے۔ یہ خود ہی ٹرک گئے ہیں۔ پھر اسمیل نے بکھرے ہوئے لہجے میں کہا۔ حماد بھائی میرا دل کہتا ہے کچھ ہونے والا ہے۔

بستی سے باہر نکل کر اسماعیل سیل گاڑی کو دیا تے سرسوتی کے کنارے لایا۔ پھر اس نے رخ باتیں طرف موڑا اور دریا کے کنارے کنارے جنوب کی طرف بڑھنے اسماعیل کے پہلو سے پہلو ملا کر حماد بیٹھا ہوا تھا۔ دریا کے کنارے آکر اسماعیل نے شے روشن کر لی تھی۔ موسلا دھار بارش سے جگہ جگہ پانی کھڑا تھا لیکن راستہ پتھر ملا ہونے

حماد نے اپنی تلوار کھینچ لی تھی اور دوسرے ہاتھ میں وہ اپنی لمبی اور مضبوط ڈھال بٹھا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اتنی دیر میں گاڑی کے اندر سے لٹپل کی آواز سنائی دی۔ حماد اچھا دیکھا بیل رُک کیوں گئے ہیں لیکن حماد یا اسماعیل میں سے کسی نے بھی اس کی بات کا جواب نہ دیا اسی وقت رتنانے چمڑے کے پردے کے اندر سے اپنا سر باہر نکالتے ہوئے حماد سے پوچھا کیا ہوا بیل رُک کیوں گئے ہیں۔

حماد نے نسل دینے کے انداز میں کہا۔ ابھی کچھ پتہ نہیں چل رہا بیل خود ہی رُک گئے ہیں۔ اسماعیل مشعل لے کر آگے بڑھا اپنے بیلوں کی پیٹھ پر سے ہوتے ہوئے اس راہی بادی دونوں بیلوں کے کانوں کے اندر دنی حصوں کو چھوا پھر دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ ہوئے اس نے کہا۔ حماد بھاتی! یہاں قریب ہی کوئی درندہ ہے۔

حماد نے اپنی تلوار اور ڈھال پلپلی گرفت مضبوط کرتے ہوئے پوچھا۔ تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟ اسماعیل نے کچکپاتی آواز میں کہا اگر بارش میں بیل بھیگے ہوئے نہ ہوں تو میں ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر آپ کو بتا دیتا کہ کیا معاملہ ہے۔ اس لیے میں نے میلوں کے کانوں کا اندر دنی حصہ چھوا ہے۔ دونوں بیل خوف سے پسینہ پسینہ ہو چکے ہیں اور یہ کسی درندے کی لوبا کر خود خود ہی رُک گئے ہیں۔

اسماعیل کی باتیں سن کر رتنانے کے پونم کے چاند ایسے حسین و روشن چہرے پر اختر شاہ غریباں کی سی بے کسی اور بالوسی کی نقاب بکھر گئی تھی۔ اس کے شہابی اور دلکش تراش کے ہونٹ خوف و وحشت میں کچکپانے لگے تھے۔ تھوڑی دیر قبل کا اس کا عطر آگین چہرہ بوسوں کا علیل دکھائی دینے لگا تھا۔ رات کے سناٹے اور جنگل میں کسی درندے کی خبر سن کر حسین رتنانہ حشر کے طلوع و غروب کا شکار ہو گئی تھی۔ لگتا تھا جیسے جیسے وہ خوف و ہراس میں دیں بیٹھی بیٹھی شمع کی طرح گھل جاتے گی۔ اس بارہمت کر کے اس نے سر و دم اتنی جیسی آواز میں پھر حماد سے پوچھا۔ اب تم دونوں کیا کرنے لگے ہو؟ رتنانے بچہ میں یاسِ دوشت تھی اور اس وقت وہ حماد سے اپنی نفرت کو فراموش کر چکی تھی۔ حماد نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور رتنانہ خیف سی ہو کر رہ گئی تھی۔

اسمان پر پردہ برق اور زمین پر مینہ کا طوفان اپنی پوری ہوس کے ساتھ بچھ گئے تھے۔ لی میں سے گزرتا ہوا وہ ناہموار راستہ کسی کاروانِ رفتہ کی داستان کی طرح چپ اور اداس ایسا بان میں بارش کی شدت سے ندیاں پھوٹ پڑی تھیں۔ رات کے فرش پر نرم و ہواؤں کی بساط کچھ گئی تھی جنگل یوں خاموش اور پرسکوت تھا۔ جیسے مشیرانِ خدا سے درگاہِ کائنات میں اسقاطِ و اضافات کا عمل مکمل کرنے کے بعد گہری نیند ہو گئے ہوں۔

عنه یابان کے اندر آوارہ وحشت نواؤں کا ایک مرغزلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دور کوڑھتاؤں و دامن اور ساحل دریا کی طرف بھوکے بھیڑیتے چختے چلانے لگے تھے اور جنگل کا ماحول زیادہ پر اسرار ہو گیا تھا۔ کچھ اس طرح جیسے وقتِ دعا و جنگِ آن گنت لڑاکوں نے مل نورِ بازہ طلبی بلند کر دیا ہو۔

رتنانہ پر دھبہ پریشانی کی طرح اداسی اور خاموشی سے پردہ ہٹا کر حماد کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دونوں بیل یوں بے حرکت کھڑے تھے جیسے بھیڑ اپنے بال کترنے والے کے منے بے بس کھڑی رہتی ہے۔ اسماعیل بڑا ہراساں ہو رہا تھا۔ حماد نے اپنے لبوں پر دنی اسکاٹھٹ لیے اسماعیل کو دیکھا پھر اس نے زہر لب نیم تبسم میں کہا۔ اسماعیل! اسماعیل! فرزدہ نہ ہو۔ میں نیچے اتر کر بیلوں کے آگے آگے چلتا ہوں تم مشعل کو بلند رکھو اور بیل کو میرے پیچھے پیچھے لانے کی کوشش کرو۔ یاد رکھو اسماعیل یہ تیرے میرے عزم ہی بن مذہبی اعتقاد و ایمان کا بھی امتحان ہے۔ سمجھو! فرزدہ نہ ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں یہ ہزاری میں کوئی چیز بھی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس بارہت لٹپل نے بھی اپنا سر باہر نکالتے ہوئے کہا۔ حماد بھاتی! میں تمہاری ساری نگہوں چکا ہو گی۔ احتیاط سے نیچے اترنا۔ کاش میں زخمی نہ ہوتا اور اس موقع پر تمہارے کام آسکتا۔ حماد جب نیچے اترنے لگا تو اسماعیل نے خدا کرتے ہوئے کہا۔ میں آپ کو لایچے نہ اترنے دوں گا۔ حماد نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ جس طرح میں کہتا ہوں اس ل کر واسماعیل اسی میں ہم سب کی بہتری ہوگی۔ ہو سکتا ہے درندوں کی تعداد دو ہو۔ مطلب ہے وہ زیادہ ہوں۔ تمہارا گاڑی میں رہنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ میری

جیسے اپنے رب۔۔۔ کی اگر اس کی مادہ بھی اس کے ساتھ ہوتی تو میں دونوں کے سامنے
آ جاتا۔۔۔ کہ نہ کا فیصلہ کر رہا ہے۔ سو دیکھو میں اسے کس طرح ہلاک کرتا ہوں۔
وہ کے پڑھا اس کی چال میں زندہ عدم اور حصار حکم تھا۔ اسماعیل یوں محسوس کر رہا
تھا۔ گویا اس نے اڑھنے والا وہ عرب ان تینوں کے سامنے لایا تھا قُلُوبِی عِنْفَانِی تَنَام۔
میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے کہ کاسماں باندھ کر اپنے اعمال کے جادو، ذوق
خود آواز، اور آتش نہاں جیسی جیلہ گرمی اور چارہ سازی میں اپنے آباء کے قدیم قصص و
حکایات کی ابتدا کرنے لگا ہو۔

جادو آہستہ آہستہ شیر کی طرف بڑھتا رہا۔ افسوس گر کے عصا کی طرح یا
یا عطا۔۔۔ سے نکلی ہوتی اس روح کی مانند جو افرات فرط، معجزات اور فیاض و اشراق
کے ظہور کی قدرت رکھتی ہو۔ اسماعیل، پیشال اور تنانے دم سادھ لیے تھے۔ کیونکہ شیر
اپنی جگہ پر گھوم کر غرائے لگا تھا۔ گھوڑے بڑی طرح بدک گئے تھے اور گاڑی کے ساتھ
بندھی ہوتی اپنی لگائی میں تڑوانے کی کوشش کر رہے تھے تاہم دونوں بیل یوں مطمئن،
کھڑے تھے جیسے انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی ہوں۔

شیر اب ایک جگہ رہ کر حماد کی طرف دیکھتے ہوئے غرائے لگا تھا۔ پھر اس نے اپنا
بدن سیکڑا اور بھاگ کر حماد کے اوپر بھرت لگا کر حملہ کر دیا۔ تنانے چیخ مار کر اپنے دونوں
ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ شیر۔۔۔ حماد دونوں زمین پر گر گئے تھے۔ اسماعیل نے
شعل بلند کر کے انہیں دیکھنا چاہا لیکن اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ شیر کی ایسی غراہٹ بلند
ہو رہی تھی۔ جیسے وہ کسی کو بڑی طرح جھنجھوڑ رہا ہو۔ اسماعیل سمجھا شاید شیر نے حماد کو
اپنے نیچے گرا کر اسے جھنجھوڑنا شروع کر دیا ہے۔ لہذا اس نے تڑو سے بھاگ کر پوچھا حماد
تو اتم کہاں ہو۔ تنانے بھی اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا لیے تھے اور اس طرف دیکھنے
لگی جہاں شیر کسی چیز کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ یوں جیسے طلبت و تیرگی میں حماد اور شیر ایک دوسرے
کو کھدیرنے لگے ہوں۔

اسماعیل کی آواز پھر جنگل میں بلند ہوئی۔ حماد! حماد! بولو کہاں ہو؟ میں تمہارے

عدم موجودگی میں تم پیشال اور تنانہ کی حفاظت کر سکو۔ حماد بیل گاڑی سے نیچے اتر اس نے
ڈھال اپنے سامنے کر لی تھی۔ اور دائیں ہاتھ میں اپنی تلوار پر گرفت مضبوط کر لی تھی
بیلوں کے آگے آکر حماد نے پہلے دونوں بیلوں کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا
وہ بیلوں کے آگے آگے چلنے لگا۔ اسماعیل نے اپنے ہاتھوں میں مشعل بلند کر لی
بیلوں کو ہانک دیا۔ بیل حماد کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ بیل گاڑی ابھی بشکل میں قدم
آگے بڑھی ہوئی کہ حماد نے ایک دم اپنی پوری قوت سے چلا تے ہوئے کہا۔ اسماعیل آ
بیلوں کو روک دو۔

اسماعیل حماد کے اس طرح چلانے پر بوکھلا سا گیا۔ اس نے بیلوں کی رسیاں کھینچ
انہیں روک دیا اور مشعل کو بلند کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔ کیا چیز ہے حماد بھائی! ابھی
ابھی بولنے بھی نہ پایا تھا کہ پیشال نے بھی اپنی خوفزدہ آواز میں پھر پوچھا۔ تم نے کیا
حماد!

حماد چند قدم آگے بڑھتا ہوا بولا۔ شیر ہے۔ یہ اکیلا ہے تم فکر مت کرو۔ تنانہ
منہ سے کانپتی ہوتی آواز نکل گئی۔ ہاتے رام میں مگھی۔ پیشال نے چارہ تنانہ کو تسلی دینے
تھا۔ حماد بولا۔ اسماعیل مشعل کو ادا کر دیا اور اپنے چادروں طرف نگاہ رکھنا۔ شیر
وقت میرے سامنے ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی مادہ بھی یہیں کہیں ہو اور گھات۔
بیکل کٹم پر حملہ کرنے کی کوشش کرے۔

مشعل جب اُدھی ہوتی تو اسماعیل، پیشال اور تنانے دیکھا۔ بیل گاڑی۔
صرف چند گز کے فاصلے پر شیر سا گوان کے ایک بہت بڑے درخت کے نیچے
تھا اور بارش و تاریکی میں اس کی آنکھیں برق کے ننھے ننھے گول دائروں کی صورت
میں چمک رہی تھیں۔ بارش اور ہوا میں مشعل کی تھر تھراتی اور جھللاتی روشنی کی ننھی
لہریں شیر کا احاطہ کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ حماد کی نوبت و نقارہ جیسی گونجتی
لہر و نشان و آواز سر و ش کی طرح کو نعتی آواز جنگل کے سناٹے میں پھر بلند ہو
اسماعیل، پیشال، تنانہ اتم تینوں خوفزدہ مت ہونا۔ یہ تو اکیلا شیر ہے۔ قسم۔

متعلق پریشان ہوں۔ اگر تم نہ بولے تو میں نیچے آنے لگا ہوں۔ حماد کی قہر آواز سنا
تم گاڑی کے اوپر ہی رہو میں اتنا بچہ اور کمزور نہیں ہوں کہ یہ مجھ پر اس قدر آسانی سے
پالے گا۔

اسمعیل، بیشاپ اور تنانے دیکھا۔ حماد بیلوں کے قریب ایک طرف کھڑا
سر سے خود انکر زمین پر گر گیا تھا اور شیر اسے منہ میں لے کر جھنجھوڑ رہا تھا۔ حماد کی
سنائی دی۔ اسمعیل، بیشاپ اچھلے مکمل کر چکا ہے اب میں اس پر حملہ آور ہونے لگا
میں شیر نے حماد پر جست لگائی تھی تو اسی وقت حماد نے بھی اپنے بائیں ہاتھ ایک
لگا کر شیر پر اپنی تلوار برسانا چاہی لیکن اپنے اس داؤ میں وہ کامیاب نہ ہو سکا
اس کے سر سے خود انکر زمین پر گر گیا تھا۔

جس وقت شیر خود کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ حماد اپنی تلوار اٹھا کر اس کی طرف
نے جب حماد کو اپنے اس قدر قریب دیکھا تو اس نے اپنے جملے کی ناکامی کا
خود پر نکالتے کے بجائے پھر سنان پر حملہ کیا۔ اس نے دھاڑتے ہوئے
قوت سے اپنا دایاں پنجہ حماد کو مارا حماد نے فوراً شیر کے پنجے کو اپنی ڈھال پر لیا
اپنا منہ اس کے سر کی طرف بڑھانے لگا۔ حماد کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا۔ اس
بھاری فہم تلوار لہرائی اور پوری قوت سے شیر پر گزرائی۔ تیز آہنی تلوار شیر کی کمر پگ
کے جسم کو دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔ جنگل کے اندر ایک بار تکلیف کی
شیر کے دھاڑنے کی ہولناک آواز بلند ہوئی تھی۔ پھر گہری خاموشی اور دیر
تاہم قریبی درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے خوفزدہ ہو کر اندھیرے میں شور
وہاں سے اڑ کر دور چلے گئے تھے۔

حماد وہاں سے ہٹ کر اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ تینوں گھوڑوں
کو اپنے پاس دیکھ کر اپنی لگامیں تڑپا اور خوفزدہ ہونا بند کر دیا۔ حماد نے
کی زمین سے بندھا ہوا اپنا ناقوس کھولا۔ وہی ناقوس جسے اس نے تو ایک شہ
کا جوڑی پر کھڑے ہو کر چھوٹے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی حسن کو پکارا تھا۔

اپنا ناقوس لے کر حماد مرے ہوئے شیر کے پاس آیا اپنا بایاں پاؤں اس سے سیر
کے سر پر رکھا۔ ناقوس اپنے منہ میں لیا اور اس کا رخ آسمان کی طرف کرتے ہوئے اس
نے بڑے کمر و ناک انداز میں اپنے ناقوس کو بجایا۔ شاید یہ اس کی فحش کی کا اعلان تھا پھر
حماد نے اپنا ناقوس اپنی بغل میں دیا لیا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے
اس نے بڑی رقت و انکساری میں کہا۔ اے خداوند! اے میرے رب! تیرا نام کیسا
بزرگ ہے۔ تیرا شکر ہے تو نے مجھے اپنے مقصد میں کامیاب و سرفراز رکھا۔ اے میرے
اللہ تو اپنی تائید الہامی میں مجھے شیر بکری کو ایک کرنے کا توفیق عطا فرما۔

اپنا خود اٹھا کر حماد جب بیل گاڑی کی طرف۔ مڑا تو سوچوں میں گم اسمعیل کے اصنام
خیال ٹوٹ گئے اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بڑی شفقت سے کہا۔ اے میری
ملت کے فرزند! تیری ہیبت و شجاعت پر آفرین ہے۔ تیری جرأت لذت فروش اور
تیری شجاعت برہاں قاطع ہے تو نے اپنی زندگی کی بھرپور طرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔

حماد جب قریب آیا تو اسمعیل نے گاڑی سے چھلانگ لگا دی اور حماد سے ہنگام
ہوتے ہوئے کہا۔ حماد! حماد! تم واقعی اپنے دوستوں کے لیے نجم السحر اور اپنے دشمنوں
کے لیے ظلم کا عصا ہو تم پہلے جوان ہو جیسے میں نے اپنی زندگی میں ایسی دلیری و بہا کی
کا مظاہرہ کرتے دیکھا ہے۔ حماد جب گاڑی میں سوار ہوا تو بیشاپ نے اسے پکارا۔ حماد
حماد! ذرا اپنا ہاتھ میری طرف بڑھانا۔ حماد نے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا
تو بیشاپ نے اس کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ حماد! تم منشا نہیں آؤ تاہم، دیوتا اور مہا لہری
تم نے ہم پر احسان کا ایک آکاش باندھ دیا ہے۔ آج اگر تم ہمارے ساتھ نہ ہوتے
تو ہم دونوں بہن بھائی ہلاک ہو چکے ہوتے۔ حماد نے اپنا ہاتھ علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ تم
اتنے حساس نہ بنو بیشاپ۔ یہ میرا فرض تھا۔ اسمعیل نے بیلوں کی رسیاں سنبھال کر انہیں
ہانک دیا اور غنیا نے جنگل اور برستے مینہ میں وہ ہولناک، دھچکا تک سفر پھر شروع ہو
گیا تھا۔ گھوڑی دور آگے جا کر اسمعیل نے کہا۔ حماد! خاموش کیوں ہو گئے، کچھ کہہ
سکرتے ہوئے کہا۔ کیا کہوں۔ کوئی بات نہ کرو۔ کیا بات کروں؟ کچھ سناؤ۔ اسمعیل نے

درمندی سے کہا۔ رات جنگل اور بادش کی اس ہولناکی میں اپنی مقدس کتاب کا کوئی
ہی سناؤ۔ میں نے زلزلہ کی یہ پہلی بار ایک عرب سے ملاقات کی ہے۔ اور
قرآن مقدس سنتے ہوئے نطف آجاتے گا۔ ساتھ ہی ماحول کی اس دیرانی اور ہر
نجات بھی مل جاتے گی۔

حماد نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا پھر وہ اسمعیل کو سورہ التشریحات کا ایک
پڑھ کر مناد پڑھا۔



آدھی رات کے قریب حماد اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریا تے سرسوتی پر لکڑی
لے اس پل کو عبور کر رہا تھا جس کے ذریعے جنگل کے اندر بل بکھاتا ہوا پتھر ملا راستہ
عبدیمین کی طرف جاتا تھا۔ بیل گاڑی جب پل عبور کر چکی تو حماد نے گاڑی کا بروہ ہٹا
نراندر دیکھا۔ پیشال گہری نیند سویا ہوا تھا۔ جب کہ اس کے قریب ہی رشت موٹا
ناف اڈھ سے گاڑی کے تختوں سے ٹیک لگا کر سو چکی تھی۔ دونوں بہن بھائی کے پہرے
ایسا اطمینان تھا گویا حماد کی ہمراہی میں سفر کرتے ہوئے انہیں کسی قسم کا غم اور خدشہ نہ ہو۔
حماد نے پردہ گر دیا اور اسمعیل کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس نے سرگوشی کی
نیل اسمعیل! کیا تم عبدیمین کے بدری ناتھ کا گھر جانتے ہو؟ اسمعیل نے دلچسپی لیتے ہوئے
ہا۔ کیا وہی بدری ناتھ جو عبدیمین کا پرگنہ دار، ٹھاکر اور پدھان ہے۔ حماد نے بڑی محنت
سے کہا میں نہیں جانتا وہ کیا کیا ہے۔ کیا یہاں کوئی اور بدری ناتھ بھی ہے۔ ہاں ایک
بدری ناتھ اور ہے۔ وہ کیا چیز ہے۔ وہ لوہار کا پیشہ کرتا ہے۔ حماد نے سوچتے ہوئے
ابا تو پھر یہ نہیں ہو سکتا۔ کیا دوسرے بدری ناتھ کا تجارتی کاروبار بھی ہے۔

اسمعیل نے غور سے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کا کہنا ٹھیک ہے۔
دوسرا بدری ناتھ جو اس علاقے کا پرگنہ دار اور ٹھاکر ہے۔ وہ بہت بڑا سوداگر ہے کوئی ایسا
نہر اور قصبہ نہیں ہے۔ جہاں اس کے گھاتے اس کے کاروبار کا لین دین نہیں کرتے۔ وہ
سانی ضروریات کی ہر چیز کا کاروبار کرتا ہے۔ حماد نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا تو پھر

اسی بدری ناٹھ کے گھر چلو۔

حماد خاموش ہو گیا بیل آگے بڑھتے رہے تھوڑی دیر بعد ان کے سامنے قہ
بیم سین آگیا تھا اور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی اونچی اونچی اٹاریاں صاف دکھائی دے ا
تھیں۔ قہصے کے اندر داخل ہونے کے بجائے انجیل نے جیم سین کے باہر ہی ایک ہ
بڑی سویلی کے سامنے اپنی بیل گاڑی کر رکھ دیا اور حماد کی طرف دیکھتے ہو۔
کہا۔ آپ بدری ناٹھ کی سویلی کے سامنے کھڑے ہیں۔ حماد نیچے اتر کر سویلی کے درواز
کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ تم گاڑی کو یہیں رکھ رکھو میں سویلی کا دروازہ کھلوانا ہوں۔
حماد نے آگے بڑھ کر سویلی کے دروازے پر دستک دی۔ اندر کسی کتے کے جھو
اور دروازے کی طرف بھاگنے کی آواز سنائی دی تھی۔ چند ہی لمحوں بعد دروازے
قریب کتا خوفناک آواز میں بھونکنے اور غرائے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سویلی کے اندر روشنی ہوتی پھر محسوس ہوا کہ رستی بارش میں کسو
تیز اور حکمانہ آواز بلند ہوئی۔ گیان اگیان اٹھو دیکھو دروازے پر کون دستک دے
ہے۔ کہیں دُور کسی کوٹھڑی کے اندر سے کسی کی آواز سنائی دی۔ ابھی دیکھتا ہوں
پہلی آواز پھر بلند ہوئی۔ پہلے کتا باندھ لو پھر دروازہ کھولنا اس بار کسی نے اپنے کمرے
باہر نکل کر جواب دیا تھا۔ جی ابھی باندھتا ہوں کتے کو۔

تھوڑی دیر بعد کوئی دروازے کے قریب آیا اور سردی سے کچپکپاتی آواز بڑ
کون ہے جی ہ حماد نے دروازے سے منہ لگاتے ہوئے کہا۔ دروازہ کھولو۔ میر
پاس بیل گاڑی ہے اور میں تمہارے مالک بدری ناٹھ سے ملنا چاہتا ہوں۔

یوں محسوس ہوا تھا جیسے دروازے کے قریب آنے والا۔ پہلے کتے کو کچپک
ہو۔ تھوڑی دیر بعد ایک جوان اور تو مند جوان نے دروازہ کھولا اور حماد کی طرف د
ہوئے پوچھا۔ آپ کہاں سے آتے ہیں۔ حماد نے غور سے اس کے سر پا کو دیکھت
کہا۔ تم مجھے اپنے مالک کے پاس لے چلو۔ وہ دیکھو۔ میری بیل گاڑی کھڑی ہے
میرے ساتھی سردی میں ٹھہر رہے ہیں۔

اس نوجوان نے دروازہ پورا کھولتے ہوئے کہا۔ آپ بیل گاڑی اندر لے آئیے۔ حماد
نے بڑھتا ہوا بولا۔ نہیں ابھی بیل گاڑی اندر نہیں آئے گی۔ پہلے تمہارے مالک سے بات
لیجنا۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ وہ جوان جس کا نام گیان لے کر پکارا گیا تھا۔ حماد کو کیکر
دیا۔ سویلی زمین پر تین فٹ بھر تھی ڈال کر بنائی گئی۔ سویلی کے اندر داخل ہو نیکار وسیع
تہ جو نیم دارے کی شکل کا ایک برآمدہ تھا اور جس میں داخل ہونے کے لیے پانچ میڑھیاں
لے کر بنا پڑی تھیں۔ وہاں ادھیڑ عمر اور پرکشش شخصیت کا ایک آدمی کھڑا تھا اس کے دائیں
تھ میں جلتی ہوئی ایک مشعل تھی اور اس کے بائیں طرف ایک معمر عورت جو شاید اس کی
بی بی اور ایک حسین ترین اور نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔

مادگیان کے ساتھ ان تینوں کی طرف بڑھا۔ میڑھیاں طے کر کے جب وہ ان کے پاس
نئے لوگیان کے کچھ کہنے سے قبل ہی حماد نے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ اگر میں غلطی نہیں
در جس طرح مجھے آپ کا حلیہ بتایا گیا ہے اس کے مطابق اندازہ لگانے میں مجھ سے کوتاہی
ہیں ہوتی تو آپ کا نام بدری ناٹھ ہے۔

اس لمبے قد کے بوڑھے نے مشعل حماد کے چہرے کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑے
ناترک لہجے میں کہا۔ وہی ٹاٹ اوڑھنے والا عرب جس کا مجھے انتظار تھا۔ حماد نے چونک
کر کہا۔ کیا۔۔۔۔۔۔ یا بدری ناٹھ نے حماد کو اور زیادہ چونکا دیا۔ خلدون کے
بیٹے میں کچھلے دو روز سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ کیا میں یہ کہنے میں درست ہوں کہ
تمہارا نام حماد بن خلدون ہے۔ حماد نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ آپ کو میرے متعلق
یہ اطلاعات کہاں سے ملیں اور آپ مجھے کیسے پہچان گئے ہیں۔

بدری ناٹھ نے حماد کو اور زیادہ ششدر کر کے رکھ دیا۔ اس حماد بن خلدون کو میں کیوں
نہ پہچانوں گا جس نے تو کتب شہر سے باہر ناصر الدین کے سامنے صنوبر کے درخت سے
دھڑک کر بندھے ہوئے رہے کو توڑ دیا تھا۔ حماد نے پریشان کن لہجے میں کہا۔ آپ ایسے
اکشافات کر کے یقیناً میرے ذہن پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ کیا میں یہ سمجھوں۔۔۔۔۔
بدری ناٹھ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اے میری ملت کے فرزند دل پسند

اور ہونہار حضرت اسلام۔ تم اپنے من کو بیکل نہ کرو۔ میرے اور ناصر الدین کے درمیان تیز رفتا پر کاروں کے ذریعے پیغام رسانی ہوتی ہے۔ اور میرے ہر کارے دور و دراز قبل مجھے آپ کا متعلق پوری اطلاعات دے چکے ہیں۔ کیا آپ کے پاس میرے نام ناصر الدین کا کوئی خط بھی ہے۔

حماد نے گیان، بوڑھی خالوچی اور اس جوان حسین لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بڑا اضطراب میں کچھ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سے زیادہ حماد کچھ کہہ سکا اور بدری ناخن خود ہی بول پڑا۔ ان تینوں کے متعلق آپ فکر نہ کریں۔ پھر اس نے ان تعارف کراتے ہوئے کہا یہ گیان چند ہے۔ پر ہم اسے گیان ہی لکھاتے ہیں۔ پھر اس نے بوڑھی عورت کی طرف اشارہ کیا۔ یہ میری بیوی سادتری ہے۔ اور آخر میں اس نے رس دا سوٹے کی طرح بھر پور جوان اور نچرا گئیں لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ میری بیٹی بللا ہے۔ ان تینوں کے متعلق تم فکر نہ کرو۔ ہم سب مسلمان ہیں بلکہ یوں کہہ لو اس گھر میں اللہ بہت سے جو ملازم ہیں۔ سب مسلمان ہیں۔ آپ کو کسی کا اصل نام جاننے کی ضرورت نہیں ہے میں گھر کے ہر فرد کو آپ کے متعلق پہلے سے بتا چکا ہوں۔ اب آپ اس سرزمین میں کام کرنے والے سب کام کنوں کے امیر ہیں جتنی کہ میں بھی آپ کے ماتحت ہوں گا اور آپ کی ہر آگیا کا پالنہ کرنا (حکم ماننا) میرا فرض ہوگا۔

حماد نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھ ایک بیل گاڑی بھی ہے جس میں آپ کا بھانجا اور بھانجی ہیں۔ بدری ناخن نے چونک کر پوچھا۔ میرا بھانجا اور بھانجی اور جواب میں حماد نے پیشال اور رتنا کی بے لوثی پوری داستان سناتا رہا تھا۔

حماد جب خاموش ہوا تو بدری ناخن نے ایک نیا امکشاف کرتے ہوئے کہا۔ ایک بات میں آپ سے اور کہوں۔ بچپن ہی میں پیشال کی سگائی میری بیٹی بللا سے ہو گئی تھی لیکر اب مجھے یہ سگائی توڑنا ہوگی کہ ایک مسلمان لڑکی کو۔ اس سے بیاہی نہیں جاسکتی اور سزا ایسا آپ کا مشکور ہوں۔ آپ نے پیشال کی جان اور رتنا کی عزت بچائی ہے۔ یہاں کام کرتے ہوئے اگر آپ سے کوئی یہ پوچھے کہ آپ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں تو آپ انہیں یہ کہیں

کہ میں بدری ناخن کے گمشدوں میں سے ایک ہوں اور میرا کام شہر شہر اور نگر نگر گھوم کر اجناس اور دوسری اشیا کے بھاؤ معلوم کرنا ہے۔

حماد اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوا بولا۔ کیا ایک خان کے متعلق بدری ناخن ہاتھ میں مشعل لیے بیٹھ رہیاں اترتا ہوا بولا۔ اس موضوع پر میں آپ کے ساتھ اطمینان سے بات کروں گا۔ آئیے پہلے پیشال اور رتنا کو اندر لائیں وہ دونوں پریشان ہوئے ہوں گے۔ حماد اس کے ساتھ چلتا ہوا بولا۔ ان کی آپ فکر نہ کریں وہ گہری نیند سوتے ہوئے ہیں۔ گیان، سادتری اور بللا بھی ان دونوں کے پیچھے پیچھے چلتے گئے تھے۔

بدری ناخن خود بیل گاڑی میں داخل ہوا اور پہلے رتنا کو اٹھایا۔ رتنا نے اپنی مخمور موٹی موٹی اور حسین آنکھیں کھولیں اور بدری ناخن کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ اٹھی اور اس سے پلٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کے بعد بدری ناخن نے پیشال کو جگایا۔ بدری ناخن کو دیکھتے ہی پیشال نے ہاتھ جوڑ کر اپنے ماموں کو ڈنڈوت کہا۔ اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش لیکن زخموں کی تکلیف کے باعث وہ ایسا نہ کر سکا تھا۔ حماد نے اسمعیل کو بکارتے ہوئے کہا۔ اسمعیل اسمعیل! گاڑی کو جو بیل کے اندر لے چلو۔ اسمعیل نے بیلوں کی رسیاں لہرائیں اور منہ سے مخصوص آواز نکال کر اس نے بیلوں کو ہانک دیا تھا۔ اس دوران رتنا بللا اور سادتری سے ملنے لگی تھی۔

بیل گاڑی جو بیل میں داخل ہونے والی بیڑھیوں کے پاس روک دی گئی تھی۔ بللا اور سادتری رتنا کو لیکر اندر چلی گئیں گیان نے جو بیل کے چند اور ملازموں کو بھی بلایا تھا۔ جن میں سے کچھ حماد، پیشال اور رتنا کا سامان اندر لے گئے۔ دو ملازم جو بیل کے اندر سے ایک پلنگ اٹھا لائے۔ پیشال کو انہوں نے اس پلنگ پر ڈالا اور اندر لے گئے تھے۔

بللا اور اس کی ماں سادتری نے مل کر ایک کمرے میں پیشال کا پلنگ لگوا دیا۔ پھر بللا نے گیان سے کہا کہ اس کمرے میں ایک پلنگ اور لگوا دیا۔ رتنا نے بللا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہاں میرا بستر نہ لگانا۔ بھائی کے پاس ماموں یا کسی اور ملازم کو ملا دیں۔ جو رات جاگ کر ان کا خیال رکھے۔ میں سفر کے باعث تھکی ہوئی ہوں لہذا میں یہاں بیٹھ کر

میں داخل ہوتے۔ حماد اور بدیری ناخدا ایک ہی بستر پر بیٹھ گئے۔ جب کہ گیان بھاگ کر ایک بڑا پلنگ لے آیا دو بار وہ باہر گیا اور ایک صاف ستھرا بستر اور ریشمی لحاف لے آیا۔ بڑے قریب سے اس نے بستر لگایا اور حماد کو مخاطب کر کے کہا۔ یا امیر! آپ اس بستر پر آئیے۔ حماد اور بدیری ناخدا اٹھ کر اس نئے بستر پر بیٹھ گئے اور گیان ان کے سامنے دوسرے بستر پر چم گیا تھا۔

حماد نے اپنے موضوع پر کھنکھاتے ہوئے پوچھا۔ کیا ایک خان کے متعلق آپ کو کوئی خبر ملی۔ بدیری ناخدا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ہاں میرے کاہنڈے اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ایک خان ایک سادھو کے بھیس میں اپنے ایک کارکن سے ملنے متھرا گیا تھا۔ وہ مسلمان کارکن بظاہر ہندو بن کر متھرا کے اجے کے ملازم تھا اور اصطبل میں سائیں تھا۔ ایک خان کے ساتھ ایک نو مسلم لڑکی بھی تھی جو نگر کوٹ کے مندر میں نرنجی (رقاصہ) اور دیو داسی تھی۔ بظاہر وہ نگر کوٹ سے متھرا کی یا ترا کو آتی تھی لیکن اس کا اصل کام وہاں راجہ کے اصطبل میں ٹھہرے ہوئے ایک خان کو شمال کے ہندو راجاؤں کے متعلق اہم معلومات فراہم کرنا تھا۔ کیونکہ وہ ہستنا سواک کے جھٹے بھی ہندو راجہ ہیں وہ سب کام نگر کوٹ کے بڑے پروہت کے مشورے سے کرتے ہیں۔ وہ لڑکی جو نگر کوٹ کے مندر میں کام کرتی ہے اس کا نام اوما ہے اور بڑے پڈت کی لنگا ہوں میں وہ سب سے زیادہ ہر دلعزیز ہے۔ اس کی فوجی جہاز ہیں۔ ایک تو وہ خوبصورتی میں لاجواب ہے۔ دوسرے وہ مندر کی نرنجیوں بہ سب سے باہر رقاصہ ہے۔

ایک خان بھی اپنے منظر کے کارکن سے وہاں کے راجہ کی نسبت معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ان دنوں ہند میں یہ افرا پوری طرح پھیلی ہوئی ہے کہ غزنی کا حکمران شہاب الدین عنقریب ہند پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس لیے یہاں کے سب راجے مہاراجے۔ اجمیر کے راجہ رائے چھو را اور ہستنا پور کے راجہ کھانڈرے رائے کے تحت اپنے آپ کو متحد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے ان دونوں بھائیوں کو اپنا بڑا اور گرو تسلیم کر لیا ہے۔ ایک خان اپنے کارکنوں کے ذریعے ان دنوں بڑی تیزی کے ساتھ یہ معلومات فراہم کر رہا تھا کہ کون سا راجہ جس قدر لشکر کے ساتھ ہندوؤں کے متحدہ لشکر میں شامل ہو گا۔

متھرا بھی وہ اسی نیت سے گیا تھا۔ وہاں اس نے اپنے اسی کارکن کے پاس قیام کیا جو راجہ کے اصطبل میں سائیں تھا۔ جین اوما بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ تینوں ادھی رات کے وقت جب راند داری میں گفتگو کر رہے تھے پکڑ لیے گئے۔ کیونکہ اصطبل کے ایک ہندو سائیں نے چھپ کر ان کی ساری گفتگو سن لی تھی۔

متھرا کے مسلمان کارکن نے ایک خان اور اوما کو بھاگ جانے کا موقع فراہم کر دیا اور خود راجہ کے ملازموں کا راستہ روک کھڑا ہوا اور ان سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ ایک خان کو بھاگ جانے کا موقع مل گیا اور وہ اوما کے ساتھ نگر کوٹ کی طرف فرار ہو گیا۔ متھرا کے راجہ نے دونوں کے تعاقب میں اپنے سپاہی بھیجوائے اور وہ ان دونوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے ٹاپ بٹا لگاتے ہوئے ان کا تعاقب کرتے رہے۔ ایک خان اور اوما بھی نگر کوٹ کے مندر میں داخل ہوتے ہی تھے کہ راجہ کے سپاہی بھی وہاں پہنچ گئے اور دونوں جاسوسی اور غدار کے الزام میں گرفتار کر لیے گئے۔ سپاہی ایک خان کو پکڑ کر متھرا لے گئے لیکن مندر کے بڑے پروہت نے اوما کو اپنے پاس روک لیا۔ بڑے پروہت کا فیصلہ ہے کہ اس سرزمین میں بدی اور بوجھ بڑھ گیا ہے۔ لہذا دیوی ایک انسان کی قربانی مانگتی ہے۔ اب سنا گیا ہے کہ اوما کا طہیّان دیا جائے گا اور اسے ذبح کر کے کمرشن مرادی کے پاؤں دھوئے جائیں گے اور بقول پروہت پڈتوں کے اس بلیدان سے ہند پر آنے والی ہر مصیبت سے نجات مل جائے گی۔

بدیری ناخدا نے ذرا رک کر کہا۔ اوما کو اس قلعہ نما مندر کے اندر سے آزاد کرنا نا ممکن ہے کیونکہ وہ مندر ایک بلند پہاڑ کے اوپر ہے جس کے تین اطراف میں دیوار کی طرح بلند ناقابل عبور پہاڑ ہے جس کے نیچے دریا بہتا ہے۔ مندر کے اندر جانے کے لیے صرف مشرقی حصہ خالی ہے۔ جہاں ایسا کوٹا پہرہ رہتا ہے کہ پرندہ تک اندر نہیں جاسکتا ہے۔ تاہم متھرا میں نے اپنا ایک آدمی بھیجا ہوا ہے جو ایک خان کو رہا کرانے کی کوشش کرے گا۔ یہ شخص بھی ہمارا ایک سرگرم رکن ہے۔ اس کا نام پرمانند ہے اور وہ ایک پڈت کے روپ میں ہے۔ اس کا قیام متھرا شہر سے مشرق میں دریائے جمن کے کنارے ایک ایسے آشرم کے اندر ہے جس کا نام نرائن آشرم ہے۔ اس کے ساتھ اپنے دو چار اور آدمی بھی ہیں اور سب مل کر ایک خان کو

رہا کرنے کا کوئی جتن کریں گے۔

جگا کرتنک کر رہے ہیں۔

گیان سیدھا کھڑا ہو گیا اور بڑی رقت سے کہا۔ میری قوم کے فرزند تو ملت کی خاطر کس قدر طویل و دشوار سفر طے کر کے یہاں آیا ہے۔ جس ماں کو تو نے پکارا ہے اُس کی خیر ہو۔ اگر حسن اور حارث تہارے بھائی ہیں تو میرا مولیٰ انہیں اپنی اپنی پناہ گاہوں میں زندہ اور خوش رہے۔ گیان سنبھلا اور دوبارہ حماد کا شانہ بکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ مالک اٹھئے۔ حماد نے آنکھیں کھولیں اور گیان کی طرف دیکھا۔ گیان اسلام علیکم کہتے ہوئے پھر بولا۔ مالک! صبح سو چکی ہے کیا آپ فجر کی نماز ادا نہ کریں گے۔

حماد اٹھ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ تمہاری مہربانی تم نے مجھے جگا دیا ہے۔ ورنہ میں گہری نیند سو رہا ہوتا تھا۔ گیان نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ آئیے میں طہارت خانے میں آپ کیلئے گرم پانی رکھ آیا ہوں حماد اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔ پہلے اس نے گرم پانی سے غسل کیا پھر گیان کے ساتھ کمرے میں آتے ہوئے کہا مجھے وضو کے لیے پانی بھی لا دو۔ گیان نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ آپ کمرے میں آئیے میں وہاں وضو کے لیے گرم پانی رکھ آیا ہوں۔

حماد دوبارہ اپنے بستر پر کمر بیٹھ گیا۔ گیان نے اس کے پاؤں کے قریب پینیل کا ایک بڑا سا تھال رکھا اور قریب پڑا ہوا کالنسی کا ایک کوزہ جو گرم پانی سے بھرا ہوا تھا اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا آپ وضو کیجئے میں پانی ڈالتا ہوں۔ حماد نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کوزہ گیان سے لے لیا اور پاؤں سے تھال ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔

گیان! خدا آسمان پر ہے اور نیچے ہم سب مسلمان برابر ہیں۔ جب میں اپنا کام خود کر سکتا ہوں تو تم میری خدمت کیوں کرو۔ حماد کوزہ لے کر باہر آیا۔ اور وہاں بیٹھ کر وضو کرنے لگا۔ اتنی دیر تک بدری ناٹھ بھی آگیا اور کمرے کے اندر چلا گیا۔ وضو کر کے حماد کھڑا ہوا اور آسمان کی طرف دیکھا۔ بارش اب ختم ہو چکی تھی۔ آسمان صاف تھا اور ستارے مسکراتے ہوئے چمک رہے تھے۔ حماد کمرے میں آیا۔ گیان نے وہاں ایک پٹائی بچھا دی اور پھر وہ بدری ناٹھ اور گیان کے ساتھ اس پٹائی پر فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔

حماد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ تو اس کا مطلب ہے میری آئندہ منزل مقصود اور اس کے بعد نگر کوٹ ہے۔ پھر حماد نے پاؤں اوپر کرتے ہوئے کہا۔ اب میں آرام کروں گا اور صبح آپ کو اپنا لائحہ عمل بتاؤں گا۔ بدری ناٹھ نے پریشانی میں کہا۔ کیا آپ کھانا نہ کھائیں گے نہیں کھانا کھا کر چاہتا تھا۔ بدری ناٹھ نے پھر پوچھا۔ آپ کا گاڑی بان ساتھ ہی کدھر گیا جسے آپ نے ملایا کہہ کر پکارا تھا۔ حماد نے اپنے جسم پر لحاف ڈالتے ہوئے کہا جس وقت آپ مجھے اور گیان کو ٹھہریوں کے پاس کھڑا کر کے حویلی کے اندر گئے تھے۔ اس وقت آپ کے دوسرے ملازم اسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ میرا خیال ہے وہ ان کے پاس گہری نیند سو رہا ہو گا۔ گیان حماد کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

آپ کا اندازہ درست ہے جس وقت میں آپ کا پلنگ لایا اسے دیکھ کر آیا تھا۔ میرا لڑا تھا۔ اسے کھانا کھلاؤں گا لیکن وہ اصطبل کے ساتھ والے کمرے میں لحاف کے اندر گہری نیند میں خراٹے لے رہا تھا۔ میں نے اسے جگا کر مناسب خیال نہ کیا۔ میرا خیال ہے وہ تھکا ہوا مجھے خدشہ تھا وہ بھوکا سو گیا ہے۔ پر ہمارے آدمی کہہ رہے تھے انہوں نے اسے کھانا کی پیش کش کی تھی لیکن اس نے کہا مجھے بھوک نہیں اور بستر میں پڑ کر سو گیا۔ بدری ناٹھ حماد کو رہا تھا کہ حماد گہری نیند میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ لہذا وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ حماد اپنے بستر پر لیٹ محفوظی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔



کارگاہ غاصر کے ذوقنوں شاہکار کی طرح رعد و برق اعمال نامہ نگار کی طرح رات میں چمکاڑتے اور چمکتے رہے۔ رات بڑے جبر و پلے ذوقی سے ساحر و جذاب سحر طرف بھاگتی رہی۔ حماد گہری نیند سو رہا تھا۔ کہ گیان نے اس کا کندھا ہلا کر اسے جگا کر ناچا حماد نے کروٹ بدلی اور بڑی معصومیت سے اس نے بھڑ بھڑاتے ہوئے کہا جن! چھوڑ دو مجھے! مال! احسن اور حارث کو منع کرو میں دن بھر کام کر کے تھکا ہوا ہوں یہ مجھے

نماز کے بعد بدی ناخدا اور گیان باہر نکل گئے تھے۔ سردی زوروں پر تھی۔ حماد پھر
بستر میں گھس کر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے برادر سے کی بھیگی دیوار پر دینے کی کوسک
یوں جیسے کسی حساس مسافر کو پر دلیں ہیں اپنے وطن کی محبوب گلیاں یاد آگئی ہوں۔ رات
کے اپنے آخری پہر کی انتہا تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے کہ سحر اپنے مسکراتے لبوں پر غن
خیز قطرے لیے رات کا سرد قابو ت توڑ کر تارکیوں کو ابدیت کی طرح جذب کرنی جا رہا
تھوڑی دیر بعد شرح اسرار بن کر سورج امید و دکھ، امن وطمیناس، موجود و غائ
عدم و ہست کا کھیل شروع کرنے کی خاطر زیر لب مسکراتا ہوا کسی آتش تلواری کی طرح طا
ہوا تھا اور آہستہ آہستہ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ روش
نیر روشنی آسمان کی انتہا تک پہنچ گئی تھی اور شب کے سارے اسرار نکل گئی تھی۔
حماد کچھ سوچ کر کھڑا ہو گیا۔ چھونک مار کر اس نے دینے کو بجھا دیا۔ پھر وہ باہر
ہوا کا زوخم چکا تھا اور چاروں طرف تیز سہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ حماد نے ادھا
دیکھ کر حویلی کا جائزہ لیا۔ وہ ایک بہت بڑی عمارت تھی جو ایک وسیع رقبے کے درم
ہستے میں تھی۔ باتیں ہاتھ اطمینان تھا شمال مشرقی کونے میں ملازموں کے کمرے اور
اطراف میں ان گنت پھل دار اور بے شرابی پودے تھے۔

حماد باتیں طرف مڑ کر اطمینان میں آیا۔ وہاں اسماعیل پہلے سے موجود تھا اور
سیلوں کی پیٹھ پر خشک کپڑا گرہ رکھا تھا۔ دونوں مصافحہ کرتے ہوئے ایک دوسرے سے
پھر حماد نے اپنے گھوڑے کی زین سے بندھی خرچہ کی کے اندر سے کھریا نکالا۔ اپنے گ
کے پاس آیا۔ پہلے وہ پیار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ اور جواب میں اس کا مطیع
گھوڑا آہستہ آہستہ ہنستا رہا۔ پھر حماد اپنے گھوڑے کو کھریا کرنے لگا تھا۔ ا
نے بھی سیلوں کی پیٹھ پر کپڑا پھیرنا بند کر دیا اور وہ حماد کے ساتھ دوسرے دو گھوڑوں
ایشال اور زننا کے تھے انہیں کھریا کرنے لگا تھا۔

دھوپ جب کافی چڑھ آئی اور حماد گھوڑوں کو کھریا کر ختم کرنے کے بعد اسماعیل
مسکے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ سامنے سے گیان آگیا وہ کچھ اداس اور الجھا الجھا
نماز کے بعد بدی ناخدا اور گیان باہر نکل گئے تھے۔ سردی زوروں پر تھی۔ حماد پھر
بستر میں گھس کر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے برادر سے کی بھیگی دیوار پر دینے کی کوسک
یوں جیسے کسی حساس مسافر کو پر دلیں ہیں اپنے وطن کی محبوب گلیاں یاد آگئی ہوں۔ رات
کے اپنے آخری پہر کی انتہا تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے کہ سحر اپنے مسکراتے لبوں پر غن
خیز قطرے لیے رات کا سرد قابو ت توڑ کر تارکیوں کو ابدیت کی طرح جذب کرنی جا رہا
تھوڑی دیر بعد شرح اسرار بن کر سورج امید و دکھ، امن وطمیناس، موجود و غائ
عدم و ہست کا کھیل شروع کرنے کی خاطر زیر لب مسکراتا ہوا کسی آتش تلواری کی طرح طا
ہوا تھا اور آہستہ آہستہ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھنا شروع ہو گیا تھا۔ روش
نیر روشنی آسمان کی انتہا تک پہنچ گئی تھی اور شب کے سارے اسرار نکل گئی تھی۔
حماد کچھ سوچ کر کھڑا ہو گیا۔ چھونک مار کر اس نے دینے کو بجھا دیا۔ پھر وہ باہر
ہوا کا زوخم چکا تھا اور چاروں طرف تیز سہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ حماد نے ادھا
دیکھ کر حویلی کا جائزہ لیا۔ وہ ایک بہت بڑی عمارت تھی جو ایک وسیع رقبے کے درم
ہستے میں تھی۔ باتیں ہاتھ اطمینان تھا شمال مشرقی کونے میں ملازموں کے کمرے اور
اطراف میں ان گنت پھل دار اور بے شرابی پودے تھے۔

حماد نے آگے بڑھ کر گیان کی پیٹھ پیچھا تے ہوئے کہا۔ تم غصہ نہ کھاؤ اور نہ ہی
بدی ناخدا سے زننا کی شکایت کرنا۔ میں تمہارے مالک سے رتنا کے متعلق تفصیل سے
فٹنکو کرچکا ہوں۔ وہ ایک خود سر لڑکی ہے اس کی ضد کے خلاف چلنا ہمارے اپنے
لیے نقصان دہ ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ ہم سب اس کے خلاف متحد ہو جائیں ہو سکتا

وہ اس اتحاد کی وجہ جاننے کے لیے ہم نرنگہ رکھے اور اس کی یہ حرکت ہمارے لیے نقصان دہ ہوگی۔ تم فکر نہ کرو میں خود جا کر اپنا اور اسماعیل کا کھانا لاتا ہوں۔ تم مجھے صرف یہ بتا دو کس طرف نرنگہ کھانا ملے گا۔

گیان نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ سوچی کے کچھ پوڑے میں آنوس کی ایک ہے۔ ملازم کو اس کھڑکی میں سے کھانا ملتا ہے۔ حماد کمرے سے باہر نکل کر سوچی کے تاکستہ (بابز) میں آکر اس نے ہنڈولے کے دو بڑے بڑے پتے توڑے اور اپنی ٹاٹ کی عبا انہیں صاف کرنے کے بعد وہ سوچی کے معقی حصے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

آنوس کی کھڑکی کے پاس آکر حماد نے اس کے پٹ پر ہاتھ مارے ہوئے کھٹکا کیا تھوڑی ہی دیر بعد رتنا دواں آئی اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ بوجھن لینے آتے ہوئے حماد نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا ہاں۔ رتنا نے اپنا دیشی اور سرخ ہاتھ آگے بڑھائے ہوئے کہا۔ اپنے برتن لاؤ ٹھیک ہے تم ہمارے محسن ہو پر یہ ہنڈولے کی سوچی ہے اور ہر دم میں تمہاری حیثیت ایک مٹیچہ کی سی ہے۔ حماد نے ہنڈولے کے دونوں پتے اس کے میں دیتے ہوئے کہا۔ ان پتوں میں میرا اور گاڑی بان اسماعیل کا کھانا ڈال دو۔ رتنا نے کوڑا لہجے میں کہا۔ ایک محسن کی حیثیت سے میں ضرور تمہاری قدر اور خدمت کرتی۔ پر تو ان مٹیچوں ہاں تم نے جو میرے دھرم کا ناش کیا تھا اس کی سزا تجھے آتش ملنی چاہیے اور تمہارے یہ سزا ہے کہ تم یہاں میری موجودگی میں ایک مٹیچہ کی سی زندگی بسر کرو۔ تاکہ اپنی غلطی پر تیرا ہونہیں احساس ہو جس طرح پانی سے آگ سمجھ جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے دھرم کے گیان اشناتی دور ہوتی ہے۔ سنو! اپنے دھرم کی تبت میں برداشت نہیں کر سکتی۔ دھرم مارا کے شریہ سے بھی بہتر ہے۔ سزا یہ کہ ناش ہو جاتا ہے پھر دھرم؟ دھرم تو ناش ہے تم طاقت ور ترین انسان ہو تم بہتر ان میں کامیاب ہو سکتے ہو پر تو تمہارے دھرم کا پیمانہ کرنے پھسل (کامیاب) نہیں ہو سکتے۔

حماد نے غصے میں ابال کھاتے ہوئے کہا۔ یہ تیری بھول ہے کہ میں یہاں تمہارا دہو کر ایک مٹیچہ کی سی زندگی بسر کر دوں گا۔ میں ایک آزاد انسان ہوں اور آج ہی یہاں سے کوچ کر

سند جس طرح آگ سے آگ نہیں سمجھ سکتی اسی طرح تیری باتیں بھی مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ جس قدر آسمان زمین سے بلند ہے اسی قدر میری راہیں تیری راہوں سے اور میرے خیالات تیرے گھٹیا خیالات سے بلند ہیں۔ گو میں بھی ایک انسان ہوں اور بشریت کے خدا واد تقاضوں سے بلند نہیں ہوں اس کے باوجود میں تیری مذہبی اور بے دینی کے سیلاب سے ماورا ہوں۔

حماد ذرا سا رکھ چھوڑے طوفان کی طرح بولتا چلا گیا تم بڈگونی کی ایک لہر ہوا اور میں تمہاری بے دین روائتوں کا پابند نہیں ہوں اس لیے کہ میں جان چکا ہوں تیرے ذہن کی پرواز ہمیشہ ہدی کی طرف ہوتی ہے۔ میں نے پہلے بے بھائی کی مدد کی۔ تمہاری عزت سچائی اور پھر بارش اور رت کے طوفان کی پرواہ کیے بغیر تم دونوں کو تمہاں تک پہنچایا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم میرا شکریہ ادا کر تیں۔ لہذا تم مجھے مٹیچہ قرار دے رہی ہو کیا میں یہ سمجھ لوں تم نے اپنی روائتی ہندو ذہنیت کا ثبوت دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں سمجھ لگا ہندو کی اس سرزمین میں جو نیچ ترین مٹیچہ ہے تم اس سے زیادہ گری ہوئی، توہین آمیز اور بیچ و ذلیل لوگی ہو۔ کاش تو کسی مٹیچے کے ہاں پیدا ہوئی تو تمہیں احساس ہوتا کہ سب انسان ایک جیسے ہیں۔ بہتر و بلند وہی ہے جس کے اعمال نیک اور صالح ہیں۔

رتنا نے سخت غصے اور تلخ لہجے میں کہا۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔ یاد رکھو بدن میں گھسے ہوئے فیروزے نکل سکتے ہیں۔ پھر نفرت نہیں۔ حماد نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے کہا۔ جس قدر تمہیں مجھ سے نفرت ہے اس سے دس گنا زیادہ مجھے تم سے کرپٹ اور نفرت ہے۔ تو کمبلی، ذلیل اور نیچ ہے۔ کاش میری تم سے ملاقات نہ ہوتی ہوتی۔ رتنا غصے سے ہنٹ کاٹ کر رہ گئی تھی۔ تاہم وہ ضبط کر گئی۔ ہاتھ میں پکڑے ہوئے پتوں میں سے ایک پر اپلی ہوتی سہری اور دوسرے پر چنچ چا تیاں رکھ کر اس نے حماد کو کھادیں۔

حماد نے دونوں پتے تھام لیے اور رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے ایک بار پھر اس نے غضبناک لہجے میں کہا۔ آئندہ اگر تم نے میرے خلاف اپنی زبان کو حرکت دی تو یاد رکھ میں تیری سوچی کاٹ دوں گا۔ رتنا نے نفرت کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے کہا۔ جا جا بڑا آیا سوچی کاٹنے والا۔ تیرے جیسے بہت دیکھے ہیں۔ اگیا فی اور ادھر کسی کی سوچی کاٹنا کوئی آسان

کبیل ہے کیا جس روز تم نے میری چوٹی کاٹی وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔ ار چلے جاؤ یہاں سے میں تم سے بات تک کرنا پسند نہیں کرتی۔

حماد واپس اپنے کمرے میں آیا۔ گیان اور اسماعیل دونوں چٹائی پر بیٹھے تھے۔ دوا کے درمیان وہ کھانا دلیے کا دلیا پڑا تھا جو گیان لایا تھا اور ایک طرف پانی کا مٹکا اور کے تین پیالے پڑے تھے۔ حماد جو کھانا لایا وہ بھی اس نے ان دونوں کے درمیان رکھ پھر تینوں اکٹھے بیٹھ کر بے حد خوشگوار ماحول میں کھانا کھا رہے تھے۔

حماد، گیان اور اسماعیل اکٹھے بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے کہ بدری نا تھا اس کمرے یا داخل ہوا۔ اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیا آپ لوگ بھی جن کر چکے۔ گیان کھڑا ہوتا بولا۔ ہاں مالک! ہم پیٹ بھر چکے۔ اس بار حماد نے بدری نا تھا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہاں چلے گئے تھے۔ بدری نا تھا ان کے پاس ہی چٹائی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ میں نیشال کے۔ دید کو لانے چلا گیا تھا۔ وہ مرہم کر کے گیا ہے نہیں آپ کے پاس چلا آیا ہوں۔

قبل اس کے حماد جواب میں کچھ کہتا ہوا بدری نا تھا اس بار گیان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ گیان! تم اسماعیل کو ساتھ لے جاؤ۔ اور مارے گھوڑوں اور اس کے دونوں بیلوں۔ چارے اور دانے کا بندوبست کرو۔ ساتھ ہی بدری نا تھا نے گیان کو مخصوص اشارہ کیا کا مطلب تھا کہ تم اسماعیل کو بیکر یہاں سے چلے جاؤ۔ گیان نے وقت ضائع نہ کیا اور اسماعیل لے کر فوراً کمرے سے باہر نکل گیا۔

بدری نا تھا جو حکم مسلمان تھا اور جس کا اصل نام ابوالفتح تھا حماد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اب بتائیے آپ کا کیا لائحہ عمل ہے۔ حماد اس کے قریب سرکھتا ہوا میرا ارادہ ہے۔ میں آج شام کے بعد یہاں سے مختصر کے لیے کوچ کر جاؤنگا۔ میں ہی رات اپنے سفر کا زیادہ حصہ طے کر لینا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے میں مختصر میں ایک خان کو بے بسی کی موت نہ مرنے دوں گا۔ میں اسے بچانے کی انتہائی کوشش کروں گا۔ بدری نا تھا نے راز داری سے کہا۔ مختصر پہنچتے ہی نراتن آشرم میں پٹارت پر ماند لٹا، ہوکتا ہے تمہارے وہاں پہنچتے تک اس نے ایک خان تک رسائی حاصل

اسے را کرانے کا کوئی پاتے سوچ لیا ہو۔ میری ایک ادربات بھی یاد رکھنا اس سرزمین میں اپنی ملت اور اپنے مذہب کے لیے کام کرتے ہوئے کئی لوگ کارکنان شیشہ گراں کی طرح نہیں اپنے اپنے اعتبار کے زرخے میں لینے کی کوشش کریں گے۔ وہ کبھی بے ساختہ دہشت اور کبھی دانش و حکمت سے نہیں اپنا زیر کند بنانے کی کوشش کریں گے۔ نئی لوگ تمہارے جسم کی خوبصورت ساخت سے متاثر ہو کر تمہیں شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ یہاں کی حسین ترین لڑکیوں کو رنگیلی اور رس داری پیش کش بنا کر تمہارے سامنے لائیں اور تمہارے فہم، دانائی و دانش کو اپنی گرفت میں لیکر تم سے وہ راز اگلوںے کی کوشش کریں جن میں ہم دونوں کا ہی نہیں۔ ہماری ملت کا مفاد اور مصلحت بھی ہو۔

بدری نا تھا نے خاموش ہو کر کچھ سوچا اور دوبارہ اس نے کہنا شروع کیا۔ یہ سوچ کر یہاں کام کرنا کہ نیشاپور سے مختصر تک کی طویل مسافت تم نے کس مقصد کے تحت طے کی ہے۔ یہاں کے سربراہ چشم و زخار اور پرنسٹن جیسے جمال میں کھو نہ جانا۔ اس ظلم زندگی میں جمال ثبات اور حسن ایک دھوکا ہے اور جوانی ڈھل جانے پر یہ اجاڑ غاروں کی طرح ویران ہو جاتا ہے۔ حماد نے بڑی انکساری سے کہا میرے محترم! میرے بزرگ میں جان دے دوں گا۔ پر یہ ظاہر نہ ہونے دوں گا کہ میری اصل حقیقت کیا ہے اور یہ کہ آپ بدری نا تھا نہیں ابوالفتح ہیں۔ میں آپ سے عہد کرتا ہوں۔ میں اپنے ارادوں کو منفعل رکھوں گا۔ اولیٰ آرزوئیں کو منفعل نہ ہونے دوں گا۔ میں یہاں اس سرزمین میں وفا کے نئے مضمون بکھول گا اور اپنے دل کا آگلی کچی پڑا ہر مذکر و ننگا۔ اسی میں میری دنیا اور عقبی کے لازوال نقوش یہاں ہیں جس طرح مچھلی سوتے وقت آنکھیں بند نہیں کرتی جس طرح انڈہ پیدائش کے بعد حرکت نہیں کرتا، اسی طرح میں بھی اپنے مقصد میں بیدار اور اٹل رہ کر اپنا فرض ادا کروں گا۔ — حماد کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ گیان اندر آیا اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ کو نیشال نے بلایا ہے۔ بدری نا تھا بھی کھڑا ہو گیا اور حماد سے کہا جاتیں اسے مل لیں وہ کافی دیر سے آپ کا پوچھ رہا ہے۔ آپ کی روانگی سے قبل میں ایک بار پھر آپ سے کچھ کہنا چاہوں گا۔ حماد اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہاں بیشاپ وہ مقدس کتاب میرے رسول عربی پر خداوند جہاں کی طرف سے نازل ہوئی وہ کسی کے دماغ کی کاوش اور تخیل کی جیت نہیں۔ وہ کسی کے فکر کی سنجیدگی و احاطہ بیان اور ذہن کی تغیر و ارتقا نہیں ہے۔ وہ انسانی اور اک وادہام کے اثرات سے پاک و آزاد ہے۔ اس کی عظمت و جبر کے عکس و رنگ سے بالاتر ہے۔ ہماری یہ کتاب کسی نہیں دہی ہے۔ اس میں غلطی پروردگار ذاتاثر خیز تابانی ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں عبرت خیر و قیوم اساطیر کے علاوہ، حرمیتیں، ضابطے، آدش، لائے مرگ حیات کے راز، فنا و بقا، زندگی و موت، اقرار و انکار، عدالت، فیصلے، امن، جنگ و با، موت اور آفتاب، غرض ہر موضوع پر مکمل ہدایت ہے۔ اس میں کوئی کوئی منطق نہیں۔ ہر امر ہر حکم کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

حماد جب خاموش ہوا تو بیشاپ چہرہ لولا ہمارے دھرم کے لوگوں کا خیال ہے مسلمانوں کے خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ حماد نے بھڑکتے ہوئے کہا۔ خدا ہے اور وہ ہر جگہ موجود ہے۔ کون ہے جو چاند، ستاروں اور سورج کے نظام کو چلانے کے علاوہ سمندروں کے خروش اور طوفانوں کی قہرمانیت اپنے ضابطوں کے اندر رکھتا ہے۔ کون ہے جو بے آب چشموں کو آب دار بناتا ہے۔ کون ہے جو ماں کو بچہ کو دینا اور باپ کو شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا سکھاتا ہے۔ وہ کون ہے جو پرندوں کو بیڑوں میں لپیٹ کر آنے کا فن سکھاتا ہے اور ہڈیوں پر گوشت بڑھاتا ہے۔ یقیناً کوئی ایسی ہستی ہے جو زمین و آسمان اور سارے جہاں کے کام ضابطوں کے مطابق چلاتی ہے اور یہی ہستی میرا خدا ہے جو ایک اندھے بچہ کو خاموشی کی درزوں سے درخت بنا کر نکالتا ہے۔

بیشاپ کچھ مطمئن دکھائی دے رہا تھا پھر اس نے اپنے دائیں طرف رکھے بت اور مورتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ حماد نے بڑی عاجزی سے کہا میں کسی کے دھرم اور مذہب کی تردید نہیں کرتا۔ پر یہ بت آنکھوں سے اندھے اور کانوں سے بہرے ہیں۔ ان کی سماعت ان کی حرکات اور ان کی زبانوں پر پابندی ہے پھر یہ کیسے خدا ہیں جو تم لوگوں کے جسموں کی تہوں تک اپنا اثر جھالیے ہیں۔ کیا تم ان سب کے عہد مقام اور صنائع سے واقف ہو جب ایک انسان ہی ان کا صنائع ہے تو یہ کسی کو کیا دیں گے۔

بیشاپ اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ حماد گیان کی راہنمائی میں کمرے میں داخل ہوا۔ بیشاپ نے ہاتھ کے اشارے سے گیان کو چلے جانے کو کہا اور گیان واپس لوٹ گیا۔ بیشاپ نے حماد سے کہا حماد دروازہ اندر سے بند کر دو اور میری بات سنو! حماد نے دروازے کو اندر سے کھڑکی لگا دی اور بیشاپ کے بستر پر بیٹھتا ہوا بولا۔ کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ بیشاپ کچھ سوچتا رہا اور حماد پھر کے ان بتوں اور مورتیوں کو غور سے دیکھتا رہا جو بستر کے دائیں طرف دیوار کے اندر بنائی ہوئی ایک محفوظ جگہ میں رکھے ہوئے تھے۔ اچانک حماد چونک پڑا کیونکہ کمرے میں بیشاپ کی آواز بلند ہوتی تھی۔

حماد! حماد! کیا اب تم ہمیشہ کے لیے اس سوئی میں قیام کرو گے۔ حماد نے مشکوک نگاہوں سے بیشاپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نہیں بہت کم یہاں دکھائی دوں گا۔ شاید تمہارے لیے یہ خبر نئی ہو کہ آج شام میں یہاں سے کوچ کر رہا ہوں۔ بیشاپ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ کہاں جاؤ گے متحضر اجاڑ لگا۔ کس سلسلے میں؟ میرا کام ہو گا مگر شہر گھوم کر تمہارے ماموں کی تجارتی اشیاء کے بھاؤ معلوم کرنا ہے۔ کب تک لوٹ آؤ گے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے ہفتوں پر ہفتے اور مہینوں پر مہینے گزر جائیں گے۔ شاید میں تمہارے سیدھا لنگر کوٹ چلا جاؤں۔

بیشاپ نے حماد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ حماد! کاش! اس سوئی کے بجائے تم میرے پاس کسی ایسی جگہ ہوتے جہاں میں تم سے بلا جھجک کہہ سکتا۔ اے میرے بھائی۔ میرے دوست! میرے محسن! مجھے اپنی مقدس کتاب کا وہی حصہ سناؤ جو تم نے مسوا دھار بارش اور طوفانی ہواؤں میں جنگل کے اندر اسماعیل کی فراتش پر سنایا تھا۔ کاش میں اسماعیل کی طرح اس دھرم سے آزاد ہو کر تمہارا ساتھ دے سکتا۔ آہ میں کیسا لمبے بس اور مجبور انسان ہوں۔ سوچوں میں ڈوبا ہوا حماد بڑے غور سے بیشاپ کو دیکھتا رہا۔ اتنے میں بیشاپ چہرہ لولا۔ حماد! حماد! کیا وہ مقدس کتاب جس کا حصہ تم نے پڑھا تمہارے رسول پر تمہارے خدا کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ اس بار حماد کسی واعظ و ہادی کی طرح بول اٹھا۔

یشال نے بڑی بے قراری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ حماد! حماد! میں اپنے دھرم نکل کر تمہارے مذہب میں داخل ہونے کا عہد اور قرار کرتا ہوں۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ بھی تمہارے اور اسماعیل کی طرح سلمان بن سکوں۔ حماد کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور پھر اس کے ساتھ ساتھ پڑھنے پر یشال کے لبوں پر تشہید **لا الہ الا اللہ** کا ترانہ گونج گیا تھا۔

یشال نے پھر حماد کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر عقیدت و استراجم کے ساتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ حماد! حماد! آج سے تم میرے بھائی، میرے دوست، میرے مہربان اور راہنما ہو مجھے۔ ایسے کلمات سناؤ جو میں یاد کر سکوں اور جواب میں حماد اسے کلمہ طیب یاد کرانے لگا تھا۔

یشال جب کلمہ طیب زبانی یاد کر چکا تو حماد سے کہا۔ حماد! تم تو آج متھرا چلے جاؤ گے۔ اسماعیل کو سمجھا دینا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں پر میرا مسلمان ہونا ابھی راز ہی میں رہے۔ اسے یہ بھی کہنا مکمل تندرست ہونے تک وہ یہیں رکا رہے پھر میں خود اسے اس کی بستی چھوڑنے جاؤں گا۔ کچھ دن وہاں اس کے اور دیدار ہو کر کے ہاں رک کر سارے مذہبی امور بھی سیکھ لوں گا۔ حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تم فکر نہ کرو میں اسماعیل کو سب کچھ سمجھا دوں گا۔

یشال کچھ اور کہنے والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوتی اور وہ خاموش ہو گیا۔ حماد نے اٹھ کر جب دروازہ کھولا تو رتنا اندر داخل ہوتی تھی۔ حماد رتنا پر نفرت کی ایک نگاہ ڈالنا ہوا باہر نکل گیا اور رتنا آگے بڑھ کر یشال کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھی۔

سورج شام کے اندھے کنوئیں میں اتر گیا تھا۔ پرندے اپنے آشیانوں اور بونستی بستیوں کو لوٹ رہے تھے۔ کوہستانوں کے دامن یوں ویران اور افسردہ ہو گئے تھے جیسے سخت لاجپادگی کے عالم میں سورج غروب ہوتے وقت کسی بے بس بیوہ کے آنسو بہہ نکلے ہوں۔ بدری ناٹھ سے رخصت ہونے کے بعد حماد بھیم سین سے نکل کر دریائے سرسوتی کے اس چوٹی پل کی طرف جا رہا تھا جس کے ذریعے اس نے سرسوتی کے مشرقی حصے کی طرف جانا تھا۔

عین اس وقت جبکہ شام کے زریاں جلنے لگے رات کی سیاہی میں ڈوبنے لگے تھے اور دھکتی شفق سرسوتی ہو کر زائل ہونے لگی تھی۔ حماد دریائے سرسوتی کا پل پار کر رہا تھا۔ دریا کے اس پار جا کر اس نے مڑ کر دیکھا۔ بھیم سین کی اونچی اونچی اٹاریوں کے گل فروش نظارے چاندنی میں نہا گئے تھے۔ حماد نے آگے جھک کر اپنے گھوڑے کی گردن تھپتھپائی پھر اس نے اسے دایں پاؤں کی ایک سخت ٹھوک لگا دی تھی۔ گھوڑا نہنایا پھر جنوب مغرب کے رخ پر بڑی تیزی سے بھاگنے لگا تھا۔ رات بھی دن کی ساری داستانوں کے یاب بند کر کے اپنے ایسوں کے مراحل بڑی سرعت سے طے کرنے لگی تھی۔

حماد ساری رات سفر کرتا رہا۔ چاند مغرب کی طرف جھک کر غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ رات اپنے گم شدہ خزانوں کو تلاش کرتے کرتے تھک گئی تھی۔ درمطہ حیرت میں ڈوبی ہوئی کائنات کی ہر چیز بیدار ہونے لگی تھی۔ اس لیے کہ اندیشہ و قائل کو پس پشت ڈال کر نڈر اور چوکنی ہو کر پوچھوٹ رہی تھی۔ حماد اس وقت ایک گھنے جنگل کے اندر سفر

کمر رہا تھا۔
 جگل کے اندر ایک تالاب دیکھ کر وہ رک گیا۔ شاید وہاں وہ فجر کی نماز ادا کرنے کا فائدہ
 کر چکا تھا۔ گھوڑے کا دھانہ نکال کر اس نے زین سے لٹکا دیا اور گھوڑے کو گھاس چرنے کا
 لیے کھلا چھوڑ دیا۔ خود وہ تالاب کی طرف بڑھا۔ چاندنی رات میں تالاب کا نظارہ پانی پر
 لگتا تھا جیسے جنگل کی آنکھیں اُکھیں۔

دُشو کرنے کے بعد دُشوا کھڑا ہوا۔ اور ایک طرف ہٹ کر وہ نماز پڑھنا چاہتا تھا کہ
 ایک دم ہم کر دے چوکنہ ہو گیا۔ جنگل کے اندر اسے کوئی خطرناک آہٹ سنائی دی تھی جیسے کوئی درخت
 ہمزاد اس پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہو۔ حماد نے اپنی تلوار نکال لی اور اپنے چادروں کی طرف
 نگاہ دوڑائی۔ بے اختیار جنگل کے بھرپور سکوت میں حماد کے منہ سے تہقہ نہ نکل گیا تھا کیونکہ
 ایک قریبی درخت پر نیلی آنکھوں اور خاکی پروں والا ایک الو اپنے منہ سے عجیب طرح کی آواز
 نکال رہا تھا اور یہی آواز سن کر حماد ہم گیا تھا۔

اپنے گھوڑے کے قریب آ کر حماد قیل و دہر نماز کی نیت باندھنے لگا تھا کہ ایک بار وہ
 پھر ہل گیا۔ دوبارہ اس نے تلوار بے نیام کر لی اور گھوڑے کی زین سے لٹکتی ہوئی اپنی ڈھال
 اتار لی۔ اسے اُن بار جنگل کے اندر گھوڑوں کی مدہم مدہم ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی پھر یہ آواز
 تیز اور قریب ہوتی چلی گئیں۔ حتیٰ کہ حماد کے قریب آ کر گھنے درختوں کے اندر وہ آوازیں فضا
 میں مہم اور مذوم ہو گئی تھیں۔ کچھ اس طرح جیسے کسی نے جنگل کے اندر حماد اور اس کے گھوڑے
 کو دیکھ کر اچانک اپنے گھوڑوں کو روک لیا ہو۔ حماد کے لیے یہ صورت حال یقیناً پریشان کن
 جنگل کے اندر حماد کی غصیلی اور کھولتی ہوئی آواز گونجی۔ تم لوگ کون ہو اور کیوں میرا تعاقب
 کر رہے ہو۔ اگر تمہیں مجھ سے کوئی سروکار ہے تو میرے سامنے آؤ۔ جواب میں ایک مانوس آواز
 سنائی دی۔ یا امیر! میں گیان ہوں اپنے مالک کی ہدایت پر میں اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ
 کا تعاقب کر رہا ہوں۔ ہم سب آپ سے دور رہ کر آپ کی حفاظت کریں گے۔ ہمارا آپ کے
 ساتھ مل کر سفر کرنا ہم سب کے لیے خطرناک ہو گا آپ بے اندیشہ ہو کر نماز ادا کریں اتنی
 تک ہم بھی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ حماد کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ہری ہری گھاس پر اس

ایک روز شام کے وقت حماد اپنے گھوڑے کو دریا کے کنارے کنارے
 جنوب کی طرف سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ مگر سمرام وچ پر پہونے کی وجہ سے دیرا ترا ہوا تھا اور
 پانی کے کئی ایک دھاروں کے اندر ریت جھاگتے دکھائی دے رہی تھی۔ دریا کے
 وسط میں کشتیوں پر کھڑے ماہی گیر شام کلیان گاتے ہوئے جال پھینک رہے تھے۔ حماد
 نہیں رُکے بغیر آگے بڑھتا رہا۔

مخوڑی ہی دیر بعد وہ نرائن آشرم کے سامنے کھڑا تھا۔ گھوڑے سے اُتر کر پہلے اس نے
 آشرم کی اس قدیم عمارت کا جائزہ لیا جو اپنی بڑھتی ہوئی عمر میں بوسیدہ ہوتی جا رہی تھی۔ پھر
 اس نے اپنے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا اور آشرم میں داخل ہوا۔ وہ قدیم عمارت
 بہت بڑی اور پر اسرار تھی۔ چھت دار دروازے، دُور دُور تک چلی گئی تھیں۔ چھت اور دیواروں
 پر دیوی دیوتاؤں کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ حماد عمارت کے اندر آگے بڑھتا رہا۔ کچھ
 اس طرح بے بھجک ہو کر کہ وہ اکثر و بیشتر اس آشرم میں آتا جاتا رہا ہو۔ اس نے اپنے ٹاٹ کے
 پکڑوں پر ہندو شستریوں جیسا وہ لباس پہن رکھا تھا جو بددی ناتھ نے اسے پہنایا تھا اور وہ
 اپنے جلیے سے ہند کا ایک جنگجو شستری لگتا تھا۔

مخوڑی دُور آگے جا کر حماد کو ایک بوڑھا پنڈت دکھائی دیا۔ حماد نے اسے روکے
 ہوئے کہا مہاراج! پنڈت ترک گیا اور حماد کو مخاطب کر کے کہا۔ کہو بالک (بچے) کیا بات ہے۔
 حماد نے بڑی انکساری کے ساتھ اپنے سر کو نیچا کرتے ہوئے کہا! مہاراج مجھے پنڈت پرمانند
 سے ملنا ہے۔ پنڈت نے سخت ہلچے میں پوچھا تم پرمانند کو کیسے جانتے ہو۔

حماد اور نرم ہو کر بولا۔ وہ میرے ہم وطن ہیں۔ پنڈت نے پھر ٹوکتے ہوئے کہا۔ کیا تم مجھ میں
 کے رہنے والے ہو۔ جی ہاں میں جیم سین سے ہوں۔ میں وہاں کے بددی ناتھ کا گماشتہ ہوں۔
 مخترا بھادو معلوم کرنے آیا تھا۔ سوچا اپنے پنڈت جی سے ملتا جاؤں۔ پنڈت نے ایک

راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس راہداری میں تین کمرے چھوڑ کر چوتھے میں تم پرمانند لیگا۔

حماد اس کمرے کے پاس آیا اور ادھر کھلے دروازے میں سے اس نے اندر جھاڑا اندر ایک عمر رسیدہ پنڈت مرتبے، ارتکاڑ، سکون اور انجھا کی حالت میں کالے ہرن کی کھ بیٹھا جھکوان کے دھیان میں محو تھا۔ حماد نے ادھر ادھر دیکھا پاس پڑوس میں کوئی نہ تھا لہذا اندر چلا گیا اور اس پنڈت کو مخاطب کر کے کہا اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ کا نام پرمانند ہے پنڈت اپنی ارتکاڑ کی حالت سے چونکا۔ سر گھمایا اور اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے حماد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اے مورکھ! تو کون ہے۔ اور کیوں میرے دھیان میں لات مار دی ہے حماد فوراً اپنے مطلب کی طرف آتا ہوا بولا۔ میں بھیم سین کے بددی ناکھ کی طرف انتہائی اہم کام کے سلسلے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ پنڈت اپنی جگہ پر کھڑا ہوتا ہوا بولا کہ نے میرے نام کوئی اہم پیغام بھیجا ہے۔ اور جواب میں حماد نے اپنی تلوار کے میان کے سے بددی ناکھ کا دیا ہوا خط نکالا اور پرمانند کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اے پڑھ لیں بات آپ بر ظاہر ہو جائے گی۔ پرمانند نے خط پڑھا اور اسے نہ مکتے ہوئے اس نے خوشی کے اظہار میں کالی ہرن کی کھال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حماد سے کہا۔

آؤ مہاراج پدھارو! پدھارو! (بیٹھو بیٹھو) حماد اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور سرگوشی کر ہوئے کہا۔ میں بیٹھو نہ لگا نہیں۔ تم مجھے ایک خان کے متعلق کچھ بتاؤ۔ پرمانند نے بڑی عید سے کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ دیوتاؤں کے اس بھون میں ہمارے امیر تو کھڑے رہیں پنڈت پر وہمت آرام و سکون حاصل کریں آپ ہرن کی اس کھال پر بیٹھ جاتے یہ میرے لیے ایک عظیم سعادت ہوگی۔ آہستہ آہستہ پرمانند اپنی بول چال کا لہجہ بدلنے لگا تھا۔ حماد دیا ہرن کی کھال پر بیٹھ گیا۔ اور پرمانند اس کے سامنے جتنا ہوا بولا۔ ایک خا یہاں کے راجہ کی قید میں ہے۔ وہ اسے طرح طرح کی اذیتیں دے کر یہ جاننے کی کوشش رہے ہیں کہ اس نر زین میں اور کون کون اور کہاں کہاں تمہارے ساتھی ہیں۔ لیکن ایک بڑی ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہا ہے وہ صرف ایک ہی جواب دیتا ہے کہ میں

نہیں جانتا۔

حماد نے بے چین ہوتے ہوئے پوچھا۔ کیا ایک خان کو کھی طرح رہا کرایا جاسکتا ہے۔ بیشاپر سے مختصر انک میں نے جو طویل سفر کیا ہے اس کا مقصد ایک خان کی رہائی ہے۔ پرمانند نے یابوسی کے لہجے میں کہا۔ میں اپنی طرف سے کئی بار کوشش کر چکا ہوں پر میرا بہت تن ناکام رہا ہے۔ ہاں اگر آپ ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کریں تو ایک خان کی رہائی ممکن ہے۔

حماد نے بتایا ہو کر پوچھا۔ کیسے! پرمانند نے کچھ سوچ کر رہا۔ راجہ کے آدمی ہر روز شام سے قبل ایک خان کو ایک بیل گاڑی میں جوت کر شہر کے اندر گھماتے ہیں وہ اسے طرح طرح کی اذیتیں دیتے ہیں۔ چابک مارتے ہیں اور وہ بچاؤ نہ کر گاؤ (بیل) کی طرح گاڑی کو کھینچتا ہے۔ وہ اسے پیاسا رکھتے ہیں کہ اپنے راز اگل دے پراس نے بھی کچھ نہ کہنے کی قسم کھالی ہے جس وقت شہر کے بازاروں میں ایک خان گاڑی کھینچ رہا ہو۔ اس وقت اگر آپ اسے رہا کرانے کی کوشش کریں تو بہتری کی کچھ صورت نظر آتی ہے۔ ورنہ اس کا یہاں سے بچنا محال ہے۔

حماد اپنی جگہ پر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ میں پوری صورت حال کو سمجھ گیا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ میرے رب کو منظور ہو تو کل کا دن ایک خان کا متھرا کے اندر آخری دن ہو گا میں اب چلتا ہوں اور کبھی سرتے میں رات بسر کروں گا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اللہ حافظ کہا اور علیحدہ ہو گئے۔ حماد نرائن آشرم سے نکل کر دیراتے جہنا کے کنارے کنارے اب شمال کی طرف جا رہا تھا۔

رات کی تاریکی میں حماد دریا کے کنارے کنارے ایک فرلانگ اوپر جانے کے بعد جب باتیں ہاتھ مختصر شہر کی طرف مڑنے لگا تو کچھ گھوڑ سوار اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوئے آئے اور اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ حماد کے لبوں پر مسکراہٹ بگھڑی کیوں کہ وہ گیان اور اس کے چار ساتھی تھے۔ گیان اپنا گھوڑا احاد کے قریب لایا اور بڑا مودب ہو کر بولا۔

یا امیر! ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ کیا نرائن آشرم میں پنڈت پرمانند سے آپ کو کچھ

اثبات میں سر ملاتے ہوئے کہا۔ آپ کوئی حکمہ و اندیشہ نہ کریں۔ ہمارا ہر کام ہماری ہر حرکت آپ کے حکم کے مطابق ہوگی۔ اس کے بعد حماد ان سے علیحدہ ہو کر مختصر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گجیان بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے اور حماد کے درمیان ایک فاصلہ رکھ کر شہر کی طرف جا رہا تھا۔

مندرجہ ذیل کے شہر مختصر میں دوسرے روز ایک خان کو قید خانے سے نکال کر رخصت کیا ایک گاڑی کے سامنے جوت دیا گیا۔ وہ ایک تنومند اور خوب قد اور جوان تھا۔ اس کے بال سیاہ اور آنکھیں بھوری تھیں۔ ایک سپاہی رختہ کے اوپر سوار تھا اور ایک خان پر کھڑے برساتے ہوئے اسے جانوروں کی طرح ہانکنے لگا تھا۔ رختہ کے دائیں اور بائیں طرف دو دو بلم بردار سوار تھے جو محافظوں کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

ایک کی حالت بُری ہو رہی تھی اس کا لباس چٹا اور بوسیدہ تھا۔ چہرے کے لیے نظر میں جو جوان نصیبی تھی وہ دھندلی دھندلی اور بے ربط ہو گئی تھی۔ وہ بچارہ گم سم اور خاموش رختہ کو کھینچ رہا تھا۔ تماشا تیلوں کا ایک ہجوم تھا جو رختہ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کچھ لوگ ایک خان کو بھاری بھاری گالیاں دے رہے تھے اور کچھ اس پر پتھر برساکر اپنے غصے کا اظہار کر رہے تھے۔

بازار سے نکل کر رختہ جب ایک کھلی جگہ سے گزر رہی تھی۔ تماشا تیلوں میں سے دو ہند جوان آپس میں باتیں کرتے ہوئے نکلے اور رختہ کو پیچھے سے پکڑ کر ایک خان کو روکنا چاہا۔ دوسری طرف ایک خان نے بھی جھک کر زور لگایا اب ایک طرح سے زور آزمائی شروع ہو گئی تھی ان دونوں جوانوں نے رختہ کو روکنا چاہا اور وہ اپنا پورا زور صرف کر رہے تھے لیکن وہ ناکام رہے کیونکہ ایک خان کسی مست دے خود شرف کاو کی طرح انہیں گھسیٹتا ہوا آگے کھینچنے لے گیا تھا۔ ان دونوں نے اپنے ایک اور ساتھی کو بلالیا اور زور لگا کر ایک خان کو روکنا چاہا۔ لیکن وہ تینوں مل کر بھی ایک خان کو روک نہ سکے اور وہ بہادر دے لوت ترک ان تینوں کو کھینچتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

اچانک ایک طرف سے حماد اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ رختہ کے پاس آ کر وہ اپنے گھوڑے

حاصل ہوا ہے۔ حماد نے اپنا گھوڑا چڑھ کر آگے بڑھا کر گجیان سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ سنو! آج کی یہ رات ہم مختصر شہر کے اندر علیحدہ علیحدہ سرائوں میں بسر کریں گے۔ راجہ کے سپاہی، شام سے قبل ایک خان کو بیل گاڑی میں جوت کر شہر کے اندر گھماتے ہیں۔ ایسا کرنے سے ایک مقصد تو عورت خیزی ہے دوسرے وہ ایک خان کو اذیت پہنچا کر اس سے اس کے اکلوانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس سرزمین میں اور کون کون لوگ ہیں جو غریبی مسلمانوں کے حق میں کام کر رہے ہیں۔ ایک خان ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ کلی وہ ایک خان کو باز لائیں گے۔ تو میں کسی یہاں اس کی گاڑی کو روکوں گا۔ تم بھی اپنے ساتھیوں ساتھ وہاں موجود رہنا پر ایک طرف اور علیحدہ ہٹ کر کھڑے رہنا جہاں سے تم آسانی۔ ساتھ بھاگنے میں کامیاب ہو سکو۔

تم میری طرف دھیان رکھنا۔ جب میں تمہیں اپنے دائیں ہاتھ کا اشارہ کروں تم اس ساتھیوں کے ساتھ راجہ کے سپاہیوں پر تیر چلا دینا۔ کچھ تیر وہاں کھڑے تماشا تیلوں پر چھو دینا اس طرح وہاں جھگڑا اور ہراس مچ جاتے گا اور میں ایک خان کو کھینچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ تم جب دیکھو کہ میں ایک خان کو لے کر نکل گیا ہوں تو تم بھی وہاں سے فرار ہو۔ کی کوشش کرنا۔ شہر سے نکل کر سیدھا جیم سین کا رخ نہ کرنا۔ اس طرح ہمارے اور بد رو کے لیے خطرناک صورت حال پیدا ہو جاتے گی۔ میرے پیچھے پیچھے آنے کی کوشش کرنا۔ میں شہر سے نکل کر دریا جمنہ کے کنارے کنارے جنوب کی طرف پانچ میل تک جاؤں گا۔ وہاں سے میں دائیں طرف گھوم کر جیم سین اور دریا تے سرسوتی کی طرف جانے۔ بجائے جمنہ کو پار کر کے مشرق کی طرف چلا جاؤں گا۔ اس طرح راجہ کے آدمیوں نے اگر ہمارا تعاقب کیا تو وہ دھوکہ کھا جائیں گے اور وہ ہمیں دریا تے جمنہ کے مشرقی علاقوں میں تلاش پھریں گے۔ وہاں پھر میں جنوب کی طرف سفر شروع کروں گا اور پانچ میل اور جنوب کی طرف کے بعد جمنہ کو دوبارہ عبور کر کے میں مغربی کنارے پر آؤں گا۔ اور وہاں سے عام راستوں کو چھوڑ جنگل اور گھاس کے اندر میں جیم سین کی طرف بڑھنے کی کوشش کروں گا۔

حماد نے اطمینان کرنے کی خاطر گجیان سے پوچھا۔ کیا تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو۔ گجیان

ان کی موجودگی میں وہ کچھ بھی کہنا پسند نہ کرے۔ رتھ بان نیچے اتر گیا اور بلم بردار محافظوں کی مدد سے وہ تماشاخیوں کو پیچھے ہٹانے لگا تھا۔

حماد اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر ایک خان کے پاس آیا اور بڑی شفقت سے سرکشی کی ایک خان! ایک خان! میں تمہارا دشمن نہیں۔ دوست اور بھائی ہوں۔ میری طرف دیکھو میرا ٹھکانہ منظر انہیں نیشاپور ہے۔ کیا تم اس بددلی ناخو کو جانتے ہو جس کا اصل نام ابوالفتح ہے۔ ایک خان نے اسے ایک چال سمجھا اور بے دخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ میں کسی نیشاپور اور کسی ابوالفتح کو نہیں جانتا۔ میرے پاس تمہارے سامنے اگلنے کو کچھ نہیں ہے۔

حماد نے اس بار دلخراش آواز میں کہا۔ ایک خان تصورات کے گرداب سے نکل اپنی نگاہوں کے حجاب کو توڑ کر میری طرف دیکھو۔ پھر حماد نے ایک خان کا شانہ پکڑ کر بلایا۔ میرے غیور طبقہ ترک بھائی اس دوسرے اضطراب کو چھوڑ داپنے انتہا پر اور جنون کو حرکت میں لاؤ اور آؤ دونوں مل کر اپنے دشمنوں کے ساتھ ہائل و قابیل کا کھیل کھیل کر ان کے ناپوں کی سمجھارت اور موت کی راکھ سے ڈونڈ کر جائیں۔ حماد کی باتوں پر ایک خان کی حالت برق کے مارے ہوئے کسی سال کے درخت جیسی ہو گئی تھی۔ وہ دیوالا کے کسی بوڑھے درخت کی طرح اداس اور کسی قدیم بت کی طرح خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کچھ بے ربط سے کلمات کہے پھر اس نے سخت آواز میں کہا جس طرح شعبدہ وزنگ چھپے نہیں رہتے اسی طرح تم ہندوؤں کی ذہنیت بھی مجھ سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

حماد نے اس بار ذرا سخت ہلچے میں کہا۔ ایک خان مکھ رکھو۔ میں تم سے کسی اندھی عقیدت کا اظہار نہیں کر رہا۔ بتاؤ میں تمہارے حمیر کے کون سے عکس میں تلاش کروں۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو یہ لوگ تمہیں اپنے ظلمت و عصیان میں بے بصیرت کر دیں گے اور تمہارے حکم کو یوں نوج لیں گے جس طرح سیکنڈوں جھوٹے گدھے کسی بیل کی لاش کو نوچتے تھے ٹھوڑے ہیں۔ تم میری ملت کے ابطال و صنادید میں سے ایک ہو۔ آؤ۔ آؤ میرے بھائی! دونوں مل کر ان کے لیے سنگ و شہر و تیشہ جیسی ضرب بن کر انہیں زخم زخم کر کے

سے اترا اور شادے سے ان تینوں ہندو جوانوں کو پیچھے ہٹ جانے کو کہا جو ایک خان کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ تینوں جوان پیچھے ہٹ کر تماشاخیوں کے اندر کھڑے ہوئے۔ حماد آگے بڑھا اور رتھ کو پیچھے سے پکڑ کر روک دیا۔ ایک نے ایک بار مڑ کر پریشانی سے بڑا دیکھا۔ اس نے جب دیکھا کہ صرف ایک جوان نے رتھ کو پیچھے سے پکڑ کر روک دیا ہے تو غصہ سے سرخ ہو کر رہ گیا اور اپنی پوری قوت کے ساتھ اس نے رتھ کو آگے لیجا ناچا ہاپر کامیاب نہ ہوا تھا۔ حماد نے رتھ کو یوں روک دیا تھا گویا اسے کسی مضبوط اور ناقابل حرکت سے باز دھ دیا گیا ہو۔

ہزاروں تماشاخی جو ادھر دھڑکھڑے تھے۔ اس مقابلے کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے ان کی نگاہوں میں حماد کی قدر اور عزت بڑھ گئی تھی کہ اس نے رتھ کو پیچھے سے پکڑ کر روک دیا جبکہ اس سے قبل تین جوان مل کر بھی ایک خان کو روک دینے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے خان زور لگا لگا کر تھک گیا اس کا بدن سر دی کے باوجود پسینہ پسینہ ہو کر رہ گیا تھا۔ حماد اور زور لگایا اور چند قدم تک رتھ کو ایک خان سمیت گھسیٹتا ہوا پیچھے لے گیا۔ ایک نے بھی زور لگا کر رتھ کو پیچھے جانے سے روکنا چاہا تھا پر وہ بچا رہ ناکام رہا تھا۔ رتھ ہانکنے والے سپاہی نے لگا تار دو تین کوڑے ایک خان پر برساتے ہوئے اور کانٹے والی آوازیں کہاں غدار! کتے! حرامی! اب زور لگاتاؤ۔ حماد نے رتھ کو کچھ دیا اور رتھ بان کے پاس آکر اس نے بڑی شائستگی سے کہا۔ مہاراج! اگر آپ کی اجازت تو میں اس کے کچھ راز اگلاؤں گی کی کوشش کروں۔

رتھ بان نے سہماتے ہوئے کہا ضرور کوشش کرو۔ حماد نے پھر کہا۔ پہلے میں اس کا دہن کر اس سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کروں گا اگر میں ناکام رہا تو اسے رتھ سے علیحدہ کر کے پرائیوٹی سٹی کوڑ لگا کر یہ تکلیف سے بلبل کر ہر بات اگل دینے پر مجبور ہو جائے گا۔ رتھ بان مشکور لگا ہوں سے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اگر تم ایسا کرو تو ہم پریشان ہوگا۔ اس طرح راجہ کی نگاہوں میں ہماری عزت بڑھ جائے گی۔ حماد نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے رتھ سے کہا۔ تم تماشاخیوں اور ان بلم بردار پہریداروں کو ذرا دُور رکھنے کی کوشش کرو۔ ہوسنا

میرا شروع کر دیتے پہلی ہی باڑھ میں رتھ بان اور سارے بلم بردار مارے گئے۔ پھر رتھوں کی باڑھیں تماشاویوں پر ماری گئیں۔ کئی لوگ جینیں مارتے ہوئے ہلاک ہو گئے تماشاویوں ایک جھگڑے میں گئی۔ اور جس طرف جس کا منہ اٹھا اندھے اونٹ کی طرح بھاگنے لگا تھا۔ سہاگنے فوراً تلوار نکال کر ان دسوں کو کاٹ دیا جس سے ایک خان رتھ کے ساتھ بندھا ہوا پھر حماد ایک جہت کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور مڑ کر ایک خان سے کچھ کہنا چاہتا رہا ایک خان نے کسی خوشخوار چیتے کی طرح ایک لمبی زندقہ لی اور حماد کے گھوڑے پر اس کے بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ میں نہیں جانتا تم کون ہو۔ اس کے باوجود تم اگر مجھے جہنم میں بھی چلو تو بھی میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ حماد نے اپنی تلوار اور ڈھال ایک خان کو اتارے ہوئے کہا میری تلوار اور ڈھال سنبھال لو۔ میں گھوڑے کو ایڑھ لگانے لگا ہوں جو بھی ناہارا راستہ روکنے کی کوشش کرے اسے کاٹ دو۔

ایک خان نے تلوار اور ڈھال سنبھال لی۔ حماد نے باتیں ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ دایں ہاتھ میں زین سے لٹکتا ہوا اس نے اپنا بھاری جنگی گرز سنبھال لیا اور گھوڑے کو ایڑھ دی تھی۔ گھوڑا دونوں کو لے کر سرپٹ دوڑ پڑا اور جو بھی ان کے سامنے آنے کی کوشش کرتا وہ دے کر گز اور ایک کی تلوار کا شکار ہو جاتا اس طرح وہ شہر سے نکل کر دیارے جہان کی طرف اٹل نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ گیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک دوسرے راستے ذریعے شہر سے نکل کر جہان کی طرف چلا گیا تھا۔

عالم کے بے نور سٹوں پر نگین موت کی سی رات اپنے گھپ اندھروں کے ساتھ اپنے پیکھ جاکھائی۔ فضا بنوہ خوابیدہ کی طرح چپ اور آسمان جو اپنے پرچم مہر و ماہ سے محروم اس پر آوارہ ابراہیم دھڑ دھڑ رہے تھے۔ بنا کے سیاہ پوش کنارے کے ساتھ ساتھ دھڑکی سخن کی طرح اپنے پوری کاوش و اخلاص سے کھوڑے کو جھگانا جا رہا تھا۔ اور اس کا رن گھوڑا بھی دونوں کو لیے نفع و ضرر سے بے پرواہ کسی دھندلے راستے، بے خانہ خیال

یہاں سے بھاگ چلیں۔ میرا گھوڑا یہ سامنے کھڑا ہے۔ یہ ہم دونوں کو آسانی یہاں سے لے بھاگے گا۔ ایک خان اب بھی چپ تھا کسی مرتد کی اداسی اور بے نام راستوں کی فردا مذنگی اور ذلت آمیزی کی طرح۔ حماد نے پھر بڑی شفقت سے کہا۔ میرا بازو دن کر مجاہد کے ضمیر کی طرح بیدار ہو جائے ایک خان! کن سوچوں میں الجھ گئے ہو۔ اپنی روح کو پچا تو قسم ہے مجھے ترکوں کے غورو مختال کی اگر تم میرا ساتھ دو تو میں ان دشمنوں کے دہر کو دیر نہ اور ان کی شخصیتوں کو سحر کے سحر کی طرح لہو لہو کر دوں گا۔

حماد نے ذرا رک کر کہا۔ ایک خان قسم ہے تجھے طاثر۔ سدرہ نشین اور جبل خاران کی اس مقدس و محترم غار کی جس کے اندر نور سعادت طلوع ہوا تھا اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تیرے خون کی حرمت کو نظر انداز کرے تجھ پر سختی کر دوں گا اور تجھے یہاں سے لے بھاگوں گا۔ یا دکھو میں تم سے کفر و نہنیں ہوں تو کب شہر سے باہر صنوبر کے درخت سے بندھا ہوا جو رستہ تم نے توڑا تھا ویسا ہی رستہ دہرا کر کہیں میں ناصر الدین کی موجودگی میں توڑ چکا ہوں اور اس نے مجھے تمہاری مدد پر روانہ کیا ہے۔

ایک خان کا چہرہ تہمتا اٹھا۔ اس کے چہرے پر دھواں دھار جذبے پھیلنے سٹنے لگے تھے۔ حماد نے پھر بول کر اسے چونکا دیا۔ ایک خان میں تمہیں مقرر کے اندر موت کی کوٹھڑی میں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔ ان ایں واں کے جذلوں سے بلند ہو کر مجھے صنوبریں تمہارے دشمنوں کو کھ خاک کی طرح اڑا کر ان کے جسموں پر ایسے زخم لگاؤں گا جو شفا کی دسترس سے باہر ہوں۔ سنو وقت آگیا ہے کہ تم میرے ساتھ اس دیار و دشت سے بھاگ چلو۔

ایک خان کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی لیکن وہ ایسا صابرجوان تھا کہ منہ سے اس نے پھر بھی کچھ نہ کہا۔ حماد نے پھر سرگوشی کو نہ ہوتے کہا۔ ایک خان! دیکھو میں اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کر کے اپنا عمل شروع کرنے لگا ہوں۔ پھر دیکھنا تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے میں کیسے خاک کو کیمیا بنا دیتا ہوں اور یہ جو ان گنت فرعون ہمارے اطراف میں کھڑے ہیں ہمارا کچھ جگاڑ نہ سکیں گے۔

حماد نے اپنا دایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ دوڑ کھڑے گیان اور اس کے ساتھیوں نے اندھا

آوارہ گرد خواہش اور حواس پر لگندہ کی طرح اڑا جا رہا تھا۔ بے خواب دے چاند رات میں کا گہرا سکوت تھا۔

پانچ میل تک جتنا کہ کنارے کنارے سفر کرنے کے بعد حماد نے گھوڑے کو دیا میں ڈال دیا۔ اور گھوڑا ہنہاتا ہوا دریا کے گھٹنے گھٹنے پانی میں سے گزر کر وہ کنارے چلا گیا۔ گیان بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ حماد کے پیچھے پیچھے تھا۔ دوسرے کنارے پر جا کر حماد رک کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد گیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور وہ سب لوگ کچھ اس طرح اور اس انداز میں ایک خان سے ملنے جس طرح کسی لشکر کے سپاہی اپنے جنرل سے احترام و عزت سے پیش آتے ہیں۔ اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے گیان نے ایک خان سے کہا۔ یا امیر آپ گھوڑا لے لیجئے۔ اس کی زمین سے فالو تلوار اور ڈھال بھی بندھی ہوئی ہے۔ میں اپنے ساتھی کے گھوڑے پر بیٹھ جاتا ہوں۔ ایک خان نے حماد کی ڈھال اس کے گھوڑے کے سے لٹکائی اور تلوار اس کی کمر سے لٹکتے ہوئے میان میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ آپ نے ایک بیہ نہیں بتایا۔ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ پیشاپور سے آپ کا کیا تعلق؟ ناصر الدین کو آپ کیسے جانتے ہیں اور یہ بات آپ کے علم میں کیونکر آئی کہ بدی نا تھا؟ نام ابراہیم ہے۔ ایک خان گھوڑے سے اتر کر اپنے سوالوں کے جواب کا انتظار کر لگا تھا۔

حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ان سوالوں کے جواب کا ابھی وقت نہیں۔ ہمیں فوراً سے کوچ کرنا چاہیے۔ ان سب سوالوں کے جوابات تم بدی نا تھا گیان سے حاصل کرے ہو۔ یہ دونوں میرے سب رازوں اور میری اصلیت سے آگاہ ہیں۔ حماد اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ایک خان گیان کے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ گیان اپنے ایک ساتھی کے گھوڑے پر چڑھ گیا اور یوں ایک بار پھر وہ دیاتے جتنا کہ کنارے مالتی کی جھاڑیوں کے اندر کھاتی اور تھپی ٹھپی ٹھپی ٹھپی پر اپنے گھوڑوں کو سر پٹ دوڑا رہے تھے۔

پانچ میل اور نیچے جا کر ایک بار پھر وہ جتنا کہ کوچہ کو گھومنے پر آئے اب

جنگل کے اندر اپنے گھوڑوں کو قصبہ جیم سین کے درخ پر دوڑا رہے تھے۔ دوسرے طرف سے چاند طلوع ہوا تھا۔ جنگل کے درخت چاندنی رات میں یوں اداس اور مضطرب کھڑے تھے جس طرح ڈوبتے سورج کے وقت قید خانے کا کوئی قیدی اپنی بے بسی و بد بختی پر رو پڑا ہو۔ یا جیسے کئی برسوں پرانی اور ابڑھی ہوئی کسی خانقاہ میں اداس چاندنی رات سک کر رہنے لگی ہو۔ بالکل اسی طرح جنگل کی ہر نباتات چاندنی رات میں دل گرفتہ اور آرزوہو کر یوں کھڑی تھی گویا وہ مشیت کے ان کارکنوں اور گماشتوں کا انتظار کر رہی ہو جو اپنے راستوں سے جھٹک کر کہیں کھوہ گئے ہوں۔

بغتاً حماد نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف غور سے دیکھتا ہوا لڑک جادو اس کی آواز میں ایسی فکر گیری تھی گویا اس نے کوئی نہایت مکر وہ چیز کو دیکھ لیا ہو اور وہ اس سے اپنے ساتھیوں کی حفاظت کرنا چاہتا ہو۔ وہ جنگل میں اپنے سامنے یوں بیٹائی اور غور سے دیکھنے لگا تھا جس طرح اذان سے قبل کوئی وزہ دار بڑی بیٹائی دے صبری سے مغرب کی طرف دیکھتا ہے۔ اس دوران ایک خان نے حماد کو خطاب کرتے ہوئے پوچھا۔

آپ رک کیوں گئے۔ کیا کوئی خطرے کی بات ہے۔ حماد نے اپنے کان کو ہاتھ سے پکڑ کر دہرا کرتے ہوئے کہا۔ ایک خان اسنو غور سے سنو! کیا تم جنگل کے اندر گھوڑوں کی ٹاپوں کی دھم دھم آواز نہیں سن رہے ہو۔ ایک خان کچھ دیر غور سے کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا پھر اس نے فکر مند سی سے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کا اندازہ درست ہے۔ جنگل کے اندر ایک ساتھ کئی گھوڑے بھاگ رہے ہیں اور ٹاپوں کی آواز لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جا رہی اس کا مطلب ہے ان کا رخ ہماری طرف ہے۔

گھوڑوں کی ٹاپیں اب صاف سنا دیں گی جتنیں۔ حماد نے پھر آوازوں کو غور سے سنتے ہوئے کہا۔ سنو! ایک خان! ان آنے والے سواروں کی تعداد دس سے کسی طور زیادہ نہیں ہے۔ اور ان کی آمد سے یہ اندازہ لگانے میں کوئی غلط فہمی نہیں رہتی۔ یکہ متھرا کے سپاہی مختلف ٹولیوں میں چاروں طرف پھیل کر ہمیں تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں

سنو ایک خیال الحب لله البغض لله۔ جب تک میرے جسم میں خون کا آخری قطرہ بھی ہے
ہر ن کی مانند صیاد سے اور چڑیا کی مانند چڑی مار سے تم سب کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ ایک
حوصلہ نہ ہانا۔

ایک خان نے چچائی تانتے ہوئے کہا۔ اے میرے گنام و جانبی محسن درنا ہمارا
ہم پر حملہ آور ہو گا تو آپ دیکھیں گے۔ ایک پانچ سات کو لئے بغیر موت کو اپنے آپ سے لگا
ہونے دے گا۔ قسم ہے مجھے بدر و خنین کے مجاہدوں کے گھوڑوں کے سمول سے اڑنے والی
ایک خان جنگ میں اپنے محسن کو پاؤں سے نہ کرے گا۔

ایک خان کو خاموش ہو جانا پڑا کیونکہ سامنے کی طرف سے کچھ سوار نمودار ہوئے تھے
ان سب کو گھیرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ ایک خان نے انہیں گنا وہ حماد کے اندازے
مطابق واقعی دس تھے۔ ایک خان نے دیکھا حماد کا ایک ہاتھ اپنی ڈھال اور دوسرا اپنے
گرز پر تھا۔ ایک خان اور دوسرے ساتھیوں نے اپنے اپنے ہتھیار بنبھال لیے تھے۔ چچا
نے ان سواروں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

تم لوگ کون ہو اور کیوں ہمارا گھیراؤ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ ان میں سے ایک
ایک خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ مقرر کا یہ قیدی اتنی آسانی کے ساتھ یہاں سے بھا
جانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تم سب نے اسے رہا کر دھرم و دیش کا ہمارا پاپ کیا۔
ہمارے ہاتھوں مرنے سے قبل یہ بتا دو کہ تم غداروں کا تعلق کہاں سے ہے اور تم کس نگر
باسی ہو؟

حماد کی حالت اس درندے اور افغی جیسی ہو گئی تھی جو کاٹ اور ڈس لینے کا مصم
کر چکے ہوں۔ اپنے آہنی گرز کو ماہی گیر کی تیر ل کی طرح ہوا میں لہراتے ہوئے اس نے سار
جیسی پھنکارتی آواز میں اپنی غصیلی روح کی گہرائی سے کہا۔ تمہاری باتیں ایسی کھوکھلی اور بھٹکا
ہیں جیسے احمق کا منہ حماقت اگلتا ہے۔ میں تمہارے چہرے پر غم و لہر کی کدورت نہا دیتی
یا ایسی پھیلا دوں گا۔ تمہاری ہڈیوں میں بے فرائدی و بے چینی بھر دوں گا اور ایک نئے قہر کے سا
پر اپنے گرز تم کو لکڑی بارش کروں گا۔ اس تاریک اور اندھیری رات میں تمہیں میں فنا کا وہ تماشا دکا

تو نہیں جنگی سوار جان کر تمہارے ناک میں موت کی نیند ڈال کر میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔
میرا رب میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے سرفرازی بخشنے کا۔

آنے والے سوار بھی گھبرا کر کھل بھی نہ کر پاتے تھے کہ حماد غصے میں کوسلے کی طرح سگ اٹھا اس
نے گرز نگھایا۔ گھوڑے کو ابڑھ لگائی اور سارے آسمانوں پر گردش طاری کر دینے والی تکبیر بلند کی
اللہ اکبر، وہ اس چوپان کی مانند حملہ آور ہوا تھا جس کے سامنے اس کے ریزہ کو کسی نے نقصان پہنچانے
کی جرات کی ہو۔ اس نے اپنے گرز سے ایسا شیشا کا حملہ کیا تھا کہ اپنے پہلے ہی حملہ میں اس نے
اپنے تین دشمنوں کے سر اپنے گرز سے پھاڑ کر رکھ دیئے تھے۔

اس کے پیچھے پیچھے ایک خان، گیان اور اس کے ساتھی بھی جنگ میں کود گئے تھے۔ ایک
خان کے اڑنے کا انداز ایسا تھا گویا ویران جنگل میں کوئی بھوکا درندہ پھیر گیا ہو۔ اس نے اپنے ایک
ہی حملے میں دو دشمنوں کے سر کاٹ دیئے تھے۔ حماد جب دوبارہ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرنا ہوا حماد
ہوا تو ایک خان نے عجیب سے جوش اور دلہے میں حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میرے دوست! میرے حبیب! کہو کہو۔ پھر کو۔ اس اسم مقدس کا نعرہ پھر مارو۔ حماد نے
پھر تکبیر بلند کی۔ ایک نے اس بار گیان اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
دوستو! تم بھی نعرہ مارو ہاں اسی اسم غلیم کا نعرہ مارو۔ گیان اور اس کے ساتھیوں نے ایک خان
کے ساتھ مل کر ایسی تکبیر بلند کی کہ جنگل تک لرز اٹھا اور جب وہ اپنے پینتر سے بدل کر حملہ آور ہوتے
تو انہوں نے دیکھا حماد دو اور دشمنوں کے سر پھوڑ چکا تھا۔ اب باقی صرف تین رہ گئے تھے جن میں
سے ایک ایک خان کا شکار ہو گیا اور دوسرے دونوں کو گیان اور اس کے ساتھیوں نے ختم کر دیا
تھا۔

چاندنی رات میں ایک خان حماد کے قریب آیا۔ حماد کے ٹاٹ کے کپڑے اور اس کا
گرز خون آلود تھا۔ ایک خان نے بڑی عقیدت و احترام سے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا میرے
محسن! میرے حبیب۔ خدا کے لیے بتائیے آپ کون ہیں اور کہاں سے آتے ہیں۔ میں نے
اپنی زندگی میں پہلی بار آپ جیسا سحر فوجی دیکھا ہے۔ میں اس وقت بھی آپ سے بہت کچھ جانا

چاہتا تھا جب آپ نے اس رتھ کو روک دیا تھا جس کے آگے اہل متحیرانے مجھے بیل کی باز جوتا ہوا تھا۔

حماد اپنا گھوڑا ایک خان کے قریب لایا اور اس کا شانہ بچھتھپاتے ہوئے کہا۔ ایک خان تم ایسے فکر مند نہ ہو۔ قصبہ صمیم سین میں بدری ناتھ کی حویلی میں جا کر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ میرے پاس تمہارے نام ایک خط بھی ہے جو مجھے ہرات کے والی ناصر الدین نے دیا تھا۔ پہلے مل کر ان ساری لاشوں کو دفن کر کے خون کے دھبے مٹا دیں تاکہ ان کی لاشوں کو دیکھ کر گواہ ہمارے گھوڑوں کے سم پہچان کر ہمارے تعاقب میں نہ آتے۔ سب نے مل کر ان کی لاشوں کو دبایا۔ پاؤں سے دگر دگر کر خون کے دھبے مٹانے کے بعد وہ شمال مغرب کے رخ پر صمیم سین کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

صبح ہونے میں ابھی کچھ دیر تھی کہ گیان بدری ناتھ کی حویلی کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ حماد، ایک خان اور دوسرے ساتھی اس کے پیچھے کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر حویلی کے اندر کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی پھر کوئی اٹھا۔ اس نے کتے کو بانڈھ دیا اور پھر حویلی کا دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا حویلی کا ایک ملازم تھا۔ سب حویلی میں داخل ہو کر گیان کے ساتھی سارے گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گئے۔ جیکہ گیان حماد اور ایک خان کو اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد بدری ناتھ حویلی کے اندر سے نکلا اس کے ہاتھ میں چلتی ہوئی مشعل تھی۔ اصطبل کی طرف جاتے ہوئے اس نے اس ملازم کو آواز دیکر پکارا جس نے حویلی کا دروازہ کھولا تھا۔

وہ ملازم بھاگتا ہوا جب بدری ناتھ کے پاس آیا تو بدری ناتھ نے پرتھس آواز میں پوچھا۔ حویلی کے دروازے پر کس نے دستک دی تھی۔ ملازم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ مالک! گیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے۔ بدری ناتھ نے بڑے شوق سے پوچھا کیا حماد بھی ان کے ساتھ ہے۔ ملازم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ صرف آقا حماد ہی نہیں امیر ایکٹا بھی ان کے ساتھ ہیں۔

بدری ناتھ نے گیان کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ میرا دل پہلے ہی کہتا تھا نیشاپور کا یہ شاہین جس کام کو بھی ہاتھ ڈالے گا۔ ناکام نہ رہے گا۔ حماد، ایک خان اور گیان اکٹھے بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ بدری ناتھ اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی ایک خان اٹھا اور آگے بڑھ کر بدری ناتھ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ مجھے آپ ہی کا انتظار تھا۔ پھر اس نے حماد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں ان کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔ انہوں نے اپنے متعلق مجھے کچھ نہیں بتایا۔

قبل اس کے بدری ناتھ کچھ کہتا حماد نے اپنے سر سے اپنا خود اتار اور اس کے اندر لگے ہوئے چڑے کی نر میں سے اس نے ایک کاغذ نکالا اور ایک خان کو تھماتے ہوئے کہا۔ اسے پڑھ لو یہ تمہارے نام ناصر الدین کا خط ہے۔ بدری ناتھ اور ایک مشعل کی روشنی میں دونوں خط پڑھنے لگے تھے۔ آخری ختم کر کے ایک خان نیچے جھکا اور حماد کے دونوں گھٹنے پکڑتے ہوئے کہا۔ آج سے آپ میرے امیر اور میں آپ کا ایک ادنیٰ سپاہی۔ حماد نے بڑی عاجزی سے کہا۔ نہیں یہاں کی امارت تمہارے پاس ہی رہے گی۔ میں تمہارے ماتحت کام کرتے ہوئے فرخوس کو فرنگا۔

ایک خان نے بڑی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ یہ کیونکہ ممکن ہے۔ آپ کی موجودگی میں ایک خان قطعاً امارت کے منصب کے قابل نہیں ہے۔ آپ مجھ سے زیادہ طاقتور اور بہتر جنگی مہارت رکھتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میں آپ جیسے امیر کے تحت کام کروں گا۔ خدا کی قسم ایک خان حکم دینے نہیں اتنا ع کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔

حماد کھڑا ہو گیا اور ایک خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ آؤ پہلے نماز پڑھ لیں پھر دونوں اپنی نئی مہم کی طرف روانہ ہو جائیں۔ بدری ناتھ نے پریشان ہو کر پوچھا۔ کون سی نئی مہم۔ حماد نے بھاری اور سنجیدہ آواز میں کہا۔ ننگر کوٹ جہاں یوپی ملت کی ایک بیٹی وہاں کے پنڈتوں کی قیدی میں ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو میں اسے واپس لانے میں ضرور کامیاب ہوں گا۔ اگر وہ قصاب اسے اپنے بتوں پر قربان کر چکے ہیں تو خداوند کریم کی روح کو سکون اور راحت بخشنے۔

پھر ایک خان کے دیکھتے ہی دیکھتے حماد نے اپنے آہنی پنجے کو خوب قوت سے گھا کر اوپر پھینکا پہلی بار ہی وزنی اور نوکریل انگلیوں کا پنجہ دیوار نما اس پہاڑ کے اندر کہیں ایک گہرا تھا۔ حماد نے اس سے بندھے ہوئے رستے کو زور سے نیچے کھینچ کر پہلے اس کی مضبوطی کا اندازہ پھر وہ اپنے گھوڑے کے پاس آیا تیروں سے بھرا ہوا اپنا ترش کمر پر باندھا۔ ڈھال اور کمان اس نے کندھے پر لٹکالی اور دوبارہ رستے کے پاس آکھڑا ہوا۔ ایک خان نے بھی حماد کی طرح اپنے آپ کو مسلح کر لیا تھا۔

حماد نے رستے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر ایک جھٹ لگائی اور غوطہ ادا پر جا کر اس رستے کو اپنے دونوں پاؤں اور ٹانگوں کے درمیان دبا کر اوپر چڑھتے ہوئے کہا۔ ایک خان جس طرح میں اوپر چڑھ رہا ہوں۔ اس طرح تم بھی میرے پیچھے آنے کی کوشش کرو۔ یاد رکھو کہ آواز پیدا نہ ہونے پاتے ورنہ ہماری یہ خطرناک مہم ناکامی کا شکار ہو جائے گی۔ دونوں اپنے ہاتھوں پاؤں اور ٹانگوں کی مدد سے بڑی تیزی کے ساتھ اوپر جا رہے تھے۔

اس جگہ اکثر جہاں آہنی پنجہ ایک چٹان کے اندر پھنسا ہوا تھا۔ حماد نے چند لمحوں تک ادھر دیکھتے ہوئے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ پھر تاریکی میں اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ جہاں پہ پھنسا ہوا تھا اس سے ذرا اوپر چٹان کا ایک حصہ کافی آگے کی طرف ابھرا ہوا تھا۔ حماد نے ایک کوشاں رستے سے اوپر آنے کو کہا اور دونوں چٹان کے اس ابھرے ہوئے حصے پر جا کھڑے ہو گئے۔ پھر حماد نے ہاتھ نیچے پھیلا کر اپنے پنجے کو چٹان کے اندر سے نکال کر اس سے بندھ ہوئے رستے کو حلقے کی شکل میں سمیٹا اور پنجے کو دوبارہ اوپر پھینکا۔ پنجہ پھر بھی چٹان کے اندر پھنس گیا اور دوبارہ وہ اوپر چڑھنے لگے تھے۔ اس طرح دوبارہ اوپر پنجے کو اوپر پھینکے کے بعد وہ دوبارہ اپنا پہاڑ کے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تھے جس کے اوپر جھیم نام کا وہ مندر تھا۔

لے بکر کوٹ کا یہ قلعہ نامندر قلعہ جھیم کے نام سے مشہور تھا۔ اسے ایک بلند اور تین اطراف ناقابل تسخیر پہاڑ کے اوپر مشہور ہندو راجہ جھیم نے تعمیر کرایا تھا ہندوستان میں بیہتوں کا سب سے بڑا مرکز تھا اور یہاں کا پودت سارے ہند کے راجاؤں پر اپنا اثر و رسوخ رکھتا تھا اس مندر کے بتوں میں آنکھوں کی جگہ موتی بڑے گئے تھے۔

پہاڑ کے اوپر اگر حماد نے پنجے کو ایک چٹان کے اندر پھنسا کر اس سے بندھے ہوئے رستے کو نیچے گرا دیا۔ پھر حماد نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ایک! ایک! جس طرف سے ہم اوپر آئے ہیں گویہ مندر کا بچھوڑا ہے پراس کے باوجود یہاں ضرور مسلح پہرہ بگاہیں یہاں لیٹ جانا چاہیے اور دینگ کر آگے بڑھنا چاہیے۔

دونوں فوراً پتھر ملی زمین پر لیٹ گئے پھر ایک خان نے حماد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یا امیر! میں اس مندر کے ہر حصے سے واقف ہوں۔ آپ کا انداز درست ہے اس مندر کے پھوڑے میں بھی پہرہ ہوتا ہے۔ میں آگے آگے ریگتا ہوں آپ میرے پیچھے پیچھے آئیں۔ حماد نے اس کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ ایک اور کام بھی کرو ایک! اپنی ڈھال کو پشت پر باندھ لو کہ ریگنے سے آواز پیدا نہ ہو۔

حماد اور ایک خان دینگ کر آگے بڑھتے رہے۔ جب وہ مندر کے پھوڑے کی سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی دیوار کے قریب گئے تو حماد نے ایک خان کا شانہ بکڑ کر روکتے ہوئے کہا۔ رک جاؤ۔ ایک خان اپنے بائیں اور دائیں طرف دیکھو دونوں طرف سے مسلح پہرہ دار آ رہے ہیں۔ اپنا سر نیچے کر لو اور سانس روکو۔ حماد اور ایک خان دونوں نے اپنے سر زمین پر رکھ دیتے اور اپنی سانس روک لی۔ تاہم دونوں کی آنکھیں ان مسلح پہرہ داروں پر جمی ہوئی تھیں جو دائیں بائیں کی طرف سے آ رہے تھے۔

دونوں پہرہ دار آئے ایک دوسرے سے ملے اور دوبارہ مختلف سمتوں کو روانہ ہو گئے۔ جب وہ دور چلے گئے تو حماد پھر بولا۔ ایک! یہ مندر کے پھوڑے میں پہرہ دینے والے دونوں محافظ دوبارہ لوٹ کر آئیں گے اور ایک دوسرے سے مل کر پھر لوٹ جائیں گے یہی ان کے پہرہ دینے کا طریقہ کار ہے۔ ایک! ایک! آؤ غوطہ ادا اور آگے ہو کر زمین سے چپک کر لیٹ جائیں۔ سنو! اس بار جب وہ دونوں مل کر مخالف سمتوں کو روانہ ہوں تو دائیں طرف داسے پر میں بائیں طرف والے پر تم حملہ آور ہوتا۔ دے پاؤں اس کے پیچھے پیچھے جانا پہلے اس کے منہ پر ہاتھ رکھنا پھر اس کا کام تمام کرنا۔ ایک خان نے بھی جواب میں سرگوشی کی یاہر! آپ کو کوئی فکر نہ کریں میں آپ کی ہدایت کے مطابق عمل کرونگا۔

فقی تو وہ اس مندر کے تہ خانے میں ہوگی۔ حماد نے پھر لو پھیا۔ تہ خانہ کس طرف ہے۔ یہاں یہ نہیں ان گنت تہ خانے ہیں اور کوئی اجنبی آدمی ان تہ خانوں کی مہجول مہجولوں سے نکل نہیں سکتا۔ تاہم میرا اندازہ ہے وہ مندر کے بڑے پروہت کے ذاتی تہ خانے میں ہوگی۔ تاہم اس تہ خانے کا راستہ جانتے ہو۔ ہاں امیر ابیں نے وہ تہ خانہ دیکھا ہے۔

تو چھپر سنو ایک اس راہ دادی کی دیوار سے چپک چپک کر اس نہ خانے کی طرف بڑھو
ن تمہارے ساتھ ہوں۔ دونوں اس راہ دادی کی دیوار سے لگ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے
لے۔ ایک آہنوسی دروازے کے پاس آ کر ایک خان رک گیا اور دروازے پر ذرا سا زور
مار دیکھا۔ دروازہ کھلا تھا اور اس کا ایک پیٹ تھوڑا سا کھل گیا تھا۔

ایک خان نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ یا امیر! قدرت پوری طرح ہمارا ساتھ دے
ہی ہے۔ تہ خانوں کو جانے والا یہ دروازہ کھلا ہے آپ میرے پیچھے آئیے۔ دونوں
دروازہ کھول کر اندر چلے گئے اور دروازہ پہلے کی طرح بند کر دیا۔ جہاں وہ کھڑے
وہ بیڑھیاں تھیں جو نیچے کی طرف جاتی تھیں۔ بیڑھیوں کی ان دو طرف دیوار کے ساتھ
کچھ فاصلے پر جلتی ہوئی مشعلیں لٹک رہی تھیں جن کی وجہ سے بیڑھیاں نیچے تک روشن
ہوئی تھیں۔

دونوں آواز پیدا کیے بغیر بیٹھیاں اترنے لگی۔ کوئی بیس بیٹھیاں اترنے کے
 روہیاہ پتھر سے بنے ہوئے سچتے فرش پر کھڑے تھے۔ یہ ایک کھلا راستہ تھا۔ جو سامنے
 رسی کی طرف جاتا تھا۔ دونوں چند قدم ہی اس راستے پر آگے بڑھے تھے کہ وہ راستہ
 سادہ رکھلے راستے میں جا شامل ہوا جو شمالاً جنوباً دوڑ دوڑ تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ ایک طرح
 مارے نہ خانوں کی راہ داری تھی کیونکہ اس راہ داری کے دونوں جانب ان گنت
 سے تھے۔ جن میں سے اکثر میں ناہیکی چھائی ہوئی تھی۔ تاہم شمال کی جانب کچھ کمروں میں
 روشنی چھین چھین کر باہر آ رہی تھی۔

دونوں نے غور سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر آگے بڑھتے ہوئے دونوں ایک روشن کمرے کے اندر بھاٹکا۔ کمرہ خالی تھا جس کے اندر کرشن مرادی کا پتھر

تھوڑی دیر بعد دونوں پہریدار لڑے اسی جگہ ایک دوسرے سے ملے اور مڑ کر مخالف سمتوں کو چل دیئے۔ حماد اور ایک گھات میں ملیئے ہوئے خونخوار جعبتوں کی طرح اُٹھے۔ دبے پاؤں وہ اپنے اپنے شکار کے پیچھے بھاگے، اور دونوں نے پہریداروں کے منہ بنا کر کے ان کے سینوں میں اپنے زہریلے خنجر گھونپ دیئے تھے۔ دونوں پہریداروں کی لاشیں اٹھا کر پیچھے ہٹے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ایک طرف انہیں جھاڑیوں کے جھنڈ دکھائی دیئے ان کے اندر انہوں نے دونوں لاشوں کو رکھ دیا اور دوبارہ مندر کی طرف بڑھے۔ مندر کی جنوبی دیوار کے ساتھ ساتھ اب وہ مندر کے مشرقی حصے کے طرف بڑھ رہے تھے جس طرف مندر کے اندر داخل ہونے کا راستہ تھا۔ دیوار کے آخری سر پر پرا کر حماد نے مندر کے مشرقی حصے کی طرف جھانکا۔ مندر کے اس سامنے والے حصے میں ان گنت ستونوں والی ایک لمبی راہ داری تھی جو شمال کی طرف دُور تک چلی گئی تھی۔ اس راہ داری کے اندر ان گنت مشعلیں روشن تھیں اور وہاں سے دو پہریدار کٹھے ٹہلتے ہوئے نہرہ دے رہے تھے۔ حماد اور ایک خان لپک کر ایک ستون کی اوٹ میں ہو کر دونوں پہریداروں کا انتظار کرنے لگے تھے۔

جونہی پہریدار اس ستون کے پاس سے گزرنے لگے۔ حما داور ایک خان ان پور زندان کی مانند جھپٹ پڑے۔ ان کے منہ انہوں نے بند کر لیے اور انہیں تیزی سے گھسیٹتے ہوئے مندر کی جنوبی دیوار کی گہری تادیبی میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے دو نول پہریداروں کا کام تمام کر کے انہیں وہیں ایک پیٹر کے پیچھے ڈال دیا تھا۔

دوبارہ وہ اس ان گنت ستونوں والی لمبی راہ وادی میں آئے اور دگر دگر کا جائزہ لینے لگے۔ مندر کے سامنے مشرق کی جانب جہاں ایک تدریجی نشیب نما راستہ مندر کی طرف آتا تھا۔ وہاں مندر کے ان گنت صلیح محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ ستون کے پیچھے کھڑے ہو کر حماد نے سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا۔

ایک! ایک! ایک! ایک! اندازہ لگا سکتے ہو اوکس کمرے میں ہو سکتی ہے۔ ایک نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ اگر وہ زندہ ہے اور دیوہی دیوتاؤں پر قربان نہیں کر دی

گئی تھی۔ حماد نے اپنی تلوار اس کی طرف لہراتے ہوئے کہا تم نے اگر اپنے منہ سے کوئی آواز نکالنے کی کوشش کی تو میں اپنی تلوار سے تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔ وہ دیو داسی سہم گئی اور بت کے پاس کھڑی ہو کر کانپنے لگی تھی۔

ادمانے آنکھیں کھولیں جب اس نے تہ خانے میں ایک خان کو دیکھا تو وہ چونک کر سیڑھی پر چڑھ کر فرار ہو گیا اور افسردگی اور اضطراب سے اس کی جگہ اب وہاں تانگی اور خوشی کے آثار تھے۔ یوں لگتا تھا۔ ایک خان کو وہاں دیکھ کر گویا اس کے جسم کی بیمار ہڈیوں کو فی الفور شفا مل گئی ہو۔

ارکانا میں ڈوبے ہوئے پر وہ بت نے گردن گھما کر حماد اور ایک خان کی طرف دیکھا اور سخت الجھ میں پوچھا تم دونوں کون ہو اور کیوں اس پورا استھان میں داخل ہوئے ہو۔ حماد نے پربت کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک خان سے کہا۔ ایک خان اوما کی رسیاں کھول کر اس کی جگہ مندر کی اس دیو داسی کو کھڑا دو اور اس کے منہ میں اس کے لباس کا ایک حصہ چھوس دو۔ ایک خان آگے بڑھ کر خوف سے لرزتی ہوئی اس دیو داسی کو بچہ کر قربان گاہ پر لے گیا اور اوما کی رسیاں کھولنے لگا۔

پربت نے پھر اپنی سرخ سرخ اور غضبناک آنکھوں سے حماد کی طرف دیکھا اور اس بار اس نے تہ کو آواز میں پوچھا۔ میں نے پوچھا تھا تم لوگ کون ہو اور کیوں اس مندر میں داخل ہوئے ہو۔ میں دیکھتا ہوں تم دونوں کا ظاہر و باطن محض ایک شرارت ہے۔ اور وہ منٹل جن کے من میں بوجھ اور کھوٹ ہو اس مندر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حماد ایسے انداز میں اس پر دہت کی طرف بڑھا جس طرح کوئی وحشی داور سن کے ساتھ اپنے ننگا کی طرف بڑھتا ہے۔ اتنی دیر تک پربت کھڑا ہو چکا تھا۔ حماد اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ تم اس مندر میں ہمیں داخل ہونے سے روک نہیں سکتے؟

پربت نے حیرت و استعجاب سے ایک خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ادہ اؤ یہ تمہا ہے جو اس اوما کے ساتھ ہمارے دھرم کے خلاف کام کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ پر یہ تو مستحضر میں قید تھا یہ کیسے وہاں سے رہا ہو گیا۔ حماد نے پربت کے منہ پر ہاتھ رکھا اور ایک بھر پور ٹھانچہ

کا ایک بہت بڑا بت دکھا تھا۔ اور اس پتھر کے سر کے قریب دیوار سے لٹکتی ہوئی ایک بہت بڑی مشعل روشن تھی۔ اس کے بعد انہوں نے تین چار اور کمروں میں جھانکا۔ وہ سب کمرے بھر تھے تاہم ان کمروں میں بھی مختلف دیو دیوتاؤں کے بت تھے جن کے قریب صندلی مشعل تھیں جن کی خوشبو سے وہ کمرے ہی نہیں شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی تہ خانوں کی وہ راداسی بھی مل گئی تھی۔

حماد اور ایک خان آگے بڑھتے رہے اب ان کے سامنے ایک ایسا کمرہ آگیا تھا پہلے کمروں کی نسبت زیادہ روشن تھا۔ حماد نے کسی دروازے کی طرح زور زور سے سانس کھینچے ہوئے کہا۔ ایک خان! ایک خان! ہر شیہار ہوا اس کمرے سے مجھے تیز آسانی ہو رہی ہے ایک خان نے بھی سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ یا امیر! یہی کمرہ مندر کے بڑے پردہ بت کا ہے حماد اور ایک خان نے اس کمرے میں جھانکا۔ اندر مندر کا بڑا پردہ بت ایک بت کے ساتھ الٹی پالٹی مارے بیٹھا تھا۔ ایک حسین اور بے حد پرکشش جسم کی دیو داسی بت پر رتی اتار رہی تھی پربت کی گردن جھکی ہوئی تھی اور یوں لگتا تھا وہ سکون، اتحاد، مراقبہ اور ارتکا ذیں ڈوبا ہوا جاپ کر رہا ہو۔ پربت کے سامنے اور بت کے باتیں ہاتھ جہاں انسانی جان کو بت پر لیا کرنے کے لیے ایک قربان گاہ مہی ہوئی تھی۔ سال کی ایک موٹی بلی زمین کے اندر گڑھی تھی اس کے ساتھ اوما بندھی ہوئی تھی۔ ایک خان نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یا اوما وہ سامنے جو لٹکی رسول میں جکڑی ہوئی ہے وہ اوما ہے۔

حماد نے دیکھا وہ ایک حسین ترین اور بے قد چہرے سے بدن کی جاذب نظر لڑکی تہ خانے میں بندھی ہوئی وہ اندھیری گچھاؤں کے سوناپن کی طرح اداس کھڑی تھیں۔ وہ بڑا تھی گہری تارکی میں لٹے ہوئے چرخ کی طرح۔ اس کی آنکھیں بند تھیں جیسے کئی روز سے اس نے سوئے نہ دیا گیا ہو اور وہ قربان گاہ پر چڑھ کر بھی سوجانے کا عزم نہ کر چکی ہو۔

حماد اور ایک خان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نکما ہوں ہی نکما ہوں میں نے کوئی فیصلہ کیا۔ پھر دونوں طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے اور حماد نے اس تہ خانے کے دروازے کو اندر سے بند کر دیا تھا۔ مندر کی دیو داسی ان دونوں کو دیکھ کر سر سے پاؤں تک

نہیں ہے۔ مارا۔ یہ اس لیے مقرر کے قید خانے سے نکل بھاگا کہ تمہاری طرح اس کے من میں کھوسا
نہیں ہے۔

پروہت نے بری طرح کر جیتے ہوئے کہا۔ مہاشے! اپنے منہ اور اپنی زبان کی نگہ
کو ورنہ اس تہ خانے کے اندر ایسا کشت و لگا کہ گیلی کٹری کی طرح سلگ اٹھو گے۔ پھر ایک
خان کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر سردہلچے میں کہا۔ یہ تمہارا ساتھی اور میرے دھرم کا دشمن
کو رہا ہے۔ مندر کی جس دیو داسی کو اس نے پکڑ رکھا ہے وہ دیوتاؤں کی سونیکا کی بیوی بیکار
ہے اگر اسے کچھ ہو تو مورکھ! دیوتاؤں کو کبھی شمانہ نہ کریں گے۔ وہ دوسری لڑکی جس کا نام
ہے اور جس کی وہ دریاں کھول رہا ہے اسے ہم دیوتاؤں پر بلیدان دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں
ایسی مادی ایک کھلونے کے الو سا رہتی ہے۔ یہ تمہارے کسی کام نہ آئے گی۔ پروہت نے ہم
دیوتاؤں پر قربان کر کے ان کے غضب سے اس دیس کی پر جا کو محفوظ کر سکیں گے۔

حماد اور زیادہ غضبناک ہو گیا اور پروہت کو کندھے سے پکڑ کر بری طرح جھٹھکھٹھک
ہوئے کہا۔ اندھے انسان میرے طرف دیکھیں تیرے لیے موت کا وہ دیوتا بن کر آیا ہو
جو تیرے دھرم کے مطابق اپنے بازو پورے سنسار پر پھیلانے ہوئے ہے۔ اگر تمہارا
بت، کوئی دیوتا تمہیں میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے تو اسے بھکارے۔ پروہت نے اس
قدر بے ہرمانی آواز میں کہا۔

سن مہاشے! دھیرج رکھ اور شناسنی سے میری بات سن ابھی سے ہیں اپنے من
ایکاگر دیوتا اور آتما کو شندھ (سیدھا) کر اور یہاں سے نکل جا ورنہ میں تجھ پر ایسی دھکا
بھیسوں گا کہ اپنا جہنم تک بھول جاوے گا۔

پروہت نے اسے اپنے من میں سمجھا دیا کہ کاش تو ہندو دھرم کے پروہت کے
کوئی کشتری ہوتا تو اب تک میں تیری گردن کاٹ چکا ہوتا ہم ہندو دھرم کے رہنماؤں
احترام کرتے ہیں میرے چند سوالوں کا جواب دو۔ اگر تم نے انکار کیا تو میں اپنی تلوار
کام لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔

پروہت نے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تو ابھی باک ہے جا اپنی راہ
تیرے (دہاتی ہے دہاتی ہے)

نہیں ہے۔ مارا۔ یہ اس لیے مقرر کے قید خانے سے نکل بھاگا کہ تمہاری طرح اس کے من میں کھوسا
نہیں ہے۔

پروہت نے بری طرح کر جیتے ہوئے کہا۔ مہاشے! اپنے منہ اور اپنی زبان کی نگہ
کو ورنہ اس تہ خانے کے اندر ایسا کشت و لگا کہ گیلی کٹری کی طرح سلگ اٹھو گے۔ پھر ایک
خان کی طرف دیکھتے ہوئے کسی قدر سردہلچے میں کہا۔ یہ تمہارا ساتھی اور میرے دھرم کا دشمن
کو رہا ہے۔ مندر کی جس دیو داسی کو اس نے پکڑ رکھا ہے وہ دیوتاؤں کی سونیکا کی بیوی بیکار
ہے اگر اسے کچھ ہو تو مورکھ! دیوتاؤں کو کبھی شمانہ نہ کریں گے۔ وہ دوسری لڑکی جس کا نام
ہے اور جس کی وہ دریاں کھول رہا ہے اسے ہم دیوتاؤں پر بلیدان دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں
ایسی مادی ایک کھلونے کے الو سا رہتی ہے۔ یہ تمہارے کسی کام نہ آئے گی۔ پروہت نے ہم
دیوتاؤں پر قربان کر کے ان کے غضب سے اس دیس کی پر جا کو محفوظ کر سکیں گے۔

حماد اور زیادہ غضبناک ہو گیا اور پروہت کو کندھے سے پکڑ کر بری طرح جھٹھکھٹھک
ہوئے کہا۔ اندھے انسان میرے طرف دیکھیں تیرے لیے موت کا وہ دیوتا بن کر آیا ہو
جو تیرے دھرم کے مطابق اپنے بازو پورے سنسار پر پھیلانے ہوئے ہے۔ اگر تمہارا
بت، کوئی دیوتا تمہیں میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے تو اسے بھکارے۔ پروہت نے اس
قدر بے ہرمانی آواز میں کہا۔

سن مہاشے! دھیرج رکھ اور شناسنی سے میری بات سن ابھی سے ہیں اپنے من
ایکاگر دیوتا اور آتما کو شندھ (سیدھا) کر اور یہاں سے نکل جا ورنہ میں تجھ پر ایسی دھکا
بھیسوں گا کہ اپنا جہنم تک بھول جاوے گا۔

پروہت نے اسے اپنے من میں سمجھا دیا کہ کاش تو ہندو دھرم کے پروہت کے
کوئی کشتری ہوتا تو اب تک میں تیری گردن کاٹ چکا ہوتا ہم ہندو دھرم کے رہنماؤں
احترام کرتے ہیں میرے چند سوالوں کا جواب دو۔ اگر تم نے انکار کیا تو میں اپنی تلوار
کام لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔

پروہت نے سخت نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ تو ابھی باک ہے جا اپنی راہ
تیرے (دہاتی ہے دہاتی ہے)

میرا میں دشمن کے سامنے آپ کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں آپ کے پہلو سے پہلو ملا کر ان کا مقابلہ کر دوں گا۔

حماد نے سخت آواز میں کہا۔ ایک خان! یہ میرا حکم ہے تم ادا کو لیکر نیچے اتر جاؤ۔ اور نیچے اترتے ہوئے جب دوسروں کا جوڑا آئے تو وہاں تم کوئی مناسب جگہ دیکھ کر ادا کے ساتھ کسی چٹان پر کھڑے ہو جانا اور اسے کا سہارا بن لینا کیونکہ میں نیچے اترتے ہوئے اپنے آہنی نیچے کو بھی نیچے لاؤں گا اور وقفہ وقفہ سے میں تمہیں بتاتا رہوں گا کہ تمہیں کسی وقت رستے کے ذریعے نیچے اترنا چاہیے اور کس وقت چٹانوں پر کھڑے ہو کر رستے کو چھوڑ دینا چاہیے اب اب تم ادا کو لیکر نیچے چلو جاؤ وہ دیکھو محافظ بھاگتے آرہے ہیں میں انہیں دور ہی روک دینا چاہتا ہوں۔

ایک خان نے پہلے ادا کو سہارا دیکر رستے کے ذریعے نیچے اتارا پھر خود بھی وہ رستہ تمام کر نیچے اتر گیا۔ تین چار کو نیچے جا کر ایک خان نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ادا! ادا! تم آہستہ آہستہ نیچے اترتی چلی جاؤ میں یہیں ٹرک کر امیر کی طرف دیکھتا رہوں گا۔ اگر حملہ آور کی تعداد زیادہ ہوتی تو میں اوپر جا کر ان کی مدد کر دیتا۔ ادا نے بڑے تجسس سے پوچھا۔ یہ امیر کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ ایک نے پھر سرگوشی کی یہ ہندوستان میں سب کا کنوں کے نئے امیر ہیں۔ انہیں مغربی کی حکومت نے بھیجا ہے۔ یہ نیشاپور کے رہنے والے ہیں اور ان کا نام حماد بن خلدون ہے۔ اب تم وقت ضائع نہ کرو اور نیچے اترتی جاؤ میں یہیں ٹرک کر امیر پر نگاہ رکھوں گا۔ تم جس تیزی سے نیچے اتر سکتی ہو اترتی چلی جاؤ۔ سنو اگر ہم دونوں کو یہاں کوئی حادثہ پیش آگیا یا ہمیں دیر ہوگئی تو نیچے بائیں طرف ہم دونوں کے گھوڑے بندھے ہیں۔ ان کے پاس چلی جانا۔ ادا نیچے اترنے لگی۔ اور ایک خان مٹھوڑا اور اوپر چڑھ کر حماد پر نگاہ رکھنے لگا۔ اس نے رستے کو چھوڑ دیا تھا اور ابجوری ہوئی ایک چٹان پر بیٹھ کر حماد کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

مندر کے محافظ بھاگتے ہوئے جب حماد کی طرف آئے تو حماد ایک پتھر کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور تیروں کی ایک سخت باڑھ ان پر باری۔ سب سے آگے آگے بھاگنے والے پانچ محافظ پتھر کی زمین پر گر کر ختم ہو گئے۔ دو اور محافظوں نے حماد کی طرف بڑھنا چاہا لیکن وہ بھی حماد

حماد نے تیزی سے تلوار چلائی اور پروہت کی گردن کاٹ دی۔ دوسری طرف ایک رسیوں میں بندھی ہوئی دیو داسی کو کاٹ چکا تھا۔ مندر کے باہر شور مچنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ حماد نے ایک سے کہا۔ ایک! ایک! ادا کو لیکر میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ مثالی پروہت کی آواز باہر پہرہ دینے والے محافظوں تک پہنچ گئی ہے۔ وہ ضرور ان تحالوں میں آئیں گے میں بیڑھیوں کے قریب انہیں روکتا ہوں تم ادا کو لے کر آؤ۔

حماد بھاگتا ہوا باہر آیا اور بیڑھیوں کی دیواروں پر چلتی ہوئی ساری مشعلوں کو ادا بچھا دیا اور تیسری بیڑھی پر کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگا۔ ایک اور ادا بھی بیڑھیاں پر اتر پڑا گئے تھے۔ اتنی دیر تک چار محافظ بھاگتے ہوئے آئے اور تحالوں کا دروازہ کھولا۔ بیڑھیاں اترنے لگیں۔ حماد ایک اور ادا اندھیرے میں دیوار کے ساتھ چپک گئے تھے وہ انہیں دکھائی نہ دیتے۔ جب وہ چار بیڑھیاں اتر گئے تو ایک خان نے ان کی پشت پر حملہ کر دینا چاہا لیکن حماد نے اس کا بازو پکڑ کر روک دیا۔

جب چاروں محافظ بیڑھیاں اتر کر تحالوں کی طرف چلے گئے تو حماد نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ باہر بالکل خاموشی تھی۔ حماد نے ایک سے سرگوشی کی تم دونوں میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ تینوں دروازہ کھول کر باہر نکلے اور حماد نے اس دروازے کو باہر سے کھول دیا۔ راہ داری کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ تاریکی میں ڈوبی ہوئی جنوب کی طرف آئے پھر حماد نے ان دونوں کے بھاگنے کو کہا۔ اور خود بھی وہ اپنی پوری رفتار اس طرف بھاگ کھڑا ہوا جس طرف اس نے آہنی پنچے کے ذریعے سا پہاڑ سے نیچے تھا۔ ایک خان بھی ادا کا ہاتھ پکڑ کر حماد کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا تھا۔

اچانک مندر کے مشرقی حصے میں کوئی محافظ شور مچنے لگا۔ وہ بھاگ گئے بھاگے وہ تعداد میں صرف دو ہیں اور ادا کو بھی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ مندر کے مشرقی حصے کا شور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اپنے رستے کے قریب پہنچ کر حماد نے فوراً اپنی کمان منبھال کر تیر چڑھایا اور ایک خان سے کہا۔ ایک خان! تم ادا کو لیکر نیچے اتر جاؤ میں ان قاب دالوں کو روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک خان نے بڑی عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے

کے تیروں کا نشانہ بن گئے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے چند اور محافظ جو حماد کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے، بھاگ کر مندر کی عمارت کے اندر چلے گئے تھے۔

چٹان پر بیٹھا ہوا ایک خان اچانک پونک پڑا اس نے دیکھا مندر کے پانچ اپنی تلواریں سوختے حماد کی پشت سے اس پر حملہ آور ہونے کو آ رہے تھے اور وہ بالکل حماد قریب آچکے تھے شاید یہ ان محافظوں کی چال تھی کہ انہوں نے حماد کو اس کے سامنے وارہتے ہیں مصروف رکھا تھا اور چال بازی سے کام لیکر اسے ختم کرنے کے لیے وہ اس کی پر سے حملہ آور ہو رہے تھے۔

ایک جست کے ساتھ ایک خان اُپر آیا اور چلا تے ہوئے کہا۔ یا امیر! اپنے پیچھے دیکھتے دشمن آپ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ حماد برق کی طرح اٹھ کر گھوما اور اپنی تلوار ڈھال کر سرستہ ہو گیا اتنی دیر تک ایک خان بھی اس کے پاس پہنچ گیا تھا اور دونوں نے مل کر پانچ محافظوں پر حملہ کر دیا تھا۔

ان پانچوں میں سے ایک محافظ کی نگاہ حماد کے اس آہنی پنجے پر پڑ گئی تھی جس کے ساتھ رستہ نیچے لٹک رہا تھا۔ وہ لڑتے لڑتے ایک طرف ہٹا اور پاؤں کی ٹھوک مار کر آہنی پنجے کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دیا۔ رستہ نیچے کی طرف سرک گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں ایک بولناک چیخ بلند ہوئی تھی۔ حماد اور ایک پہچان گئے وہ ادما کی چیخ تھی۔ پنجے کو پاؤں کی ٹھوک مار کر اکھاڑنے والے محافظ پر حماد نے اس غضبناکی سے حملہ کیا کہ اس کی تلوار پسلیوں تک اسے پھیرتی چلی گئی۔ اتنی دیر تک ایک خان بھی ایک محافظ کو ختم کر چکا تھا۔ حماد بچ کر اُپر اور تیسرے محافظ کو بھی اپنی تلوار کا لقمہ بنا دیا۔

اچانک حماد نے دیکھا اس کے تیروں سے گھبرا کر جو محافظ مندر کے اندر چلے گئے تھے وہ پھر بھاگتے ہوئے اُن کی طرف آنے لگے تھے۔ حماد نے پیچھے ہٹتے ہوئے فوراً اپنی تلوار بنھال لی اور ایک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ان دونوں کو بنھالنا ایک میں مندر کی طرف سے آنے والوں سے بٹھتا ہوں۔ حماد نے زمین پر گھٹنا جما کر آنے والوں پر اندھا دھند تیر برسانا شروع کر دیا۔ وہ محافظ ایک بار پھر بھاگ کر مندر کے اندر چلے گئے۔

اٹھاپنی تلوار بنھال لی اور ایک خان سے مصروف جنگ محافظوں کی پشت سے حملہ کر کے دونوں کی گردنیں کاٹ دیں۔

حماد اس جگہ آیا جہاں اس کا آہنی پنجہ گرہا ہوا تھا پھر اس نے بڑے یلوس کن پہنچے ہیں کہا ایک! رستہ نیچے گر چکا ہے۔ میں ادما کی زندگی سے بھی یلوس نظر آتا ہوں۔ آؤ چٹاؤں پر پاؤں جما کر نیچے اترنے کی کوشش کریں۔ ایسا نہ ہو مندر کے محافظ شمال کی طرف ایک لمبا چکر کاٹ کر ہم سے پہلے ہی پہاڑ کے نیچے پہنچ جائیں اور ہم دونوں کے زندہ بچنے کی ساری امیدیں ختم ہوئیں۔ میں تمہارا مشکوہ ہوں۔ تم نے مجھے پشت کی طرح سے حملہ کرنے والے دشمنوں سے خبر دے رکھی۔

ایک خان نے بڑی انکساری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ یا امیر! یہ میرا فرض تھا آپ کو میرا شکریہ ادا کر مکی ضرورت نہیں ہے۔ دونوں باتیں طرف آتے اور پتھروں پر پاؤں جما کر بڑی احتیاط سے وہ نیچے اترنے لگے تھے۔ کوئی پچیس تیس ہاتھ نیچے جانے کے بعد اچانک ایک خال چلا اٹھا۔ یا امیر! آپ کا آہنی پنجہ اس چٹان میں پھنسا ہوا ہے اور رستہ نیچے لٹک رہا ہے۔ حماد نے دیکھا وہاں پنجہ واقعی ایک آگے کی طرف اُبھری ہوئی چٹان میں پھنسا ہوا تھا اور۔ دونوں رستے کو پکڑ کر بڑی تیزی سے نیچے اترنے لگے۔

جب دونوں درمیانوں کے جوڑ پر آئے تو حماد نے ایک خان سے کہا۔ ایک! تیری نزدیکی چٹان پر کھڑے ہو جاؤ میں اپنے پنجے کو نیچے لانے لگا ہوں۔ ایک خان باتیں طرف پتھروں پر ہاتھ پاؤں جما کر کھڑا ہو گیا۔ حماد نے دائیں طرف آگے بڑھی ایک ٹٹان پر پاؤں جمائے باتیں ہاتھ سے اپنے سر کے اُپر ایک پتھر کو مضبوطی سے تھام لیا۔ پھر اس نے نیچے لٹکتے ہوئے رستے کو زور سے لہر کر ایک جھٹکا دیا۔

اُپر کی چٹان میں پھنسا ہوا آہنی پنجہ ٹٹان کی طرف گر گیا۔ دس اسی طرح حماد کے ہاتھ میں تھا اس نے پنجے کو اُپر کھینچ کر اس چٹان میں گاڑ دیا جس پر وہ کھڑا ہوا تھا۔ اُن طرح ایک بار پھر وہ دونوں رستے کی مدد سے نیچے اترنے لگے تھے اور ساتھ ساتھ اپنی پنجے کو بھی نیچے لاتے جا رہے تھے۔

نے اوما کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر لٹا دیا۔ دوبارہ جب ایک خان نے اوما کی نبض پر ہاتھ رکھا تو وہ اداس ہو گیا۔ اوما کی نبض رک چکی تھی اور وہ موت کو اپنے سانسوں کی آخری قسط پیش کر چکی تھی ایک سیدھا کھڑا ہو گیا اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے دکھ سے کہا۔ یا امیر! یہ دم توڑ چکی ہے۔ حماد نے بھی جھک کر نبض پر ہاتھ رکھا اوما واقعی مر چکی تھی۔ حماد اداس ہو گیا تھا۔ ایک خان کی آنکھیں غمناک ہو چکی تھیں۔ دونوں نے مل کر اپنے کلہاڑوں کی مدد سے ایک ٹیلے کے اوپر قبر کھودی۔ اوما کو وہاں دفن کیا اور دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔

نیچے اتر کر انہوں نے دیکھا دریا کے کنارے پتھر ملی زمین اوما اندھے منہ پڑی تھی، بھاگ کر اس کی طرف گیا اور دیکھا وہ زندہ تھی اور اس کی نبض چل رہی تھی۔ تاہم وہ بے ہوش پڑی تھی۔ حماد نے ایک خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ایک! ایک! تم اوما کو اٹھا کر گھوڑا کی طرف لے چلو۔ میں رسالٹ کو اتاروں۔ ہمیں فوراً یہاں سے دریا کو عبور کر کے دوسرے کنارے چلا جانا چاہیے جس قدر زیادہ ہم یہاں ٹھہریں گے۔ اسی قدر ہمارے لیے خطرہ بڑھتے جاتیں گے۔

حماد بڑی تیزی سے رستہ پلٹنے لگا تھا۔ ایک خان اوما کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر گھوڑے کے پاس آیا۔ وہاں اس نے اوما کو دریا کے کنارے لٹا کر اس کے منہ پر چھینٹے دے کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن وہ اسی طرح بے سدھ پڑی رہی۔ تاہم اس کی سانس کا سہا جاد رہی تھا۔ ایک نے اپنے گھوڑے کو کھولا۔ اوما کو اٹھا کر زمین پر ڈالا اور خود بھی گھوڑے سوار ہو گیا۔ اور حماد کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر تک حماد بھی وہاں اگیا۔ اس نے آہنی پنجے کا رستہ لمپیٹ کر اپنے کندے سے لٹکا رکھا تھا۔ رستے کو جلدی جلدی اس نے اپنے گھوڑے کی زمین سے ہاتھ کر گھوڑا کو کھولا۔ پھر سوار ہوا اور ایک سے کہا میرے پیچھے پیچھے آؤ ایک ایسے کہستانی دریا اتنا گہرا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہاں ہاتھ تک پانی ہوگا اور ہم اپنے گھوڑوں پر اسے بڑی آسانی سے عبور کر لیں گے۔ اسکے ساتھ ہی حماد نے اپنے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور اسکے پیچھے ایک خان بھی اپنا گھوڑا دریا میں ڈال چکا تھا۔

دریا کے دوسرے کنارے جا کر انہوں نے اپنا رخ جنوب کی طرف موڑا۔ دریا کے کنارے سے دور وہ اپنے گھوڑوں کو سر پٹ دوڑانے لگے تھے۔ ایک ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام اور اس کا دوسرا ہاتھ اوما کی نبض پر تھا جو ابھی تک اسی سے چل رہی تھی۔

پانچ میل کا سفر طے کرنے کے بعد چانک ایک خان نے چلاتے ہوئے کہا۔ حماد رک جائیے۔ اوما کی نبض ڈوب رہی ہے۔ حماد نے گھوڑے کو روکا اور کوکر نیچے اتر گیا۔ ایک

ہو گئے۔

گیان پوری داستان سننے کے بعد حماد اور ایک خان کے گھوڑوں کو چار ڈالنے کے لیے اصطبل کی طرف چلا گیا۔ بدری ناٹھ، سادتری اور بللا، حماد اور ایک کو لیکر اسی کمرے میں آئے جس میں زخمی ایشال کو رکھا گیا تھا۔ اس کمرے میں تین صاف ستھرے بستر لگے ہوئے تھے شاید وہاں حماد اور ایک کی رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا۔

سامنے والے بستر پر بیٹھے ہوئے حماد نے بدری ناٹھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ رتنا اور ایشال کے متعلق کچھ کہنے والے تھے۔ بدری ناٹھ حماد کے سامنے ایک خان کے ساتھ بیٹھ گیا جبکہ سادتری اور بللا دایں طرف تیسرے بستر پر بیٹھ گئی تھیں۔ بدری ناٹھ کی نگینیں اور جہاں ہار آواز کمرے میں ابھری۔

رتنا کو اجیر کے راجہ راستے پتھوراکے آدمی اٹھا کر لے گئے ہیں۔ حیرت سے اپنی جگہ پر اچھلتے ہوئے حماد نے پوچھا۔ کیسے اور کب؟ بدری ناٹھ کی کپکپاتی آواز سنائی دی۔ تمہارے یہاں سے جانے کے کچھ ہی روز بعد ایشال کے زخم ٹھیک ہو گئے اور وہ یصل کو لیکر اس کی بستی چھوڑنے چلا گیا۔ اس کی غیر موجودگی میں رتنا چند دن کے لیے اپنے دوسرے ماموں اور میرے بھائی لیکھراج کے ہاں چلی گئی تھی۔ میرے اسی بھائی کے بیٹے اجن سے رتنا کی لگائی بھی ہو چکی ہے۔ شاید آپ یہ جانتے ہیں کہ راستے پتھوراکے ایک عرصے سے رتنا کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اسی نے اس کے ماتا پتا کو قتل کر دیا تھا۔ لیکھراج کے گھر رہتے ہوئے رتنا کو ابھی دو روز ہی گزرے تھے کہ راستے پتھوراکے آدمی اسے تلاش کرتے ہوئے ہمیں میں داخل ہوئے۔ بد قسمتی سے رتنا اس وقت گلی میں تھی۔ راستے پتھوراکے آدمیوں نے اسے دیکھ لیا۔ اور اسے پکڑ لینا چاہا۔ رتنا بھی انہیں پہچان گئی اور بھاگ کر ماموں کے گھر داخل ہو گئی۔ راجہ کے آدمی گھر میں داخل ہو گئے اور زبردستی رتنا کو اٹھالیا میرے بھائی اور اس کے گھر والوں نے جب مزاحمت کی تو انہوں نے میرے بھائی اور اس کے گھر کے افراد کو قتل کر دیا اور رتنا کو اٹھا کر اجیر لے گئے۔

میں نے ایشال کو بلانے کے لیے فوراً اپنا ایک آدمی اسماعیل کی بستی کی طرف روانہ

ایک روز جبکہ سورج اپنے مغربی نہاں خانوں میں چھپتا جا رہا تھا۔ حماد اور ایک خان دریا سے سورتی کے کنارے کنارے جنوب کی طرف سفر کرنے ہوئے ہمیں سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر تھے۔ دونوں نے دریا کے کنارے اپنے گھوڑوں کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا خود انہوں نے وضو کیا اور دریا کے کنارے مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ وہ دونوں اداس اور پریشان تھے شاید اوما کی موت نے ان کی اہم حالت کر دی تھی۔

اندھیرا کافی گہرا ہو گیا تھا جب وہ بدری ناٹھ کی حویلی میں داخل ہوئے خود بدری ناٹھ اور گیان نے ان کا استقبال کیا تھا اندر سے بدری ناٹھ کی بیوی سادتری اور بللا بھی بھاگتی ہوئی باہر آ گئی تھیں۔ تاہم ایشال اور رتنا کہیں دکھائی نہ دے رہے تھے۔

حماد ایک خان کو لے کر جب گیان کے کمرے کی طرف جانے لگا تو بدری ناٹھ نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا۔ وہاں نہیں آپ حویلی کے اندر آئیے۔ حماد نے بڑی نمکداری سے میرے لیے وہی کمرہ مناسب ہے اور پھر رتنا۔ بدری ناٹھ نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بہن بھائی یہاں نہیں ہیں۔ حماد نے پریشان ہو کر پوچھا۔ کہاں؟ وہ؟ بدری ناٹھ کا لہجہ پریشان کن تھا۔ میں سب کچھ بتاتا ہوں۔ پہلے یہ بتاؤ ادا کہاں ہے اور جواب میں حماد نے منکر کوٹ کے اس مندر میں پیش آنے والے پورے واقعات ادا اوما کی موت کی داستان سنا دی تھی۔ بدری ناٹھ، سادتری، بللا اور گیان اداس اور دفنہ

کر دیا۔ دوسرے روز پشال بھی یہاں پہنچ گیا۔ اور پھر یہاں رکے بغیر وہ اجمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ کہتا تھا یا تو رتنا کو چھڑا لوں گا۔ یا اس کی عزت و حرمت پر قربان ہو جاؤں گا۔ جب ایشال وہاں سے لوٹا تو اس کی باتوں سے مجھے یوں لگا تھا۔ جیسے وہ مسلمانوں سے کافی حد تک متاثر ہو چکا ہے۔ حماد نے ان پر نیا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔ ایشال مسلمان ہے اور میرے ہاتھوں ان نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

بدری ناتھ نے عجیب سے تاثر کے ساتھ سادتری اور بللا کی طرف دیکھا اور دوبارہ وہ حماد کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔ میں نے اپنے کچھ آدمی بھی اجمیر روانہ کیے تھے۔ وہ لوگ آتے ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ ایک ماہ بعد راجہ پتھورا اپنی بیٹی کو رتنا کا سوئمبہ راجا رہا ہے اور اس راج کہنہیا کے سوئمبہ کے دوسرے روز راتے پتھورا رتنا سے شادی کر لیا۔ واپس آنے والے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ رتنا کی حیثیت اجمیر میں ایک قیدی اور اسیر کی ہے۔ ایشال کا کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ اجمیر میں کہاں اور کس جگہ ہے۔ یہ آدمی ایک بار پھر اجمیر جائیں گے تاکہ رتنا کے لیے کچھ کر سکیں۔

حماد نے گہری سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔ رتنا اور ایشال کو تنہا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ میں کل ہی ایک خان کے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ میں کوشش کر دوں گا اسے سوئمبہ سے پہلے چھڑا لیا جائے اگر ہم کامیاب نہ ہو سکے تو میں ایک کشتی کے روپ میں سوئمبہ میں حصہ لوں گا۔ اگر میں سوئمبہ جیت گیا۔ اور راجہ کی بیٹی کو رتنا کو مجھ سے بیاہ دیا گیا تو میرے لیے رتنا کو رہا کرنا مشکل کام نہ رہے گا۔

سادتری اور بللا اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ بدری ناتھ نے حماد کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ اگر تم دونوں وہاں جاؤ تو احتیاط برتنا اور اگر تمہاری کسی کے ساتھ جنگ ہو تو اس کی کمر کے نیچے ضرب مت لگانا۔ کیونکہ کشتی دھرم میں کمر سے نیچے ضرب لگانا پاپ ہے۔ ایک خان نے پہلی بار بیچ میں بولتے ہوئے بدری ناتھ سے کہا۔ آپ بے فکر رہیں میں امیر کو خبر دوں اور اہم رسم سے آگاہ کر دوں گا۔ ایک خان خاموش ہو گیا کیونکہ سادتری اور بللا کھانے آئے تھیں اور سب اسی کمرے میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔

دوسرے روز حماد اور ایک خان اجمیر کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ بدری ناتھ نے دونوں کے لیے مناسب کپڑوں کا انتظام کر دیا تھا۔ اور اب وہ اپنے لباس اور روپ ڈھنگ سے کشتی لگے تھے۔ جیم سین سے نکل کر وہ ہستنا پور آئے۔ ایک رات وہاں رک کر آرام کیا۔ پھر انہوں نے وہاں سے کوچ کیا اور برق رفتاری کے ساتھ گڑ گاؤں، بھرت پور، جسے پورہ اور کشن گڑھ سے ہوتے ہوئے وہ اجمیر شہر میں داخل ہوئے جس وقت وہ شہر میں داخل ہوئے۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ شہر سے باہر ایک الگ ٹھنگ سرائے میں انہوں نے کمرہ لے لیا اور رتنا کو رہا کرانے کے متعلق تدبیر کرنے لگے تھے۔

حماد اور ایک خان کو اجمیر میں قیام کیے۔ ایک ماہ پورا ہونے کے قریب تھا۔ رتنا تک نہ ہی وہ رتنا کو رہا کر سکے تھے اور نہ ہی ایشال کو تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ اجمیر آکر وہ رتنا کی صورت تک دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دن آپہنچا جس روز راجہ راتے پتھورا کی بیٹی کو رتنا کا سوئمبہ راجا۔

راتے پتھورا کے محل سے منسلک راج کے بہادر اور سواروں کے مقابلے منعقد کرانے کے لیے جوڑائی کا میدان بنا ہوا تھا اس سے باہر ایک کھلے اور وسیع میدان کے اندر جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی خیمے، تہنو اور شامیانے نصب تھے۔ راجہ کے ہاتھی جن پر زری کی جھم جھماتی جھولیں پڑی ہوئی تھیں۔ اپنے مہادلوں کے اشارے پر ادھر ادھر جھومتے پھر رہے تھے۔ دیس دیس اور نگر نگر کے سوئمبہ کشتی اس سوئمبہ میں حصہ لینے کے لیے جمع تھے اور ان میں حماد بھی شامل تھا جبکہ ایک خان اپنے ہاتھ میں آہنی نیزہ لیے حماد سے قریب ہی کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد راجہ پتھورا اپنے محل سے نکلا وہ سنہری رتھ پر سوار تھا جس پر لال رنگ کے پردے بٹائے ہوئے تھے۔ رتھ اس میدان میں اس جگہ آکر رک گئی جہاں سرخ پتھر کا ایک سراسی فٹ بلند مینار بنا ہوا تھا۔ اس مینار کے اوپر دس فٹ اونچی لکڑی کی بلی

نصب تھی لکڑی کی اس بلی کے اوپر لال رنگ کا ایک چھوٹی تختہ تھا۔ اس تختے کے درمیان چھوٹا سا ایک گول دائرہ تھا اور سب سے پہلی حصہ لینے والے سو ماؤں کو اسی سفید گول دائرے کو اپنے تیروں کا حدف بنانا تھا۔

منہری رنگ کی دھجی جب رکی تو سب سے پہلے راج پتھر اونچے اترا پھر راج کمار کی کرنا باہر لگنی وہ سُرخ رنگ کا لٹینی جو ڈاپہنے ہوئے تھی اور چہرے پر نازک سی جلیں ڈال رکھی تھی۔ آفر میں میں دیکھ کے اندر سے ایسے انداز میں نہنایا نیچے اترتی گویا اسے زبردستی اتار دیا گیا ہو۔ یا ٹوپی سختی کے ساتھ اسے دھت سے باہر آنے کا حکم دیا گیا ہو وہ دھانی اور ہلاکا بنز لنگاہ پہنے ہوئے تھی۔ وہ لوگوں کو ارہتی۔ پاگل اور پرائز بپھول کی طرح اس کے حین چہرے پر جذبات کی ایک درد انگیز کشمکش تھی۔

راجہ پتھورا راج کماری کرشنا اور تناکو لیکر اس شہر نشین کی طرف بڑھا جہاں بیٹھ کر اس نے سو تیر کا فیصلہ کرنا تھا۔ راج کماری کرشنا کے ہاتھوں میں رنگ برنگے پھولوں کی ایک مالا تھی جسے اس نے اپنے بازو سے لٹکالیا اور راجہ کے بائیں طرف اپنی نشست پر بیٹھے ہوئے اس نے اپنے چہرے سے بائیں چہلن مٹا دی تھی۔

لوگوں کا ایک ہیجوم تھا جو راج کمار کی حسن کی ایک جھلک دیکھنے کو اماندھ آیا تھا۔ راجہ نے اپنے دائیں طرف رتنا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ بچاوی طوعاً و کرہاً وہاں بیٹھ گئی۔ گو وہ اداس تھی اس کے باوجود اس کے حسن اور بلور جیسم کے سامنے راج کمار کی حقیقت ماندھ چکی تھی۔ رتنا وہاں بیٹھی یوں لگ رہی تھی جیسے تاروں کے جھرمٹ میں چاند۔
— یا — یا سنہرے پھولوں سے ڈھکی ہوئی کوئی حسین و پر بہار نازک شاخ۔
گو اس کے چہرے پر آواز کشی کے گہرے الزامات تھے اس کے باوجود اس کا حیر بردار و مستر
جیسا حسن، نشہ و زحار ہونے کو برق عاطفہ کا طرح نماشاتوں کے دلوں کو گرگرا تھا۔

ہما درتنا کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے اس خیال سے اپنے چہرے پر غمو کا نقاب گرالیا تھا کہ کہیں رتنا اسے دیکھ نہ لے اور اپنی فطری نفرت کے سبب اس کا راز نہ کھول دے۔ راجہ جیتو رنے ہاتھ کے اشارے سے سو ممبر چائے کا حکم دیا۔ سو

میں جتنے لینے والے سورما کثرت می ایک لائن میں کھڑے ہو گئے عشرہ نشین کے قریب ہی راجہ تھپوراکے کارندے جمع ہو گئے تھے اور وہ ان سورماؤں میں تیرتیم کمرے لگے تھے۔ ہر سورما عشرہ نشین کے پاس سے گزرتا راجہ کے آدمی اسے پانچ تیرتھمتا تے اور وہ چکر

کاٹ کر اس برج سے ذرا فاصلے پر مشرق کی جانب جا کر کھڑا ہو جاتا جس برج کے اوپر ہدف کا تختہ تھا۔ جہاں سو تمبر ہیں حصّہ لینے والے جا کر کھڑے ہو رہے تھے وہاں لکڑی کی ایک چھوٹی سی شہ نشین کے اوپر ایک بھادی اور وزنی کمان پڑی تھی اور اس شہ نشین پر کھڑے ہو کر اسی کمان کے ذریعے برج کے سرخ تختے کے گول دائرے کو ہدف بنایا جاتا تھا۔

حماد اپنے چہرے پر بخود کا نقاب ڈالے شہ نشین کے سامنے گزرا۔ دتنا اسے پہچان نہ سکی کیونکہ اس نے اپنا ٹاٹ کا لباس بدل رکھا تھا۔ راجہ کے کامیابوں نے جب اس کے سامنے پانچ تیر پیش کیے تو اس نے ان سب تیروں کو الٹ پلٹ کر دیکھا پھر ان پانچوں تیروں میں صرف ایک تیر اس نے اٹھایا۔ اور جب وہ آگے بڑھنے لگا تو راجہ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے یو بھیا۔

اے سودا ماتم نے صرف ایک تیرکھوں اٹھایا ہے۔ یہ پانچوں تیر تہا راستہ ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ حماد نے اپنی گردن جھکاتے رکھی اور مدھم آوازیں کہا۔ مہاراج ! اگر میرا فن، میری جنگی ریاضت پھل ہے تو میرے لیے یہ ایک تیر ہی کافی ہے۔ دیگر چار دیکھ میں کیا کھڑنگا۔ راجہ پھر لواتم ایک نڈرا اور مہاراج جو ان لگتے ہوئے اپنے رخ سے خود کا نقاب ہٹاؤ کہ میں تمہیں دیکھ سکوں۔ حماد نے منت کرنے کے انداز میں کہا۔ مہاراج ! میں کرشن کے بت کے سامنے کھڑے ہو کر سو گند کھاتی تھی کہ میں اپنے چہرے سے اس وقت تک نقاب نہ ہٹاؤں گا۔ جب تک یہ سو تیر جیت نہ لوں۔ اگر میں مار گیا تو کسی کو اپنا چہرہ دکھاتے بغیر کد کوٹے کی طرف چلا جاؤں گا جہاں میرا گروہ کسی پٹیاں پر کھڑا ہو کہ روز میری راہ دیکھتا ہوگا اور اگر جیت گیا تو اپنے چہرے سے خود کا نقاب ہٹاؤں گا۔ راجہ خاموش رہا۔ حماد نے اس خاموشی سے فائدہ اٹھا مارا اور اگے بڑھ گیا۔

جس کمان کے ذریعے تیر چلائے جانے تھے۔ وہ اس قدر سخت تھی کہ عام آدمی

خالی پڑے تھے۔

حماد اور دوسرے چار جوانوں کو موت کے اس میدان کے اندر لایا گیا۔ پہلے حماد کو ایک طرف کھڑا کر دیا گیا اور ان چار جوانوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ ان میں سے دو دو آپس میں ٹکراتے تھے۔ مقابلہ اتنا طویل نہ ہو سکا اور ان چاروں میں سے دو جوان اپنے مقابلوں کو ہرا کر جیت گئے۔ باقی والے جوان ندامت سے سر جھاتے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اب جیتنے والے دونوں جوانوں آپس میں مقابلہ شروع ہوا اور آہستہ آہستہ یہ مقابلہ پرجوش ہونے کے علاوہ طویل بھی پکڑنا چلا گیا۔ آخر آدھ گھنٹے کی لگاتار کشمکش کے بعد ان دو میں سے ایک جیت گیا۔

جیتنے والا جوان بری طرح اُپنچے اُپنچے سانس لے رہا تھا۔ شاید وہ تھک گیا تھا۔ راجہ نے سہاکنوں نے اسے ایک طرف بٹھا دیا اب ہارنے والے تینوں جوان باری باری حماد سے جنگ کرنے لگے۔ حماد نے کوئی زیادہ وقت نہ لیا اور ان تینوں کو ہارنے میں کامیاب ہو گیا اس وقت تک پہلا جیتنے والا جوان بھی تازہ دم ہو گیا تھا۔

مقابلہ تھوڑی دیر کے لیے رکا رہا کیونکہ حماد کو سانس لینے کا موقع دیا گیا تھا اسکے بعد حماد اور دوسرے جیتنے والے جوان کے درمیان مقابلہ شروع ہوا پہلے پہل دوسرا جوان حماد پر چھایا رہا اور وہ اپنے دفاع سے نکل کر جراحانہ انداز میں حماد کو اپنے آگے آگے میدان میں چکر دینے لگا تھا۔ میدان کے اوپر کھڑا ایک خان اداس اور پریشان ہو گیا تھا۔ کیونکہ حماد صرف اپنے دفاع تک محدود تھا۔

اچانک تماشا کی چوٹ اکٹھی۔ دفعۃً حماد وحشی اور طوفان بن گیا تھا۔ اس نے دفاع سے نکل کر جراحانہ صورت اختیار کر لی تھی اور اس کے حملوں میں ایسی تیزی اور جدوت پیدا ہوئی تھی کہ اس کا بد مقابل اس کے انتہائی خطرناک اور مہلک حملوں کو دیکھ کر لرز اٹھا تھا۔ اب حماد اسے اپنے سامنے اس طرح چکر دے رہا تھا۔ جیسے کوئی خونخوار بھیڑ یا کسی میمنے کو بھجھوڑتا ہوا میدان کے ایک سرے سے دوسرے سرے کی طرف لیجاتا ہو۔

ایک جگہ رک کر حماد نے اپنے بد مقابل پر ایک انتہائی بھیانک وار کیا جسے اس نے بڑھاپے سے اپنی ڈھال پر روکا۔ حماد نے فوراً اپنی ڈھال علیحدہ کر کے اسے مارنا چاہی لیکن

اسے کھینچ کر تیر چلا ہی نہ سکتا تھا۔ تاہم سو مرتبہ جھٹہ لینے والے جوان باری باری اپنے پانچ تیر اس ہدف پر آزمانے لگے تھے۔ حماد کی بادی آنے تک صرف دو جوان ایسے تھے جنہوں نے اپنے پانچ پانچ تیروں میں سے صرف ایک ایک اس گول دائرے کے اندر مارے۔ حماد کی جب بار آتی تو اس نے سہ نشین پر رکھی ہوتی کمان اٹھائی ایک بار کھینچ کر ام جائزہ لیا۔ پھر تیر چلا پر چڑھایا نشانہ لیا اور دبی زبان میں کہا۔ میرے اللہ اس امتحان میں فوز و کامیاب رکھ۔ پھر حماد نے کمان کھینچی۔ آنکھوں کا ایک ٹیڑھا زاویہ بنایا۔ اپنی سانس اور تیر چلا دیا۔ سنسناتا تیر اپنے حریف کے عین درمیان جا کر لکڑی کے تختے پر پڑا۔ پھر حماد کے یوں پہلا تیر ہی حریف کے اندر مارنے پر لوگ تالیاں بجا بجا کر ادا اپنی جگہوں پر اچھا کر اپنی اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ سہ نشین کے ایک طرف کھڑا ایک خان بھی حماد کا گر گزاری پر مسکرا رہا تھا۔ حماد کے بعد دو اور جوانوں نے بھی ہدف کے اندر تیر مارے تھے اور طرح طرح سمیت پانچ ایسے جوان سامنے آئے جو تیر اندازی کے اس مرحلے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

جونہی آخری جوان ہدف پر تیر چلا کر فارغ ہوا تھا۔ سب تماشا کی اپنی جگہوں سے اُٹھ اور راجہ کے محل سے متصل اس میدان کی پتھر بنی بیڑھیوں نما نشستوں پر جا کر بیٹھنے لگے۔ راجہ کے اندر سوراؤں کے تیغ زنی کے مقابلے منعقد کرائے جاتے تھے۔ اس لیے کہ حماد جو پانچ جوان تیر اندازی میں کامیاب ہوئے تھے ان میں سے صرف ایک کا انتخاب کر کے لیے تیغ زنی کا مقابلہ ہونا تھا۔ اور اس مقابلے میں جیتنے والے کو حسین کرشنا کا شوہر راجہ پتھوراکر کرشنا اور رتنا کے ہاتھ تھام کر اٹھا اور اس میدان کے اوپر بنی ہوئی پڑا کر بیٹھ گیا جس میں مقابلے ہونے تھے۔ وہ میدان کنویں کی مانند گول تھا۔ جس کے چاروں بیٹھنے کے لیے بیڑھیوں جیسی نشستیں بنی ہوئی تھیں۔ سب سے نیچی بیڑھی جو میدان کے اندر اسکے سامنے میدان کے چاروں طرف لوہے کی مضبوط سلاخوں کا ایک جھنگلا تھا جس کی بلند بارہ پندرہ ہاتھ سے کسی طور کم نہ ہوگی۔ میدان کے مغرب کی طرف لوہے کے جھنگلا کے چار آہنی پنجرے بنے ہوئے تھے جن میں سے ایک کے اندر شیر بند تھا جبکہ تین پنجرے

اس کا نام حماد بن خلدون ہے۔ اس کا گھر نیشاپور میں ہے۔ اور یہاں یہ سوداگری کا پیشہ کرتا ہے۔
رتنا کے اس انکشاف پر ہر طرف حیرت خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا۔
ماذہر گزرتیوں جیسا ماحول ایک دم ویران ہو کر خشک پتوں کی مانند بکھر گیا ہو۔ کرشنا کے
چہرے پر چند لمحات کے لیے مخموم ساٹا بکھر گیا تھا۔ پر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو بھٹال
یا اور اس کی فوجی آنکھوں میں دوبارہ پہلے جیسی دھیمی دھیمی مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔
راجہ پتھورا چند لمحوں تک حیرت و استعجاب کے عالم میں کھڑا تھا کہ وہ دیکھتا رہا پھر نہ جانے
اس نے کیا سوچا اور وہ اس کنواں نما میدان کی بیڑھیاں اتر کر آہستہ آہستہ نیچے جانے
لگا تھا۔

راجہ پتھورا جب بارہ کے قریب بیڑھیاں اتر گیا تو دفعتاً ہجوم کے اندر سے ایشال
نودار ہوا اور اس شہ نشین کے پاس آیا جہاں راجہ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی رتنا کھڑی
ہو گئی اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ آؤ بھتیجا۔ ایشال قریب چلا گیا۔ ہاتھوں
میں تلکی تلوا لیں۔ لیے پہریداروں نے اسے اس وجہ سے نہ روکا کہ رتنا اسے بھتیجا کہہ کر
بکا رہی تھی۔

ایشال قریب گیا۔ پھر اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس نے رتنا کو بازو سے پکڑ کر زمین
بگھسیٹ لیا اور اندھا دھند اس پیمکوں اور طمانچوں کی بارش کر دی۔ ساتھ ہی اس نے
دھکتی آگ کی طرح کھولتے لہجے میں کہا۔ تو میری بہن نہیں۔ تو نے میری ماں کی کوکھ سے جنم
نہیں لیا اگر ایسا ہوتا تو آج تو یوں اس بھرے پرے میدان میں اپنے اور میرے مٹن کو
ذیل در سوانہ کرتی۔ کمینیں اس نے صرف تمہیں یہاں سے لیجانے کے لیے سو تمہیں جھٹ
یا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سو تمہیں حیرت کر راجہ کے قریب ہو جائے اور موقع پا کر تمہیں لے بھاگے
اموں کے کچھ کارکن بھی یہاں آتے ہوتے ہیں۔ وہ مجھے ملے ہیں اور انہوں نے مجھے سب
پکڑنا دیا ہے کہ کیوں اور کس لیے حماد نے اس سو تمہیں جھٹ لیا ہے۔ اس نے یہ سارا
دونوں گ صرف تیری خاطر رچایا ہے۔

ایشال رتنا کو نیچے گر کر بری طرح مار رہا تھا اور رتنا تکلیف اور درد کی شدت سے

ہوا کی ڈھال کو بھی اس نے اپنی ڈھال پر روک لیا۔ پر یہ تو حماد کی ایک چال تھی جو پہلی دفعہ
ڈھالیں آپس میں ٹکرائیں۔ حماد نے اپنی ڈھال اس قدر زور لگا کر اپنے مقابل کو چھپنے کی طرف
جھٹکا دیا کہ وہ ہوا میں اچھلتا بڑی بے بسی کے عالم میں زمین پر گر گیا۔ حماد نے آگے
بڑھ کر جب اس پر وار کرنا چاہا تو اس جوان نے فوراً اپنی تلوار پھینک دی اور لیٹے ہی رہا۔
اس نے چہرہ اور اپنی چھاتی اپنی ڈھال کی اوٹ میں چھپا لیے جو اس بات کا اظہار تھا کہ یہ
شکست تسلیم کرتا ہوں۔

حماد کی حیرت پر میدان کے اوپر ایک شور مچا ہو گیا۔ لوگ حماد کی فتح پر خوشی کے نعرے
لگا رہے تھے۔ ان میں ایک خان سب سے پیش پیش تھا۔ اس نے اپنا آہنی نیزہ
میں لے لیا تھا اور دونوں ہاتھوں سے تالی بجا کر وہ اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کر رہا تھا۔
کے کارکوں نے اپنے ہاتھ فضا میں لہر لہر کر جب نماشا یوں کو چپ کر لیا تو راجہ پتھورا
جنگ پر کھڑا ہو گیا اور اونچی آواز میں حماد کو مخاطب کر کے کہا۔ اے سورما تو پلوان اور مہاشکتی
مالک ہے تو خوش بھاگ اور پرشار تھوڑا لالہ ہے کہ یہ سو تمہیں حیرت گیا ہے۔ اب تو میری بیٹی
کا برہ ہے۔ اپنے چہرے سے اپنے خود کا نقاب ہٹا کر اس دیکھو میری بیٹی کا ہونے والا
شکل و صورت میں کیسا ہے۔

حماد کی جھکی ہوئی گردن تن گئی اور اس نے اپنے چہرے سے خود کا نقاب ہٹا دیا
پتھورا نے اسے دیکھا اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ بالکل ویسا ہی چہرہ
نقشہ میں نے اپنی بیٹی کے برکتی نسبت اپنے من میں بنا رکھا تھا۔ اے بے بدل سورما! اپنا
اپنے باپ کا نام کہہ کہ میں اس بھرے میدان میں تیرا اور تیرے باپ کا نام لیکر تیری فتح
اعلان کر کے تیری عزت افزائی کروں اور اس اعلان کے ساتھ ہی۔

راجہ پتھورا کو رک جانا پڑا کیونکہ رتنا غصے میں بل کھاتی ہوئی کھڑی ہوئی اور اپنی
قوت سے چلا کر اس نے کہا۔ یہ دھوکہ ہے فریب ہے۔ راجہ کنہیا کے سو تمہیں ہندو
کے مطابق صرف کشتی کی ہی جھٹ لے سکتے ہیں۔ یہ جوان جو سو تمہیں جیتا ہے۔ یہ نہ کشتی
نہ اس کا ہندو دھرم سے کوئی تعلق ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ میلان ہے

جی بڑش کر دے گی۔ بھیا! تم مجھے ان سے بیاہنا چاہتے تھے نا۔ میں آج تمہارے سامنے
میں اپنا پتی کھتی ہوں۔ بس بھیا۔ اب تو تم خوش ہونا۔ آج کے بعد ارجن سے میرا کوئی تعلق کوئی
بندہ اور کوئی واسطہ نہیں ہے میں اس سے اپنی سگائی توڑتی ہوں۔

یشال کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر زننا نے اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پکارا لیکن یشال
رہنما تھا۔ زننا بک بک کر رونے لگی تھی۔ راجہ پتھورائے پہرہ لگا کر اشارہ کیا۔ ان میں سے
یشال کی لاش اٹھا کر لے گئے۔ زننا نے بھی لاش کے ساتھ جانا چاہا پر راجہ کے آدمیوں نے
سے زبردستی پکڑ کر وہیں بٹھا دیا جہاں وہ پہلے بیٹھی ہوئی تھی۔ زننا کی بری حالت تھی اور وہ
بچی آدائیں پچکیاں لے کر رو رہی تھی۔ لوگ پریشان ہو گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا کہ
ن قدر جلد یہ انقلاب کیسے آگیا۔



راجہ پتھورائے پھر اس کنواں غما موت کے میدان کی بیڑھیاں اترنے لگا تھا۔ اس کے پیچھے
بچے ننگی تلواریں پکڑے اس کے کچھ محافظ تھے۔ نیچے جانے کے بجائے راجہ چند بیڑھیاں اوپر
کھڑا ہو گیا اور حماد کی طرف دیکھتے ہوئے آگ بگولہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ زننا نے تم پر جو الزام
ٹاپا ہے کیا یہ درست ہے کیا تم کشتری نہیں مسلمان ہو؟

حماد نے اپنی جھکی ہوئی گردن اوپر اٹھائی۔ راجہ کی طرف دیکھا پھر اس کی چھاتی تن گئی
دربری جزات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ اے راجہ! میں جھوٹ نہیں کہتا۔ اس لڑکی
ہناج ہے۔ میں ہندو نہیں مسلمان ہوں۔ میں نے تمہارے دھرم کے خلاف کوئی بات نہیں
کی۔ اس سوئمر میں صرف اس لیے — راتے پتھورادھکتی ہوئی آگ کی مانند کھولتے
لہجے میں بول اٹھا۔ بس چپ رہو۔ تمہارا اتنا ایمان ہی کافی ہے کہ تم ہمارے دھرم کے نہ
وکر اس دم میں آں گھے ہو۔ پھر پتھورائے مقابلے کے میدان میں کھڑے اسے ان چاروں مورادیں
ما طرف دیکھا جو حماد سے مات کھا کر ایک طرف کھڑے تھے۔ راجہ نے انہیں مخاطب کرتے
اس کے اپنی کھوکھلی آوازیں کہا — چاروں اس پڑوٹ پڑوٹ اور اسے ختم کر دو۔

سے چھتی چلاتی جا رہی تھی۔ بیڑھیاں اترتے ہوئے راجہ کے قدم رک گئے۔ واپس ٹھہراؤ
بیڑھیاں پر کھڑے ہو کر اس نے اپنے محافظ اور پہرہ داروں سے کھوکھلی آوازیں کہا تم لوگ
دیکھ رہے ہو۔ ختم کرو۔ اسے جس نے یوں سرے عام راج محل کی نادی پر ہاتھ اٹھایا ہے
بھی وہ جو کل تک ان دیس نگریوں کی مہارانی بننے والی ہے۔

پہرہ دار آگے بڑھے اور ایک ساتھ یشال پر کئی تلواریں برس گئیں۔ زننا بچا رہی
جا رہی تھی اور چھتی چلاتی پہرہ داروں کو یشال پر حملہ کرنے سے روکتی بھی جا رہی تھی۔ لیکن
کیا ہو سکتا تھا۔ یشال کا پورا بدن لہو لہو ہو گیا تھا اور وہ زمین پر گر گیا تھا۔ اس کے بازو
سے ہو کر دوشک کو ہی ندیوں کی مانند پھیل گئے تھے۔

زننا نے یشال کا سر اپنی گود میں لیتے ہوئے کہا۔ بھیا! بھیا! یہ کیا ہو گیا۔ پھر
اور راجہ پتھورائے راجن در پریشان کھڑے تھے یشال نے آنکھیں کھولیں اور مردہ سی آوا
کہا۔ کاش تو میری بہن نہ ہوتی۔ حماد دم دونوں کا حسن ہے تم نے اس کا پیمان کیا ہے۔
پوٹرا استھان اور مندر ہے کاش تو اس استھان اور مندر کی دیو داسی ہوتی۔ وہ بیکسی اور پکا
دیوتا ہے کاش تو اس دیوتا کی بچاؤ ہوتی میں نے سوچا تھا ارجن کے بجائے تجھے میں ہما
بیادہ دوں گا پر تو نے میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اگر تو اس سے محبت نہیں کر
تجھے اس سے نفرت کرنے کا بھی کوئی اوھیکہ نہیں کہ وہ ہم دونوں کا حسن ہے۔

یشال کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ زننا نے اپنے دونوں نازک ہاتھ جوڑتے ہو
بھیا! مجھے سے بھول ہوئی۔ آخر کو میں بھی منس ہوں۔ میں آپ سے شام کی بھگشا مانگتی
یشال نے رک رک کر کہا۔ آہ! خبر نہیں حماد کا کیا بنتا ہے۔ اگر وہ زندہ رہ گیا تو تو
اپنے ان گن ہوں کی معافی مانگ لینا اگر وہ تجھے معاف کر دیں تو میری اتنا شانت ہو جائے
نیچے جھکی اور اپنا منہ یشال کے کان پر رکھتے ہوئے بے حد میٹھی آوازیں کہا۔

بھیا! میں آپ کو سمجھن دیتی ہوں میں حماد سے معافی مانگ لوں گی۔ میں آپ کی
شانت رکھوں گی۔ میں آپ کو یہ سمجھن بھی دیتی ہوں کہ میں ان سے ایسی محبت اور الیا
کر دیتی کہ وہ اپنی زندگی کے سارے دکھ بھول جائیں گے۔ بھیا! میں انہیں یہاں سے

زننا نے رونا بند کر دیا تھا اور چونک کر وہ میدان میں کھڑے حماد کی طرف لگی تھی۔ چاروں جوان اپنی تلواریں سوختے حماد کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ میدان کے اوپر ایک خان پریشان ہو گیا۔ تاہم اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا نیزہ ایسے رخ پر تھام لیا تھا وہ ضرورت پڑنے پر حماد سے لڑنے والوں پر اپنا وہ آہنی نیزہ دے مارے گا۔ حماد فوراً میں آیا۔ کشتریوں والا لباس اتار کر اس نے دور پھینک دیا۔ اب اس کی ذرہ بچک رہی تھی۔ کیے نیچے اس نے ٹاٹ کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس نے اپنی تلوار ڈھال سنبھالی اور حماد کے لیے متعجب ہو گیا تھا۔

زننا نے اپنی دونوں آنکھیں بند کر لیں۔ پوچھا کہ انداز میں اس نے اپنے دونوں جوڑے اور کمرشنا کی موجودگی کی پرواہ کیسے بغیر اس نے اپنی لڑتی آواز میں کہا۔ اے جگا اس میدان میں حماد کی جے ہو۔ دوبارہ چونکتے ہوئے زننا نے اپنی آنکھیں کھولیں اور نیچے کے اندر دیکھنے لگی وہ چاروں سو رما آگے بڑھ کر حماد کے بالکل نزدیک کھڑے ہو گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے رحم انگیز آواز میں کہا۔

تم بہادر، بلوان اور بلونت جوان ہو۔ ہم چاروں تم سے جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ تم شکست تسلیم کر لو۔ حماد نے اپنی ڈھال اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ شکست تسلیم کر کے کیا فرق پڑے گا۔ راجہ میری موت چاہتا ہے۔ اور میں اس میدان میں بزدلوں کی مرنا نہیں چاہتا۔ کوئی نہ کوئی مسافر نیشا پور میرے بوڑھے باپ کو یہ خبر ضرور پہنچا دے۔ تمہارا بیٹا اجیر میں مارا گیا۔ اگر میں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور مارا گیا تو میرا باپ لے کر کھوک دیگا۔ اگر میں یہاں لڑتا ہوں مارا گیا اور یہ خبر میرے باپ کے پاس پہنچی۔ خروا ولسا سے اس کا سر بلند ہو جائے گا۔

وہ جوان اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ پھر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ اچھو تمہارے خیالات ہیں تو پھر حماد سے ہاتھوں مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں سے بھلا کون موت کی خبر تمہارے باپ کے پاس نیشا پور پہنچا دیگا۔ حماد نے تلوار لہراتے ہوئے چاروں آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ جب تک میرے بازوؤں میں قوت، میری تلوار

تیز اور میرے جسم میں خون گردش کرتا ہے میں تم چاروں کا مقابلہ کروں گا۔ سو اس موت کے میدان کے میرے چاروں ساتھیو میرا دل کہتا ہے۔ اس میدان کے اندر میں تم چاروں کو گھیر کر کٹری کی طرح کاٹ اور زونے کے گچھے کی طرح مل کر رکھ دوں گا۔

ان چاروں نے ایک ساتھ حماد پر حملہ کر دیا۔ حماد نے نیچے جھک کر اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک لیے اپنے آپ کو اس نے اپنی ڈھال کے نیچے چھپا لیا۔ حملہ کرنے والوں کی چاروں ٹلوں کو اس نے اپنی ڈھال پر روک رکھا تھا۔ پھر اس نے زور سے اپنی تلوار لہرا کر مادی اور ان چاروں میں سے دو کی ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔ میدان میں ان دونوں کی جھجک جھنجھٹیں بلند ہوتی تھیں۔ اتنی

دیر بعد دوسرے دو میں سے ایک نے اپنی تلوار کا ایک ٹیڑھا زاویہ بنا کر حماد پر وار کیا۔ حماد نے اس خطرناک وار سے بچنا چاہا لیکن ناکام رہا اور تلوار اس کے بازو پر گری اور زردہ کی کوڑیاں کاٹتی ہوئی گھر لگھاؤ لگاتی چلی گئی تھی۔ خون کی ایک تیز دھار بہہ نکلی تھی اور حماد کے ٹاٹ کے لباس کو رنگین بنانے لگی تھی۔ حماد کا بایاں شانہ بُری طرح زخمی ہو گیا تھا لیکن زردہ رہنے کی امید میں اس نے ہمت نہ ہاری تھی۔ قبل اس کے ان دونوں میں سے پھر اس پر کوئی وار کرتا۔ وہ ایک غصیلی جبت لگا کر اٹھٹا اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک نگاہ اس نے اپنے زخمی شانے پر ڈالی اور نئے انداز میں حملہ آور ہونے کے متعلق سوچنے لگا تھا۔

حماد کو زخمی دیکھ کر رتن پریشان ہو گئی تھی۔ ایک خان نے ہاتھ میں پکڑا ہوا نیزہ لہرا کر مارنا چاہا تھا پر اسے رک جانا پڑا کیونکہ حماد بُری طرح پیچ کر اپنے دونوں مقابلوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ ان دونوں نے جم کر حماد کے حملوں کا دفاع کرنا چاہا لیکن اس بار حماد کا انداز طوفانی تھا اور بڑے وحشی پن سے آندھل چھپٹ کی طرح انتہائی مہلک اور خطرناک حملے کرنے لگا تھا۔ جلد ہی حماد ان میں سے ایک کی گردن کاٹ دینے میں کامیاب ہو گیا۔ آخری جوان حماد کے سامنے زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکا اور زخمی ہونے کے باوجود حماد نے اسے شاہ سے پیلوں تک پیچ کر رکھ دیا تھا۔

زننا اور ایک خان کے چہروں پر اطمینان کی لہریں پھیل گئی تھیں راجہ پتھوڑا غضبناک ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میدان کے اندر اترنے والی سیڑھیوں کے پاس وہ آیا اور اپنی چوٹی

چلائی آواز میں اس میدان کے منتظموں سے کہا۔ شیر چھوڑ دو۔ اس پر شیر چھوڑ دیا۔ چڑھ چکے ہوں یہ کیسے بچتا ہے۔

رتنا نے سادی جھبک ایک طرف رکھ دی اور اپنے قریب بیٹھی ہوتی کمرٹنا سے کہا۔ راجکامادی اتم سب کچھ کر سکتی ہو۔ جھگوان کے لیے اس جوان کو موت کے اس کونو میں سے نکالو۔ کمرٹنا یوں چپ رہی جیسے وہ کہیں کھو چکی ہو۔ رتنا نے ایک اور حربہ آزمایا۔ راجکامادی یہ جوان خوبصورت بھی ہے اور بلدان بھی۔ تمہارا سوئے جیت چکا ہے اس کے علاوہ اس بھرے میدان میں تمہارا پتا اور اس راج کا راجا اس جوان کو تمہارا برادر پتی کہہ کر پکار چکا ہے۔ تم اپنے پتی کو اپنے سامنے بے بسی کی موت مر جانے دو گی۔

رختے میں رتنا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ قبل اس کے وہ اپنے رد عمل کا اظہار کرتی۔ میدان کے منتظمین نے میدان کے سارے دروازے بند کر کے شیر کو پیچھے سے نکال دیا۔ پیچھے سے نکل کر شیر نے ایک گہری انگڑائی لی۔ پھر وہ جھوکا درندہ غضبناک نگاہوں سے حماد کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ حماد میدان کے وسط میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی ڈھال اپنے سامنے کر لی تھی۔ اگلی آنکھوں آلود تلواریں حالات کا سامنا کرنے کو تیار تھیں۔ رتنا ہچکاری دم بخود ہو کر رہ گئی تھی اور اس کے چہرے پر موت کی پرچھائیاں گہری ہو گئی تھیں۔

جونہی شیر حماد کے اوپر جھبٹ لگانے لگا۔ میدان کے اوپر کھڑے ایک خان نے انتہائی غصیلے انداز میں اپنا نیزہ تانا اور تاک کر شیر کو مارا وہ ہے کا بھاری نیزہ شیر کی پسلیوں کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔ زخمی ہو کر شیر اور پھر گیا اور حماد کے اوپر اس قوت سے جھبٹ لگائی جیسے جھوٹا نہ کر سکا اور زمین پر گر گیا کیونکہ اس کا شانہ بڑی طرح زخمی ہونے کے باعث اس کا بایاں بلا کام نہ کر رہا تھا۔

زمین پر گرے ہی حماد نے اٹھنا چاہا تھا کہ شیر نے پھر اس پر چھلانگ لگا دی۔ حماد پھر چاروں شانے چیت کر گیا تاہم اس نے اپنے آپ کو اپنی ڈھال کی اوٹ میں کر لیا تھا اور پھر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ قبل اس کے شیر آگے بڑھ کر حماد کو بھینچوڑنا شروع کر دیا۔ میدان کے اوپر کھڑے ایک خان نے اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال کر میدان میں چھلانگ

لگا دی۔ ایک خان عین شیر کے سامنے آکر گر اٹھا۔ شیر حماد سے ہٹ کر ایک خان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ ایک خان شیر پر حملہ آور ہوتا۔ شیر نے چھلانگ لگا کر ایک خان کو دلوچ لیا۔ اور اپنے دانت ایک خان کی گردن میں گاڑ دیتے تھے۔ تھکا ہوا اور زخمی حماد ایک بار پھر ہمت کر کے اٹھا اپنی تلوار لہرائی اور کر کے قریب سے اس نے شیر کو دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔ میدان میں شیر کی دہشتناک دھڑکنائی دی پھر اس کے جسم کے دونوں حصے زمین پر گر کر بے جان ہو گئے۔ حماد نے آگے بڑھ کر ایک خان کو دیکھا۔ شیر نے اس کا گلہ پھاڑ دیا تھا اور وہ ختم ہو چکا تھا۔ حماد نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور بالوں ہو گیا۔ ایک خان بچا ہوا دم توڑ چکا تھا۔ پھر حماد کو وہ دشمنوں کے حربے سے بچا گیا تھا۔

راجہ پتھورا غصے میں بل کھاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اور زمین سو رماؤں کو حماد کو ختم کرنے کے لیے میدان میں اترنے کا حکم دیا۔ تینوں نووارد جب میدان میں اترے تو ایک خان کی لاش کے پاس گردن جھکا کر بیٹھا ہوا حماد اپنی پوری ہمت مجتمع کر کے پھر کھڑا ہو گیا۔ اس کے جسم سے کافی خون نکل گیا تھا اور اس پر نقا ہست طاری ہوتی جا رہی تھی۔

تینوں نووارد تشکار کرنے والے دیکھ کر طرح شور کرتے ہوئے حماد پر حملہ آور ہو گئے۔ حماد زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ کچھ دیر تک وہ اپنے دفاع میں ہاتھ پاؤں اتار رہا پر کوئی جاوہانہ حملہ نہ کر سکا تھا۔ تینوں تازہ دم جوان مختلف سمتوں سے ایسے طوفانی انداز میں حماد پر حملہ آور ہوئے کہ حماد بکھلا گیا۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنے پاؤں کی ایک سخت ٹھوکری حماد کی ٹانگوں پر ماری۔ حماد ڈھری بے بسی کے عالم میں زمین پر گر گیا۔

وہ تینوں آگے بڑھ کر اپنی تلواروں سے حماد کا جسم بکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے تھے کہ رتنا غصے میں بل کھاتی ہوئی اٹھی اور اپنی پوری آواز سے چلا کر کہا۔ بھوڑ دو اسے۔ مت مارو۔ تینوں حملہ آور راجکامادی کرشنا کی طرف دیکھنے لگے۔ کرشنا نے پھر حکمانہ انداز میں کہا۔ تم تینوں میدان سے باہر نکل جاؤ اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔

تینوں نووارد حملہ آور میدان سے باہر نکل گئے۔ حماد آہستہ آہستہ اٹھا اور آہنی جھنگ

کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔ کہ شننا جب اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تو راجہ پتھورا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یہ تم نے کیا کیا؟ ایسے ادھر کو چھڑا دیا جیسے اس میدان کے اندر میں خون میں لت پت دیکھنا چاہتا تھا۔ گو وہ سوز جیت چکا ہے اس کے باوجود میں اسے زندہ دیکھنا نہیں چاہتا۔

کہ شننا نے فوراً رخ بدلتے ہوئے کہا اس جیسے ادھر می کے لیے یہ سزا کچھ نہ ہوگی۔ میں اسے ستا سکتا کر ماننا چاہتی ہوں تاکہ اسے خبر ہو کہ ہمارے دھرم کے رسومات کے خلاف چلنا کیسی بڑی سزا کا موجب بننا ہے۔ پتا جی! آپ مطمئن رہیں یہ اس سے اس کے اس ڈھونگ کا ایسا انتقام لوں گی کہ یہ اپنے آپ کو نہ زندہ بلکہ اور نہ مردوں میں تصور کر سکیگا۔

راجہ پتھورا مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی افواج کا سینا ایک طرف سے بھاگتا ہوا آیا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر راجہ پتھورا بوکھلا گیا وہ پا پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ سینا پتی نزدیک آ کر خود ہی بول پڑا۔ مہاراج غضب ہو گیا۔ پتھورا کا ہوتا ہوا بولا گیا ہوا، سینا پتی اپنی بوکھلاہٹ پر قدر سے قابو پاتا ہوا بولا۔ مہاراج! غور کے حکمران نے ہند پر حملہ کر دیا ہے اور شہاب الدین کا لشکر طوفانی انداز میں آگے بڑھا ہے۔ اس کا رخ ہستنا پور کی طرف ہے۔ ابھی ابھی ہمارا ایک جاسوس یہ خبر لایا ہے راجہ پتھورا نے سینا پتی کی طرف بالیسی کے انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔ تم اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دو۔ میں بھی آ رہا ہوں۔ میں خود اپنی افواج کی کمان کروں گا۔ سینا پتی چلا گیا تو پتھورا نے کہ شننا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میری بیٹی! میرے بعد راج کا سارا انتظام تمہاری نگرانی میں ہو گا میرے آنے تک اس مسلمان حماد کو زندہ رکھنا اور جو سزا تم اسے چاہتی ہو میری موجودگی میں ہوگی تاکہ میں بھی اس سے لطف اندوز ہو سکوں اور کہ شننا! دن کا بھی خیال رکھنا میرے آنے تک یہ تمہارے پاس ایک قیدی کی حیثیت رہے گی۔ اس پر کڑی نگاہ رکھنا کہ کوئی اسے دھوکہ دہی سے چھڑا کر نہ لے جائے۔ کہ شننا کھڑی ہو گئی اور پتھورا کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ آپ کوئی اندیشہ

میریں پتا جی! ہر کام آپ کی اچھا کے مطابق ہو گا۔ راجہ پتھورا تیز قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا جب وہ لگا ہوں سے اوچل ہو گیا تو رتنانے اس سے کہا۔ میں جانتی ہوں یہاں میں ایک قیدی ہوں پر میری تم سے ایک بنتی ہے۔ مجھے قید خانے کے اسی کمرے میں رکھنا جس میں تم حماد کو رکھو تاکہ میں ان کے ساتھ رہ کر ان کے زخموں کی دیکھ بھال کر سکوں۔ کہ شننا نے گہری مسکراہٹ میں کہا میں تم دونوں کی دشمن نہیں ہوں۔ جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔ کہ شننا نے حماد کو میدان سے باہر آنے کا حکم دیا۔ جب وہ باہر آیا تو کہ شننا اسے اپنے محافظوں کی نگرانی میں محل کی طرف لے گئی رتنا بھی ان کے ساتھ تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھر وں کو چلے گئے تھے۔

ہاتھ اپنے پاؤں سے ہٹا دیتے اور غضبناک ہو کر کہا۔ میرے جسم کو ہاتھ مت لگاؤ۔ دور رہو مجھ سے۔
مجھے تم سے نفرت ہے۔

رتنا نے حماد کی باتوں کا بڑا نہ مانا۔ وہ کچھ اس طرح پرسکون رہی جیسے سوتا ہوا بچہ یا کوئی
پرخواب نوازائیدہ خواہش پھر وہ رمز و اشارات سے بھر پور اپنی دودھ جیسی شیریں اور شہد جیسی
رس دار آواز میں بولی جسے چاند نے سرگوشی کی ہو۔ جو رتنا آپ سے نفرت کرتی تھی وہ مریچی
ہے۔ آپ میرے پریم کے مندر ہیں۔ آپ کی خاطر میں اب پورا سناٹا ٹھکرا سکتی ہوں۔ اگر آپ
نے شہا کر دیا تو میری آتما مر ہو جاتے گی اور میں سبھاگی ہونگی کہ جیون کا اصل راز پاؤں گی۔ آپ مجسمہ
دھرم ہیں۔ میری خطاؤں کو بھول جائیں۔ آج سے آپ میری آنکھیں اور میرا سن ہیں۔ مجھے آپ
سے پریم اور محبت ہے۔ آپ میری سالنوں ہیں، میری آہوں اور میرے اعصاب ہیں احساس
کے غمی بن کر رہیں گے۔ اپنی موت تک آپ کا نام میں اپنے سینے میں سلامت رکھوں گی۔

حماد نے پھر اپنی سخت پس اور پرپوش جوان آواز میں بینا رسی کا رس گھولتے ہوئے کہا
تم بھول رہی ہو تم سے قطعاً کوئی ہمدردی مجھے نہیں ہے۔ تمہارے ثقافتی اور تہذیبی عوامل مجھے
سے علیحدہ اور جدا ہیں۔ حماد ذرا دوا کچھ کھنک دار آواز میں بولا۔ گویا فانی کوئی
صد حرکت میں آتی ہو۔ زندگی تم جیسی لڑکی سے سمجھوتہ کرنے کا نام نہیں ہے۔ تم نے میری
قوم اور میرے مذہب کی عظمت کا مذاق اڑایا ہے۔ جہاں میرے خلوص کو اندیشہ زوال نہیں
ہے وہاں تیری گندی زبان کے زخموں کا اندھا حال نہیں ہے۔ میرے تمہارے خیالات میں کوئی
آہنگی کوئی توازن نہیں ہے۔ تمہارا صدف جیسا حسن گوہر نایاب جیسی سندرتا اور تمہارا دل گرفتہ
جمالی وحدت میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتے اس لیے کہ تم میرے مقصود کا حل نہیں ہو۔
میرے لیے اپنے مذہب کی ایک بدترین منکرہ داشتہ بھی تم سے ہزار ہا درجے بہتر اور
ارفع ہے۔

کمرے میں موت کے سالیوں کی وادی جیسا یوں سکوت چھا گیا تھا۔ جیسے خاموشی و
صد اور موت و خوت آپس میں لڑ لڑ کر بے سدھ ہو گئے ہوں۔ پھر رتنا نے اپنی نیچی شریلی
آنکھوں کو اور زیادہ جھکاتے ہوئے ایک عجیب سے طرفین اور کانوں میں رس آنکھیں

رات ہو گئی تھی۔ راجہ پتھوڑا اپنا لشکر لے کر اجیر سے کوچ کر چکا تھا۔ کمرٹنا نے حماد اور
رتنا کو قید خانے میں ڈالنے کے بجائے راج محل کے ایک کمرے میں دونوں کو اکٹھا بند کر دیا تھا۔
حماد کمرے کے ایک کونے میں ننگے فرش پر بے بسی کی حالت میں پڑا تھا کہ رتنا نے ویدوں
سے اسکے زخم کی مرہم پی کر دی تھی۔ تاہم اس کے زخم سے ناقابل برداشت ٹیسس اٹھ رہی
تھیں۔ حماد کے قریب ہی رتنا بھی فرش پر بیٹھی اسے بڑی حسرت خیز اور سرمایہ ندامت آنکھوں
سے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ چپ اور یوں ساکن تھی جیسے — جیسے دیوار پر کھڑا ہوا
کوئی نقش ہو یوں لگتا تھا گویا مقتضیات دوران کے تحت اپنی زیست کے کاشانے کو آگ لگا
کر وہ خود ہی اس کا نظارہ کر رہی ہو۔

رتنا نے کچھ سوچا کہ کشاں کی طرح لہراتی ہوئی وہ اپنی جگہ سے اٹھی نہ جانے کس فعل و
خیال کے تحت وہ حماد کے پاس آتی اور اس کے سامنے بیٹھ کر اس کے دونوں پاؤں پکڑتے
ہوئے اپنی روتی اور سلگتی آواز میں کہا۔ میں آپ سے شہا کی بھگتا مانگتی ہوں۔ مجھ پر دیا کیجئے
دیا کو نہا ہی سب سے بڑا دھرم ہے۔ میری طرف سے آپ کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ کرموں کا
لکھا تھا۔ آپ میرے دیوتا اور میرے سادھن ہیں۔ آپ اگر مجھے شہا کر دیں تو میرے سورگ باشی
بھائی کی آتما کو آند بلیگا اور میرا جسم بے روگ ہو جائیگا۔

حماد کا مزاج یوں سنگ اٹھا گیا انگاروں پر کوئلے یا آگ پر ایندھن رکھ دیا گیا ہو۔ اس
نے الفاظ کی عجیب تیش کے ساتھ انگاروں کے ڈھیر کی طرح جھڑکتے ہوئے رتنا کے دونوں

جذبات کو نظر انداز کرنا تھا ہوا حاد لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

زننا بھی زخمی زخمی نہ تھی نہ اسے مگر یہ کی مانند ناشاد اور سوگوار ہو گئی تھی۔ اس کی حالت ایسی چوٹی تھی۔ گویا بھر کی سنگلاخ چٹانوں پر انتظار و وصل کے آگینے گھر گھر پاش پاش ہو گئے ہوں۔ اس کے مکھن کی طرح چکنے جسم کی حسین نازک رگوں میں حماد کی باتوں نے پراسرار اور بے نوم و بے خواب کر دینے والا موت کا زہر کھول دیا تھا۔ حماد سوتا رہا۔ اس کے پاس بیٹھ کر تنہا پیار سے دیکھتی رہی اور رات تیزی سے بھاگتی رہی۔



اُدھی رات کے قریب جبکہ قدرت کی ہر چیز اور فطرت کا ہر عنصر سرگے انتظار اور امید میں عجیب سرخوشی کے عالم میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی جس کے اندر حماد اور زننا کو بند کیا گیا تھا۔ رتنا چونک کر جاگ گئی اس نے دیکھا اس کے قریب ہی حماد گہری نیند سو رہا تھا۔ دروازے پر ایک بار پھر پراسرار دستک ہوئی اور زننا اٹھ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازے سے منہ لگا کر پوچھا کون ہے؟ باہر سے کسی کی آواز سنائی دی۔ زننا رتنا اور دروازہ کھولا۔ رتنا پہچان گئی وہ کرشنا کی آواز تھی۔ پھر بھی اس نے اپنی اور حماد کی سلامتی کی خاطر دوبارہ پوچھ لیا۔ تم کون ہو؟ آواز پھر سنائی دی۔ میں کرشنا ہوں دروازہ کھولو اس میں تمہاری اور حماد کی بہتری ہے۔

رتنا نے جب دروازہ کھولا تو کرشنا اندر داخل ہوئی اور دروازہ اس نے پہلے کی طرح بند کر دیا۔ پھر اس نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا حماد سو رہا ہے؟ سنو زننا سنا میں نے تم دونوں کے یہاں سے بھاگ جانے کا بندوبست کر لیا ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ یہاں سے نکلنے کے بعد تم میری خاطر حماد کا خیال رکھو گی کیونکہ وہ زخمی ہے۔ سنو زننا سو تمہارے جیت کر وہ اپنے آپ کو میرا حقدار تسلیم کر چکا ہے۔ میں اسے اپنے تخیل کا دیوتا اور اپنے جسم کا مالک تصور کرتی ہوں۔ وہ میرے جیون کے صدف کا ایک گوشہ ہے۔ جب یہاں کے حالات ٹھیک ہو گئے تو میں ضرور اسے اپنے پاس بلاؤں گی۔ وہ مسلمان ہے تو کیا ہو میرے پتا خود اسے میرا

دینے والی آوازیں کہا۔ مجھے نراس نہ کیجئے۔ میں مانتی ہوں آپ کی نظر میں مردوش نہیں ہوں۔ اس کے باوجود میری مانتی ہے مجھے شاکر دیں دیوی دیوتا آپ کو اپنے شرن میں رکھیں گے مجھ پر دشواری اور بھروسہ کیجئے میں اپنا سارا جیون آپ کے پوتہ چرنوں میں گزارنے کا عہد کر چکی ہوں۔ اسی میں میری کمٹی، میرا نردوان اور نجات ہے جس طرح ادوان سے کھاٹ مضبوط رہتی ہے۔ اس طرح میں اپنی پرچک (حمایت) سے آپ کو حوصلہ مند اور بے فکر رکھوں گی جس طرح نندا کے پوتہ استھان کا کوئی یا تری بھجن اور اشوک سننے کا آرزو مند رہتا ہے۔ ویسے ہی میں اپنی محبت اور چاہت میں آپ کا انتظار کیا کروں گی۔

حماد نے رتنا کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا آہستہ آہستہ وہ اٹھا اور قریب ہی پڑے ہوئے مٹکے سے پانی پینا چاہا۔ رتنا برق کی سی تیزی سے اٹھی۔ اور مٹی کا بڑا سا ایک پیالہ پانی سے بالاب بھر کر حماد کو پیش کیا ایسے انداز میں جیسے وہ جھک کر اسے اگر گہرے اسلامی دے رہا ہو۔ حماد نے گہری نگاہوں سے رتنا کا جائزہ لیا پھر پانی کا پیالہ تمام کر پینے لگا۔ وہ سارا پانی نہ پی سکا تھا کیونکہ پانی بچا رہا۔ جب اس نے وہ پانی پھینکنا چاہا تو رتنا نے اس کے ہاتھ سے پیالہ چھین لیا اور حماد کا سارا جھوٹا پانی پینے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ آپ کا جھوٹا پانی پی کر جو آند (خوشی) ملا ہے اس کا وزن (ظہار) میرے بس میں نہیں ہے۔

حماد پیچھے ہٹ کر پھر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ زننا پھر بولی آپ کس وجہ سے یہاں کھو گئے ہیں۔ حماد نے دغا پیشہ اور پرالٹہا آواز میں کہا۔ اس قدر قلق سے فائدہ ایسے اضطرار سے کیا حاصل۔ میں نے کہا مجھے تم سے نفرت ہے اور جو میں کہہ چکا وہ اٹل ہے۔ تمہارے لبوں کی مٹھاس میرے لیے محرومیوں کی آگ اور تمہارے ہونٹوں کے ننگے افق میرے لیے فہر آؤ دیا ہے۔ اب خاموش رہو اور مجھے آرام کرنے دو کہ میں تھکا ہوا ہوں اور بہ لوگ نہ جانے کب مجھے پر موت سوار کر دیں میں مرنے سے قبل تیری گندی فطرت کی رسوا کن کی مار اور تیرے حن تلوں سرشت کے آگے جھکنا نہیں چاہتا۔ سنو! میرا فیصلہ غور سے سنو میں اپنے خیالوں میں اپنی دعاؤں میں تم سے نفرت و بیزاری کا ظہار کرتا رہوں گا۔ زننا کے

ہوا۔ اس کے سامنے رتنا نہیں بلکہ کوئی زرفشاں کرن، معصوم جنگلی پھول کوئی لالہ صحرا یا۔
یا کوئی فنوں سا زہا بھرا رکھا ہو۔ حماد نے ایک عجیب سی سعادت اثری کا اظہار کرتے ہوئے
پوچھا۔ کیا ہوا تم نے مجھے جگا کیوں دیا۔ کیا میری موت کا وقت آن پہنچا ہے۔ اس کے بچہ میں عجیب سی
پاس تھی جیسے کسی غر خانے میں کسی کی چنچ یا کسی قید خانے میں کسی بے گناہ کے مصلوب ہونے پر کسی
امی گیت کی صدا تیں بلند ہوتی ہوں۔

رتنا نے اپنے ذہن میں اٹھنے والے مدد جز کو جھٹک دیا۔ پھر اس نے نازک و پرکار اور
آرزو خیز ادا کے ساتھ کہا۔ اٹھئے یہاں سے بھاگ چلیں۔ رتنا کی رعنائی صوت میں ایک طلسم تھا۔ حماد
نے ہجرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ کیا تم راجہ پتھور کے ساتھ مل کر میرے خلاف کوئی سازش
کرتے ہو۔ حماد کا پھر اک جذب بے اعتنائی سے اس نے کہا۔ میں تمہارے اور راجہ
پتھور کے صنم پرست ذہن اور دل ملحد کا پابند و دوام نہیں ہوں۔ اب تمہاری لذت گرل خوابی
مجھ پر کنیز غالب آسکتی ہے۔ جاؤ اس کمرے سے نکل جاؤ اور مجھے اپنی موت کا انتظار کرنے
دو جہاد دوبارہ کمرے کے ننگے فرش پر لیٹ گیا۔

رتنا نے حماد کے پاؤں پکڑتے ہوئے اس بار پست و پامال مگر طلسمات ناز سے پر آواز
میں کہا مجھے اپنے جھگوان کی سوگند اور آپ کے رب کی قسم! میں آپ سے دھوکہ نہیں کر رہی۔
میں آپ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز اور اپنے دل سے زیادہ قریب سمجھتی ہوں آپ اٹھئے یقیناً
تم دونوں کے یہاں سے فرار ہونے کا وقت آگیا ہے۔ حماد اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور نالہ شب گیر
جیسی آوازیں کہا۔ قسم ہے مجھے جی وقیم اور اس کی جو خدا نے خوبی اور رب جمال ہے اگر یہ دھوکہ
ہو اور میں تیری گردل کاٹ دوں گا۔

رتنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ اٹھ کر باہر تو چلتے اگر میں نے آپ سے دھوکہ کیا تو
آپ بیشک میری گردن کاٹ دیں۔ حماد کھڑا ہو گیا۔ دونوں جب کمرے سے باہر آتے تو وہاں
کوڑا کھڑی تھی۔ حماد کو دیکھتے ہی وہ جیسا سے لال جھبھو کا ہو گئی تھی۔ اس کے جسم کی رگوں میں
جوانی کے خون کی گردش تیز ہو گئی تھی وہ مست و مگن کر دینے والی لہر اور جوالانی نفس کا نثار
ہو گئی تھی۔ پھر اس نے باجے میں بند وراگ جیسی آوازیں حماد اور رتنا سے کہا۔ اور میرے

بہتی کہہ چکے ہیں اس لیے میں اسی سے بیاہ رچاؤنگی جس نے میرا سو بھر جیتا ہے میں نہیں
وہ کون ہے اور اس کا تعلق کس سرزمین سے ہے اس کے باوجود میں اسے اپنا جیون ر
بنا چکی ہوں۔ حماد نے اپنا تیراٹھاتے وقت کہا تھا کہ وہ نگر کوٹ کا رہنے والا ہے۔ تم
یہاں سے نکال کر نگر کوٹ لے جانا اور جب یہاں کے حالات میرے حق میں ہو گئے
میں اسے نگر کوٹ سے یہاں منگووانوں گی۔ حماد کو میری امانت سمجھ کر اس کا خیال رکھنا۔ اب
اسے جگاؤ باہر لاؤ۔ میں اس کمرے سے باہر کھڑی ہوتی ہوں میں تم دونوں کے فرار کا
بند و بست کو چنچکی ہوں۔

کوڑا نا باہر نکل گئی۔ رتنا حماد کی طرف بڑھی۔ کرشنا کی باتوں سے رتنا کے چہرے پر
غروب شام کا سا منظر چھا گیا تھا۔ اب وہ بھلا بخیر برداشت کر سکتی تھی کہ حماد کسی اور کا پر
کوڑا کی گفتگو سے اسے یوں لگا تھا گویا کسی نے اس کی چاہتوں اور تمنائوں کی بساط لیٹ کر
احساس کی بے حسی اور فریب کی ریگ تلے دفن کر کے ہمیشہ کے لیے اپنی آنکھیں جھکوانے
مجبور کر دیا ہو۔ وہ ایسا غمگین کر رہی تھی کہ کسی ٹوٹی ہوئی خمیدہ گردن کی مانند اس کے دل کو
کمرے سے کسی نے کھڑوئے پانی کی جھیل میں پھینک دیا ہو۔ اس کے دل کے افق پر ایک ہڑ
اٹھی۔ تو حماد کو مجھ سے چھین لیا جائے گا۔ رتنا نے اپنے سر کو جھٹک دیا اور تلخ آوازیں کا
نہیں کبھی نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے جیون کی سحر کا نارا ہیں۔ اگر میں شروع میں ہی ان
نفرت کا اظہار نہ کرتی تو اب تک میں انہیں جیت چکی ہوتی۔ پھر رتنا نے ایک عزم سے
وہ میرے ہیں اور میں انہیں چھپنے نہ دوں گا۔

پھر رتنا کے لبوں پر کراٹ اور آنکھوں میں شوخی بکھر گئی۔ وہ ایسی مطمئن دکھائی دینے
تھی جیسے فصل کاٹتے وقت اور غنیمت کی تقسیم کے وقت لوگ خوش ہوتے ہیں۔ رتنا کا
پاس آتی اور اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے مشک و مقناطیس جیسی پرکشش۔ ترنم
جیسی پرسوز اور ساز کے پردوں سے نکلنے والی نغمی جیسی پراتر اپنی آوازیں کہا۔ حماد
اٹھواں گھبراہٹ کھولو!

حماد اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے سامنے بیٹھی ہوئی رتنا کی طرف دیکھنے لگا اسے یوں

حماد اور تناس کے پیچھے چلنے لگے۔ کرشنا دونوں کو لیکر راج محل کے اصطبل آئی۔ حماد نے دیکھا وہاں اس کا اپنا گھوڑا کھڑا تھا اور اس کی زین پر اس کے سارے ہتھیار تھے۔ حماد نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ میرا گھوڑا تو سرانے میں تھا یہاں کیسے آگیا۔ نے اپنی سبک سار اور عشرت سوز نہاں میں ڈوبی آواز میں کہا۔ سرانے کا مالک آپ کو میرا مقابلہ کرتے دیکھ چکا تھا۔ جب آپ کو گرفتار کر لیا گیا تو وہ خود ہی آپ کا گھوڑا یہاں چھوڑ گیا۔ کے گھوڑے کے ساتھ وہ ایک اور گھوڑا بھی لے گیا تھا اس کا کہنا تھا کہ یہ گھوڑا آپ کے ایک ساتھی ہے۔ اُدھر دیکھئے دوسرا گھوڑا وہ کھڑا ہے۔ حماد نے اصطبل کے دوسری طرف وہاں ایک خان کا گھوڑا کھڑا تھا اس پر بھی زین کسی ہوئی تھی۔

حماد کچھ کہنے والا تھا کہ کرشنا پھر بولی۔ اب تم دونوں یہاں سے بھاگ جاؤ۔ میں نے مشکل سے تم دونوں کے فرار کا بندوبست کیا ہے۔ حماد نے دھیمی آواز میں کہا۔ اگر راجہ جاگ اُڑا سے اس فرار کا علم ہو گیا۔ پھر ہم دونوں کا کیا انجام ہو گا کرشنا نے ٹھن انڈاز میں کہا راجہ کے اندر کے ساتھ ہتھن پور کی طرف کوچ کر چکا ہے۔ کیونکہ غزنی کے حکمران سلطان شہاب الدین ہند پر حملہ کر دیا ہے۔ حماد نے اہستہ سی آواز میں کہا تو میرا سلطان ہند پر حملہ کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ حماد نے کچھ نہ کہا اور اپنے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ تناس ایک خان گھوڑے پر سوار ہو گئی تھی۔ حماد نے پھر کرشنا کو مخاطب کر کے کہا۔ مجھ پر ایک اور مہربانی کرنا کے میدان میں مجھے شیر سے بچاتے ہوئے میرا ساتھی جو شہید ہو گیا تھا۔ اس کی لاش کو کہیں دُکڑا دینا کرشنا نے بوجھل آواز میں کہا۔ آپ غم نہ کریں۔ میں اسے آپ کے مذہب کی رسوم مطابق دفن کرا چکی ہوں۔ حماد نے ایک بار مشکور نگاہوں سے کرشنا کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے گھوڑے کو اصطبل سے نکال لیا۔ تناس نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے پیچھے لگا دیا اصطبل نکل کر حماد اور تناس محل کے سامنے سے گزرنے والی کھلی ٹرک پر آئے اور اپنے گھوڑوں کو لگا کر سرپٹ دوڑا دیا۔ کرشنا گہاتے رسوائی کی طرح اداس کھڑی ان دونوں کے گھوڑوں کی آواز سنتی رہی جب آواز آنا بند ہو گئی تو وہ سر جھکا محل کے اندر چلی گئی تھی۔

حماد اور تناس کے پیچھے چلنے لگے۔ کرشنا دونوں کو لیکر راج محل کے اصطبل آئی۔ حماد نے دیکھا وہاں اس کا اپنا گھوڑا کھڑا تھا اور اس کی زین پر اس کے سارے ہتھیار تھے۔ حماد نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ میرا گھوڑا تو سرانے میں تھا یہاں کیسے آگیا۔ نے اپنی سبک سار اور عشرت سوز نہاں میں ڈوبی آواز میں کہا۔ سرانے کا مالک آپ کو میرا مقابلہ کرتے دیکھ چکا تھا۔ جب آپ کو گرفتار کر لیا گیا تو وہ خود ہی آپ کا گھوڑا یہاں چھوڑ گیا۔ کے گھوڑے کے ساتھ وہ ایک اور گھوڑا بھی لے گیا تھا اس کا کہنا تھا کہ یہ گھوڑا آپ کے ایک ساتھی ہے۔ اُدھر دیکھئے دوسرا گھوڑا وہ کھڑا ہے۔ حماد نے اصطبل کے دوسری طرف وہاں ایک خان کا گھوڑا کھڑا تھا اس پر بھی زین کسی ہوئی تھی۔

حماد کچھ کہنے والا تھا کہ کرشنا پھر بولی۔ اب تم دونوں یہاں سے بھاگ جاؤ۔ میں نے مشکل سے تم دونوں کے فرار کا بندوبست کیا ہے۔ حماد نے دھیمی آواز میں کہا۔ اگر راجہ جاگ اُڑا سے اس فرار کا علم ہو گیا۔ پھر ہم دونوں کا کیا انجام ہو گا کرشنا نے ٹھن انڈاز میں کہا راجہ کے اندر کے ساتھ ہتھن پور کی طرف کوچ کر چکا ہے۔ کیونکہ غزنی کے حکمران سلطان شہاب الدین ہند پر حملہ کر دیا ہے۔ حماد نے اہستہ سی آواز میں کہا تو میرا سلطان ہند پر حملہ کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ حماد نے کچھ نہ کہا اور اپنے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ تناس ایک خان گھوڑے پر سوار ہو گئی تھی۔ حماد نے پھر کرشنا کو مخاطب کر کے کہا۔ مجھ پر ایک اور مہربانی کرنا کے میدان میں مجھے شیر سے بچاتے ہوئے میرا ساتھی جو شہید ہو گیا تھا۔ اس کی لاش کو کہیں دُکڑا دینا کرشنا نے بوجھل آواز میں کہا۔ آپ غم نہ کریں۔ میں اسے آپ کے مذہب کی رسوم مطابق دفن کرا چکی ہوں۔ حماد نے ایک بار مشکور نگاہوں سے کرشنا کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے گھوڑے کو اصطبل سے نکال لیا۔ تناس نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے پیچھے لگا دیا اصطبل نکل کر حماد اور تناس محل کے سامنے سے گزرنے والی کھلی ٹرک پر آئے اور اپنے گھوڑوں کو لگا کر سرپٹ دوڑا دیا۔ کرشنا گہاتے رسوائی کی طرح اداس کھڑی ان دونوں کے گھوڑوں کی آواز سنتی رہی جب آواز آنا بند ہو گئی تو وہ سر جھکا محل کے اندر چلی گئی تھی۔

کھڑوں کی۔ رتنا کے اس جواب پر سادتری اور بللا بڑے عجیب سے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

گیان دونوں گھوڑوں کو اصطبل کی طرف لے گیا۔ بدی ناتھ نے حماد کو پکڑ کر بیڑیہ طرف لیجاتے ہوئے کہا۔ آؤ میرے ساتھ۔ بدی ناتھ حماد کو اسی کمرے میں لایا جس میں ہوا تھا۔ کمرے کے اندر جب مشعل روشن کی گئی تو حماد کی طرف دیکھتے ہوئے بدیہ بولکھلا گیا اور خوشنکاح لہجہ میں پوچھا۔ آپ کا نو سار لباس لہو لہو ہو رہا ہے۔ پھر بدیہ اپنی بیٹی سے کہا۔ بللا! بللا میرے کپڑوں کا ایک جوڑا لاؤ پہلے یہ لباس تبدیل کریں پھر اپنی بیٹی کے لیے ویدکر بلا کر لاتا ہوں۔

حماد نے بللا کو روکتے ہوئے کہا۔ رہنے دو میری بہن میرے گھوڑے کی خبر میرا فالٹو جوڑا پڑا ہے میں جا کر لے آتا ہوں۔ رتنا نے فوراً داخل انداز کرتے ہوئے بللا جاؤ تم لے آؤ جا کر۔ بللا اٹھی اور بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد آئی اور ایک صاف ستھرا لباس حماد کو تنھاتے ہوئے کہا۔ یہ لو بھتیجا! ساتھ والے کمرے میں لباس تبدیل کرو۔ حماد لباس لیکر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور رتنا، بدیہ ناتھ اور بللا کو اچھیر میں پیش آنے والے حالات کی پر خون داستان سنا رہی تھی۔

حماد لباس تبدیل کر کے واپس آیا اور بدیہ ناتھ سے کہا۔ فخر کی نماز کا وقت میں گیان کے کمرے میں جا کر نماز پڑھ لوں۔ بدیہ ناتھ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے یہیں پڑھ لو۔ حماد نے کمرے کے دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ نہیں! کمرے میں سارا انتظام ہے میں وہیں جاتا ہوں۔ بدیہ ناتھ بھی اس کے پیچھے چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

بدیہ ناتھ اور حماد باہر نکل گئے۔ سادتری بھی اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی۔ بہنیں بیٹھ کر باتیں کرو میں بھو جن تیار کرتی ہوں۔ رتنا فوراً کھڑی ہو گئی۔ اور ساد کہا آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں ممانی میں اور بللا مل کر رسوئی کا سارا کام سادتری اپنے کمرے میں چل دی۔ رتنا اور بللا رسوئی کی طرف جا رہی تھیں۔

معنی میں آکر بدیہ ناتھ نے حماد سے کہا۔ آپ نے کوئی نئی خبر سنی۔ حماد نے غور سے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا آپ کا اشارہ اس طرف ہے کہ سلطان ہند پر حملہ آور ہو چکا ہے۔ بدیہ ناتھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہمارا لشکر لاہور کو عبور کرنے کے بعد طوفان کی طرح مشرق کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حماد نے ایک سر دواہ بھرتے ہوئے کہا۔ کاش میں زخمی نہ ہوتا اور اس جنگ میں حصہ لے سکتا۔ یہ میری کیسی بد قسمتی ہے۔ بدیہ ناتھ نے کوئی جواب نہ دیا۔ گیان بھی گھوڑے باندھ کر اپنے کمرے میں آکر کچا کھا بیٹوں دھونکیا اور کمرہ بند کر کے نماز پڑھنے لگے تھے۔

رتنا اور بللا جب رسوئی میں کام کرنے لگیں تو بللا نے گہری اور معنی خیز نگاہوں سے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ رتنا! رتنا! تم تو حماد بھائی سے نفرت کرتی تھیں انہیں کچھ بھی نہیں۔ پھر اب تم نے انہیں سوئی کے اندر بلایا۔ اور پھر تم یہ بھی تو کہہ رہی تھیں کہ حماد بھائی کی دیکھ بھال کر دو گی کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم نے اپنے آپ کو بدل دیا ہے۔ تم حماد بھائی سے پریم کرنے لگی ہو۔

رتنا نے ایک بار ترچھی نگاہوں سے بللا کی طرف دیکھا پھر رسوئی سے باہر بھاگتے ہوئے اس نے کہا۔ میں آتی ہوں۔ بللا اس کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد رتنا لوٹی۔ اس نے حماد کے ٹاٹ کے تین لباس اٹھا رکھے تھے۔ جن میں سے دو صاف ستھرے اور باغیانہ اور تنہا۔ بللا نے پولیشاں ہو کر پوچھا۔ یہ کیا اٹھالاتی ہو۔ رتنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ان کے کپڑے ہیں۔ بللا نے شرارت کی۔ ان کے کن کے ۹ اب تو تم ان کا نام لینے سے ہی شرما لے لگی ہو۔ رتنا نے جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ حماد کے پس اور کس کے ہونے ہیں۔ ان کا کیا کر دو گی۔ ابھی بتاتی ہوں۔

رتنا نے ٹاٹ کے سارے کپڑے ایک جگہ رکھے اور پھر انہیں آگ لگا دی۔ بللا نے پوچھا کہ پوچھا۔ یہ تم نے کیا کر دیا۔ حماد بھائی خفا ہوں گے۔ رتنا نے لاپرواہی سے

کہا۔ ناراض کیوں ہو گئے۔ آج کے بعد میں انہیں ٹاٹ کا لباس نہ پہننے دوں گی۔ میں آج ان کے لیے چھ سات نئے جوڑوں کا بندوبست کرتی ہوں۔ بملانے پھر پوچھا پریم نے کہا۔ سے آئی ہو؟۔ رتنانے ایک لکڑی اٹھائی اور جلتے کپڑوں کو مقوڑا سا اوپر اٹھا کر آگ اور بھڑکاتے ہوئے کہا۔ ایک جوڑا تو انہوں نے اُتار کر کمرے میں پھینک رکھا تھا اور دو ا کے گھوڑے کی خرچین سے نکال لائی ہوں۔

حماد کے جلتے ہوئے کپڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے بملانے پوچھا۔ رتنا! میں نے اس سے ایک سوال پوچھا تھا۔ رتنا کا چہرہ مٹخ ہو گیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا تاہم وہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔ بملانے پھر پوچھا۔ تم نے چپ کیوں سا دھ لی ہے۔ میں نے پوچھا ہے تم حماد بھائی سے پریم کرنے لگی ہو۔ لیکن میں سمجھتی ہوں حماد بھائی تم میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ رتنانے اس بار اپنی گھٹلی گھٹلی سی آواز میں کہا۔

بملا! کیا حماد جیسا بلوان اور بلونت جو ان جس کا کڑا جسم، سڈول بازو، بھرے ڈو چوڑا سینہ اور روپ کا سہا نا پن ہو اس سے پریم کرتا لگاؤا لگاؤا کام نہیں ہے۔ بملانے پوٹ لگائی اگر حماد بھائی نے تمہارے پریم کا جواب تجھت سے نہ دیا تب ہ رتنا بچا کہیں کھوہی گئی۔ یوں لگتا تھا وہ جذبات کی انتہا گہرائیوں میں ڈوب گئی ہو۔ پھر کی خواہیدہ اور ہلکی ہلکی سی آواز سنائی دی۔

بملا! حماد میرے سپنوں اور میری آتما پر نیلی دھند بن کر چھا چکے ہیں۔ ان کے جیسے کا اب میں وچا د تک نہیں کر سکتی۔ میں نے جس قدر ان سے نفرت کی تھی اس سے بکا گنا بدھ کمران سے پریم کیا ہے۔ اب تو یوں لگتا ہے بملاجیسے میں انہیں اس دم سے جا ہوں جب سے ہمہانے اس سنسا کی رچنا رچی ہے۔ میں محسوس کرتی ہوں جیسے میرے لیے بے خوبصورت بال اکشران کے کندھوں پر بکھر گئے ہوں۔ وہ مجھ سے بیاہ کر پنا میرے دل کے سنگا سن پر بیٹھے راج کرتے رہیں گے۔

رتنانے ذرا دک کر پھر کہا۔ بمللا! آج کے بعد وہ میرا سہاگ ہیں اور میں انہیں اپنی کے روپ میں دیکھ چکی اب جو ہو سو ہو۔ میں انہیں ہر حال میں حاصل کرنے

وشش کر دوں گی۔ میں ان سے نہ میرے پتے کے گھنے، نہ محل نہ اٹاری، نہ گد گدے شچی کپڑے میں ان سے کچھ نہیں مانگتی بس ایک بار ان کے منہ سے یہ سننا چاہتی ہوں کہ مجھے چاہتے ہیں۔

بملانے غور سے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اگر حماد بھائی نے تم سے نفرت کا لہار کیا تب ہ رتنانے اس پچھے میں ہے۔ بمللا! میرا من کہتا ہے میرے بیٹھے میں حماد سے برا اور بھائی نہ ہوگی اور اگر انہوں نے مجھے ٹھکرا دیا تو۔ تو میں ان کے بروگ و فراق میں۔ من کو سدھا رجاؤنگی، بن باس کا ٹو لگی اور آخر میں اپنے پریم کی جنائیں جل مرونگی میں ان سے بچوگ اور علیحدگی برداشت نہ کر سکوں گی۔ بملانے دیکھا رتنا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ بملانے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ رتنا تم نے اس اور بیکال نہ ہو میں پتا جی سے تمہارے دل کی سادھی بتا کھ دوں گی۔ وہ حماد بھائی کو سمجھا دیں گے۔ اب آؤ کھانا تیار کریں۔ دیر ہو رہی ہے۔ رتنا اٹھ کر بمللا کے پاس آکر بیٹھ گئی اور دونوں مل کر صبح کا کھانا تیار کرنے لگی تھیں۔

شفیق صبح زائل ہو گئی تھی۔ مشرق سے مغرب تک اپنی پر خا د زیت کی ابتدا کرتے ہوئے سورج طلوع ہو گیا تھا۔ کائنات کی ہر چیز کو رات کی گہری سنان تارکی کی ذلت و الوائی اور درد آ شامی سے نجات مل گئی تھی۔ رخصت آہ و فغاں اور فرصت اندول گراں سے آراستہ تیز دھوپ آفاق کے آخری کناروں تک بکھر گئی تھی۔ بددی ناتھ اور گیان کے ساتھ فجر کی نماز کے بعد حماد جو بیلی کے کمرے میں واپس آ گیا تھا۔ بددی ناتھ جاکر دیکر لے آیا تھا جو حماد کے زخم کی مرہم پٹی کرنے کے بعد واپس جا چکا تھا۔ اور اب بددی ناتھ حماد کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ رتنا دو ایک بار حماد کے کمرے کی طرف گئی لیکن اپنے اہول کو دھاں بیٹھا دیکھ کر وہ اداس ہو کر لوٹ آئی تھی اور دوبارہ آکر رسوئی میں انتظار کرے لگی تھی۔

ایک دم رتنا چونک اٹھی اور اس کے آلوچے جیسے ہونٹوں پر ایسی خوش کن ہلکی بکھر گئی تھی جس طرح موسلا دھار بارش کے بعد آفاق کے کناروں پر دھسک نمودار ہوتی ہے۔ جلدی جلدی اس نے اپنے سونے چاندی کے ذاتی برتنوں میں کھانا ڈالا پھر پانی اور کھانے کے برتن اس نے ایک بڑی پرت میں جماتے اور گنکھیوں سے بملا کی طرف دیکھ ہوتے اس نے کہا۔ بلا میں حماد کا کھانا لجا رہی ہوں۔ بلا نے کوئی جواب نہ دیا وہ مڑ گہری نگاہوں سے رتنا کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

کھانا اٹھاتے رتنا حماد کے کمرے میں داخل ہوتی۔ اس نے دیکھا حماد مسہری مڑھاتے بیٹھا تھا۔ اس کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ گہری سوچوں میں کھویا ہوا رتنا نے قریب آکر اپنی دل پسند آوازیں کہا۔ بھوجن کیجئے! حماد نے نگاہیں اٹھائیں اور گم نگاہوں رتنا کی طرف دیکھنے لگا۔ رتنا نے اپنے ہاتھوں میں اٹھا ہوتی پرت مسہری رکھ دی اور بازو کی طرح اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر ذرا پیچھے ہو کر چکی کھڑی ہو گئی۔ رتنا کی طرف سے نگاہیں ہٹا کر حماد نے کھانے کے برتنوں کی طرف دیکھا پھر کچھ لمحوں میں اس نے کہا۔ یہ قیمتی برتن اٹھا کر لے جاؤ رتنا! تمہاری نگاہوں میں ایک اور پلچھڑی ہے۔ تمہارے یہ برتن ناپاک ہو جائیں گے۔ تم مجھ پر مہربانی ہی کرنا چاہتی ہو تو مجھے ان پتوں پر کھانا لادو جن پر پہلے روز نہیں تمہارے ہاتھوں سے کھانا لیا تھا۔

رتنا نے چورکتے ہوئے کہا۔ وہ رتنا مریچی ہے۔ جو نہ ہی تعصب میں آپ کو ایسا سمجھتی رہی۔ جہاں تک میرا دھار ہے یہ قیمتی برتن اس قابل نہیں کہ آپ کے پاؤں کی گرد کے برابر بھی ہو سکیں۔ اگر آپ یشال بھائی کو اپنا دوست سمجھتے تھے تو میں آپ سے منہ نہ کرتی ہوں۔ ان کی آتما کے آند کی خاطر ہی آپ ان برتنوں میں کھانا کھالیں۔ آپ میری خوشی نہیں یشال بھائی کی آتما کی خاطر ہی ایسا کر لیں۔

حماد نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ اس نے ایک بار بڑی حسرت آمیز نگاہ رتنا پر ڈالی پھر اس نے ہاتھ بڑھائے اور خاتون شہی سے کھانا کھانے لگا تھا۔ حماد کی اس حرکت پر ان کے ذہن میں امید و بیم کی روشنی جیسی کچی گم نہیں بکھر گئی تھیں اس کے چہرے پر

سحر جیسے خوشی کے کچی رنگ پھیل گئے تھے۔ ایک خرام گلنار سے وہ چند قدم پیچھے ہٹی اور فرش پر بیٹھتے ہوئے بڑی چاہ و محبت، قرار جان، اور فراغ دل سے میٹھے میٹھے انداز میں حماد کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے حماد نے نرمی اور لطافت سے کہا۔ فرش پر کیوں بیٹھ گئی ہو وہ سامنے دوسرے پلنگ پر بیٹھ جاؤ۔ میرا مذہب انسانیت کی عظمت و احترام کا سبق دیتا ہے۔ حماد پھر کھانا کھانے لگا اور رتنا اس کے سامنے دوسری مسہری پر بیٹھ کر اسے ایسی نگاہوں اور ایسے دل پسند زاویوں سے دیکھنے لگی تھی گویا وہ کوئی پجاری ہو اور اپنے سامنے ایسا وہ دیتا ہے پیار و پریم کی بھیک مانگ رہی ہو۔

اسی روز عشاء کی نماز کے بعد حماد گیان کے کمرے سے نکل کر جب حویلی میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کمرے میں اس کے پلنگ پر رتنا یوں بیٹھی تھی جیسے بڑی بے چینی سے اسی کا انتظار کر رہی ہو۔ حماد جب کمرے میں داخل ہوا تو رتنا پلنگ سے کھڑی ہو گئی اور حسن فطرت کی پوری شگفتگی کو اپنے حسین چہرے پر بکھرتے ہوئے کہا۔ آئیے آئیے پدھاریئے۔ حماد آگے بڑھا اور پلنگ پر بیٹھتے ہوئے اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ رتنا نے پراسرار و زوہستہ آواز میں کہا۔ آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔ میں ماموں سے اجازت لے چکی ہوں۔ رات میں ٹاپکے پاس چاک کر آپ کا خیال رکھوں گی۔ حماد نے اپنا نرم لہجہ بدلتے ہوئے کہا میں کوئی پانچ ہوں کہ تم میرا خیال رکھو گئی۔ تم دیکھتی ہو میں چل پھر سکتا ہوں اور ابھی ابھی گیان کے کمرے میں عشاء کی نماز ادا کر کے آ رہا ہوں پھر بھلا مجھے کسی کی کیا ضرورت پیش آسکتی ہے۔

رتنا نے سارے حجاب توڑ دیتے آگے بڑھی اور حماد کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا۔ میں پھر آپ کی منی کرتی ہوں۔ مجھے شکر دیں۔ میرے ماما پتا پہلے ہی مارے جا چکے تھے۔

اس سنسار میں میرا ایک ہی بھائی تھا وہ بھی میرے دوش کے کارن اجمیر میں مارا گیا اب اس سنسار میں میرا آپ کے علاوہ کوئی سہارا اور ٹھکانہ نہیں ہے۔

حماد نے اپنے پاؤں چھڑا لینا چاہے پر رتنا نے پاؤں نہ چھوڑے اور رزنی آواز میں کہا۔ میرے لیے آپ نیلے لگن کی طرح بے عیب، کسی رشتی و سادھوہ کی مانند عزت اور رام بھجن کی طرح پورے ہیں۔ میرے لیے آپ کے پگ اور پاؤں کی دھول بھی دیپ، چراغ کی روشنی جیسی ہے۔ میں پھر آپ سے پرارتھا اور منت کرتی ہوں کہ میرے پرانے پانک، پاپ اور گناہ بھول کر مجھے شاکر دیکھتے۔ اگر آپ نے مجھے شامہ کیا تو میں جانوں گی۔ آپ کے پاس دل نہیں الماس اور پتھر ہے۔ اور میں اپنی آتما کو زندگی کے بندھن سے آزاد کر لوں گی۔

حماد نے دیکھا۔ رتنا کے چہرے پر موت کے میوے۔ لبوں پر مختصر تھری تھی اور اپنے گرم گرم آنسوؤں سے وہ حماد کے پاؤں بھگو رہی تھی۔ اس کے حین چہرے پر ایسی دیرانی غمی جیسے کسی چیز کو دیکھنے چاہتا شروع کر دیا ہو۔ حماد عجیب مشکل اور نئے محنت میں پھنس گیا تھا۔ وہ ملٹکی باندھے اس رتنا کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھوں کے دواپے بڑی تیزی سے حماد کے پاؤں کو بھگو رہے تھے اور فضا میں رتنا کی ہلکی ہلکی چکیاں مانا دے رہی تھیں۔

حماد کے پاؤں پر اپنے نازک ہونٹ رکھتے ہوئے رتنا نے پھر سکیوں میں کہا آپ کو اپنے رب، اپنے رسول اور مکہ کے اس گھر کا واسطہ جس کے گرد مسلمان طوائف کرتے ہیں۔ صرف ایک بار کہہ دیں آپ کو مجھ سے نفرت نہیں ہے۔ اگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے تو پھر اپنے ترکش کے سارے تیر نکال لے اور انہیں میرے شریہ میں چھو دیں کہ میں آپ کے سامنے ختم ہو جاؤں۔

حماد کو نہ جانے کیا سوچھی کہ اس کے چہرے پر کرم اندیشی اور تردید کی رنگ آمیز کا کے بجائے اصرار و تجسس اور آزادی کے گیت جیسے حین رنگ بکھر گئے تھے پھر اس نے رتنا کی بیٹھ پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ رتنا! رتنا! مجھے تم سے نفرت نہیں

ہے۔ رتنا درلے غم اور بے خانماں خیالوں سے چھٹکارا حاصل کرنے فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ حماد کے صرف ایک جھلے تھے اس کی کائنات کو آتش شب سمرما کی طرح آسودہ کر دیا تھا۔ اس نے فوراً اپنے آنسو پونچھ لیے اب اس کے چہرے پر سینے کے بوجھ اور دل کے بھرم کے بجائے قندیل تنک صفا اور انجم خشنودہ جیسی انبساط و مسرت تھی۔

حماد کے الفاظ نے رتنا کے حسین جسم کی رگ رگ میں صبح و شام کی سی دھڑکن اور ہر بن دوسے وہ ایک طرح کے وصال اور لذت میں ڈوب گئی تھی۔ اس کا بلاخیر شباب ناامیدی کی تہ در تہ برف سے نکل کر صبح کی روشنی کی طرح چمک اٹھا تھا۔ اس کی پرست حالت سے یوں لگتا تھا گویا صابون کے جبکڑے ہوئے پرنڈے اپنے پیرے توڑ فزکل اڑے ہوں۔ یا جیسے مُردہ بھول کے اندر دبی ہوئی مخو خواب ہنسی اچانک کبھی حادثہ پر کھٹکھٹا اٹھی ہو چند لمحوں تک وہ عجیب طرح کی ذہنی کشادگی، نگاہوں کی وسعت اور چہرے پر حسین رنگت و حرکت لیے حماد کی دیکھتی رہی پھر اس نے حرکت کی اپنا سر جھکایا اور اپنے نازک سرخ ہونٹوں سے حماد کے پاؤں کو لگاتا رہا۔ اس کی آنکھوں سے پھر آنسو گرنے لگے تھے۔ بالکل یوں گویا بارش کے بعد سول کے باعث ٹہنیاں ہلنے سے ٹپاٹپ بوندیں گرتی ہیں۔ حماد نے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ تم اب بھی رو رہی ہو رتنا! رتنا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔ یہ خوشی اور تشکر کے آنسو ہیں کہ میں آپ کے دل سے نفرت نکالنے میں کامیاب ہو گئی ہوں اب مجھے کچھ نہیں چاہیے آپ ہی میرے اقرار اور میری موتی ہیں۔ اب مجھ میں اور آپ میں چولی دامن اور گھر آگن کا سنبھد ہے۔ حماد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ رتنا! میں نے تم سے نفرت نہ کرنے کا عہد کیا ہے۔ تم سے یہ وعدہ نہیں کیا کہ میرا تمہارا گھر آگن کا تعلق ہے۔ رتنا تم مذہبی تعصب اور دھرم جنونی لڑکی ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان میرے مذہب اور تمہارے دھرم کا پتہ دیواریں حائل ہیں اور میں ان دیواروں کو توڑ نہیں سکتا جبکہ تم جانتی ہو۔ رتنا نے حماد کی بات کا۔ ٹٹھتے ہوئے کہا۔ آج کے بعد میرا کوئی دھرم اور کوئی دیوتا نہیں ہے۔ آپ ہی میری پوجا میرے دیوتا اور آپ ہی میری منزل اور میرے پریتم ہیں۔

آپ کی خوش نودی میرا دھرم اور آپ کی باتیں میرے لیے پوتر بھجن اور اشلوک ہیں۔
آپ کی خواہش کے مطابق میں اپنے آپ کو بدل لوں گی۔ اس لیے کہ اب آپ کے
بغیر مجھے شانتی نہیں مل سکتی۔ میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔ یہ سرزمین میرے لیے نرک
اور دوزخ بن گئی ہے۔ میں آپ کے ساتھ نیشاپور چلی جاؤں گی۔

حماد کی غمزدہ سی آواز پھر سنائی دی۔ رتنا! رتنا! نیشاپور میں تمہیں وہ آرام
اور آسائش میسر نہ آسکیں گی جن کی تم عادی ہو۔ سنو! یہاں آنے سے قبل میں
اپنے باپ اور ایک چھوٹے بھائی کے ساتھ چونے کی مٹیوں پر بھادی بھادی پتھر
اٹھانے کا کام کرتا تھا۔ اس کے علاوہ میرا باپ بوڑھا اور ماں اپانج ہے۔ میری
غیر موجودگی میں وہ تمہارے سکھ کا کوئی سامان نہ کر سکیں گے۔ ہم کو ہستانوں کے
رہنے والے عرب ہیں اور بھادی زندگی پتھروں کی طرح سخت اور مشقت طلب ہے
اس زندگی میں تم میرا ساتھ نہ دے سکو گے۔

شرم کے باعث رتنا کے عارض کے گلاب اور رنگین ہو گئے اس کا سر
جھک گیا۔ اور آفرینش کی سادی مشاطگی اس نے اپنی آواز میں گھولتے ہوئے کہا: آپ
کے ساتھ جنگلوں اور بنوں میں سفر کرتے ہوئے میرا من بے چین نہ ہو گا۔ آپ کا
ماں باپ میرے ماں باپ ہیں، اور میں انہیں اپنے ماتا پتا جان کر ان کی سیوا
کروں گی۔ آپ کا گھر میرا اپنا گھر ہے۔ اور اس گھر میں میرا سونا اندھیر جوں اُجالا ہو جائے
اور میرے سارے پندار کو اسودگی نصیب ہوگی۔ حماد! حماد! مجھے کچھ نہیں چاہیے آپ
ہی میرے دل کے صدف کے موتی ہیں۔ میرے لیے یہی سب سے بڑی نعمت
اور عطیہ ہو گا کہ آپ میرے ہیں۔

حماد نے پیار سے رتنا کا نازک، خوبصورت، سرخ اندر گوشت سے بھرا بھ
ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلاتے ہوئے کہا۔ رتنا! اب میں نہیں ضرور اپنے سا
نیشاپور لے جاؤں گا۔ میرے ماں باپ تمہیں دیکھ کر بے حد خوش ہوں گے۔ اگر تم عورت
ہو کر اس قدر میرے لیے قربانیاں دے سکتی ہو تو یاد رکھو میں تمہاری خاطر!

جان تک قربان کر سکتا ہوں۔

رتنا بیتاب ہو گئی اور اپنا عطر بنیز ہاتھ حماد کے منہ پر رکھتے ہوئے کہا۔ جنگلوں
کے لیے یوں نہ کہیے۔ میں اپنی خوشی کی خاطر۔ اس قدر بڑا بلیدان کیونکہ قبول کر سکتی ہوں۔
آپ میری روح، میری آتما اور میری جان ہیں۔ آپ اور آپ کے ماتا پتا کو خوش رکھنا میرا
دھرم اور میرے لیے سب سے بڑا بین ہو گا۔ رتنا کی آواز اور کچھ میں بھر پور خوش ہو گئی
کا اظہار تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد رتنا نے پھر پوچھا آپ کے ماتا پتا کے نام کیا ہیں۔
حماد نے رتنا کا پکڑا ہوا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ میری ماں کا نام زبیب اور
باپ کا نام خلدون ہے۔ میری کوئی بہن نہیں ہے۔ ہم تین بھائی ہیں۔ میں سب سے بڑا
ہوں۔ مجھ سے چھوٹا حادث اور اس سے چھوٹے کا نام حسن ہے۔ حادث جس قدر سنجیدہ
اور متین ہے۔ حسن اسی قدر شریر اور جذباتی ہے۔ وہ میرے سامنے تو نہیں بولتا لیکن اب
جوان ہونے کے باوجود اکثر حادث کو اپنی شرارتوں سے تنگ کرتا رہتا ہے۔ وہ دونوں
بھائی بھی تمہیں دیکھ کر خوش ہوں گے۔

رتنا کے چہرے پر حماد کی باتوں سے رویا تے صادق جیسا حسن بکھر گیا تھا۔ اس
کے لبوں پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ پھیل چکی تھی اور اس کے گہرے سیفید دانت اس کی
خوبصورتی میں اور اضافہ کرنے لگے تھے۔ پھر رتنا نے سطح سمندر پر اڑتے ہوئے فالق
کی سی خوش کن آواز میں کہا۔ میں ایک بہن بن کر حادث اور حسن دونوں کا خیال رکھوں گی۔
حماد نے اپنے پلنگ پر لیٹتے ہوئے کہا۔ اب تو تمہارے سارے مسائل طے
ہو گئے ہیں۔ اب تم جا کر آرام کرو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ رتنا نے حماد کے قریب
سے اٹھ کر دوسرے پلنگ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ میں نے کہاں جانا ہے۔ میں
آپ کے پاس اسی کمرے میں رہوں گی۔ ماموں مجھے اس کی اجازت دے چکے ہیں۔
حماد نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ وہ تمہیں میرے کمرے میں رہنے کی
اجازت کیونکر دے چکے ہیں۔

رتنا اس کے سامنے دوسرے پلنگ پر لیٹتی ہوئی بولی۔ میں نے بھلا سے اپنے

دل کا حال کہہ دیا تھا اور اس نے مامول کو سب کچھ بتا دیا ہے کہ میں آپ سے پریم کرتی ہوں لہذا انہوں نے مجھے آپ کی دیکھ بھال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ پھر بولا۔ لیکن تمہاری تو سگائی ہو چکی ہے۔ پھر ہم دونوں کینو کر۔ رتنانے بات کاٹے ہوئے کہا۔ میں اپنے بھائی نیشال کے سامنے اس سگائی کو توڑ چکی ہے۔ اور ایسا میں نے اپنے بھائی کی اچھا پرکھا ہے۔ ارجن سے اب میرا کوئی تعلق نہیں۔ میرے لیے وہ اجنبی ہے۔

حماد نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا جبکہ رتنا اس کے پاس بیٹھی جاگ رہی تھی۔

۸۷ھ میں سلطان شہاب الدین ایک مختصر سے لشکر کے ساتھ طوفان کی طرح غزنی سے نکلا اور وادی لغمان سے ہوتا ہوا وہ ہندوستان میں داخل ہوا۔ اس کا ارادہ ہندوستان کے راجاؤں کے متحدہ لشکر سے ٹکرانے کا نہ تھا وہ صرف ہندوستان کے کسی اہم مقام کو اپنا چدف بنا کر ہندو راجاؤں کی قوت پر ضرب لگا کر ان کی طاقت کا اندازہ لگانے کے علاوہ ان پر اپنی دہشت طاری کرنا چاہتا تھا۔ اور اس مقصد کے لیے اس نے بٹھنڈہ کو اپنا نشانہ بنایا۔ اگر وہ ہند کے راجاؤں کے ساتھ کوئی فیصلہ کن جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا تو اپنے ساتھ مختصر سا لشکر لاتا۔ اس کے لشکر کی تعداد دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہندوستان پر شب خون مارنے کے لیے غزنی سے نکلا ہے۔

اپنے لشکر کے ساتھ طوفانی بگوں کی طرح لاہور کے شمالی علاقوں سے گزرتا ہوا سلطان شہاب الدین آگے بڑھا اور بٹھنڈہ شہر کا محاصرہ کر لیا۔ بٹھنڈہ ان دنوں ایک

۱۔ قابل اور پشاور کا درمیانی علاقہ

۲۔ بٹھنڈہ ان دنوں ہند کے بڑے بڑے راجاؤں کا مرکزی شہر بن گیا تھا۔ اسی لیے سلطان نے اسے اپنا چدف بنایا تھا۔

۳۔ لاہور پر پہلے ہی مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ اور سلطان محمود غزنوی کی نسل سے ایک شخص۔ خسرو ملک یہاں حکمران تھا اسی وجہ سے سلطان شہاب الدین لاہور کا احترام کرتا ہوا آگے بڑھا اور ہندوؤں کے گڑھ بٹھنڈہ کو اپنی ضرب کا پہلا نشانہ بنایا۔

عظیم شہر تھا اور اس کے گرد ایک ناقابل تسخیر فیصل تھی۔ سلطان نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور ایک طرح سے ہندوستان پر شب خون مارنے کے بعد اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے لوٹ جانا چاہتا تھا لیکن جب محاصرہ طویل پکڑنے لگا تو سلطان فوراً بمخفیقول کو بلا میں لایا۔ قلعے کے اندر محصور ہندو لشکر نے سلطان کا قلعے سے محاصرہ ہٹا دینے کی درخواست کی لیکن انکی تدبیر کامیاب نہ ہوئی۔ سلطان نے بمخفیقول سے فیصل کو کوئی ٹوڑ کر رکھ دیا اور اسلامی لشکر اللہ اکبر کی صفائیں بلند کرتا ہوا شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر کے گلی کوچوں میں دشمن کے ساتھ گھسان کی جنگ شروع ہو گئی تھی۔ کالشر زیادہ دیر تک مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور شہاب الدین نے دشمن کے کاٹ کر رکھ دیا۔ دشمن کو ختم کرنے کے بعد سلطان شہاب الدین ابھی ٹھنڈے کے انصرام میں فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کے برق رفتار جاسوسوں نے خبر دی کہ اجیرا ہستنا پور کے راجاؤں کا ایک عظیم متحدہ لشکر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑھ رہا ہے۔ ٹھنڈے کی طرف بڑھ رہا تھا ہے۔ سلطان اس وقت غزنی واپس کوچ کرنے کا کر رہا تھا۔

اصل میں ٹھنڈے شہر اجیر کے راجہ راتے پھوراک کی عملداری میں شامل تھا۔ اسے سلطان کے حملے کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے بھائی کو جو ہستنا پور کا راجہ تھا اپنے ساتھ اور سلطان سے مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ اب اجیر کے راجہ پھوراک اور راتے کے راجہ کھانڈے راتے کا متحدہ لشکر جو دو لاکھ سواروں، تین ہزار ہاتھیوں اور پیدل دستوں پر مشتمل تھا۔ سلطان شہاب الدین کی طرف بڑھا۔ سلطان کے جاسوس جب دونوں راجاؤں کے لشکر کے متعلق خبریں لائیں سلطان کے سامنے ترک، افغانی، خلجی اور غوری امیروں نے سلطان کو مشورہ دیا کہ ٹھنڈے کو خالی کر کے غزنی کی طرف واپس چلا جانا چاہیے۔ لیکن سلطان نے اسے سمجھا کہ دشمن کے آنے کی خبر یا کہ یہاں سے بھاگ جاتے۔ لہذا اس نے غزنی واپس جانے کا فیصلہ ملتوی کر دیا۔ اپنے ایک امیر

ہندو ٹھنڈے کا حکمران مقرر کیا۔ اور صرف ایک ہزار چالیس سپاہی اس کے ساتھ کمرے میں ٹھنڈے شہر کی حفاظت پر چھوڑا اور خود راتے پھوراک اور کھانڈے راتے کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھ گیا۔

دریائے سرسوتی کے کنارے ترائن کے قصبے کے قریب دونوں لشکروں کا آمنہ مانا ہوا ہے۔ یہ ایک وسیع اور دور دور تک غیر کاپا پڑا ہوا وسیع میدان تھا۔ جب دونوں لشکروں کا سامنا ہوا تو سلطان کے لشکر میں بددلی پھیل گئی اس لیے کہ ان کی تعداد اجیر و ہستنا پور کے لشکروں کے سامنے تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔

دریائے سرسوتی سے ملحقہ میدان میں دونوں لشکروں کے درمیان گھسان کی جنگ شروع ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کو جب ہاتھیوں سے جنگ کرنا پڑی تو انہیں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور پھر ہندو لشکر کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ایک ایک مسلمان سپاہی کے سامنے بیس بیس پچیس پچیس ہندو سپاہی آکھڑے ہوتے تھے۔

مسلمان سپاہی کافی دیر تک جرم کو لڑتے رہے۔ آخر میمنہ اور میسرہ کے سالار جن کا تعلق غوری خاندان سے تھا حوصلہ مار گئے اور سپاہ ہونے لگے۔ راجہ پھوراک نے ایک اور دارالحکومت اور مسلمانوں کے میمنہ و میسرہ کے علاوہ قلب میں لڑنے والے خلجی اور افغان سالار بھی میدان سے بھاگ نکلے۔ ان کی اس حرکت کا سپاہیوں پر بڑا اثر پڑا اور اپنے سالاروں کی دیکھا دیکھی وہ بھی میدان چھوڑنے لگے۔

میدان کے اندر اب قلب اور مقدتہ الجیش میں لڑنے والے جاننا ز ترک رہ گئے تھے جو بے خوف و ڈر ہو کر دیوانہ وار دشمن کا مقابلہ کرنے کے علاوہ ان پر جارحانہ حملے بھی کرتے جا رہے تھے۔ سلطان کے ایک امیر نے سلطان کو مشورہ دیا کہ

سلطان مفتوحہ شہر کی حفاظت کے لیے صرف ایک ہزار چالیس جوان اپنے لشکر سے علیحدہ کر سکا اس سے سلطان کے لشکر کی مختصر تعداد کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ترائن دریا تے سرسوتی کے کنارے دہلی سے چالیس کوس کے فاصلے پر ہے۔ آجکل اس کا نام تراوڑی ہے۔

ہمارے اکثر و بیشتر سالار اپنے اپنے ماتحت لشکروں کے ساتھ میدان سے بھاگ گئے ہیں بلکہ بہتر ہوگا ہم بھی جنگ سے کنارہ کشی نہ کریں۔

سلطان شہاب الدین کو اپنے امیر کا یہ مشورہ پسند نہ آیا۔ اس نے ہمت و جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قلب کے پیچھے کچھے ترکوں کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا۔ شہاب الدین لڑتا لڑتا اچانک ہستنا پور کے راجہ کھانڈے رائے کے سامنے جامودا رہوا۔ سلطان نے اپنا نیزہ نکالا۔ نشانہ لیا اور تاک کر کھانڈے رائے پر مارا۔ کھانڈے رائے اپنے ہاتھی پر سوار تھا۔ سلطان نے اپنا نیزہ اس قوت سے مارا تھا کہ نیزہ سیدھا ہاتھی کے منہ میں چلا گیا اور ہاتھی کے دانت ٹوٹ گئے۔

راجہ کھانڈے رائے نے ہاتھی کے اوپر سے سلطان پر مارا۔ ایک خطرناک وار کیا کہ سلطان بری طرح زخمی ہو گیا۔ قریب تھا کہ سلطان اس زخم کی تاب نہ لا کر اپنے گھوڑے سے گر جاتا کہ ایک خلیجی جنگجو اپنا گھوڑا بھگاتا ہوا لایا اور سلطان کو اس کے گھوڑے سے اچک کر اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور بحفاظت سلطان کو میدان جنگ سے باہر نکال لے گیا۔ سلطان بچا کچھ لشکر بھی سلطان کے پیچھے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا۔ سلطان کے سالار جو پہلے میدان جنگ سے بھاگ چکے تھے وہ میں کوں پیچھے جا کر خیمہ زن ہو چکے تھے۔ سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور غزوئی دیروہاں قیام کرنے کے بعد سلطان اپنے لشکر کو لیکہ غزنی کی طرف کوچ کر گیا۔ اس طرح ترائن کی پہلی جنگ میں سلطان کو اپنے لشکر قلت اور اپنے سالاروں کے کم ہمتی کے باعث شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ سلطان غزنی جو عزائم لیکر چلا تھا انہیں وہ بد قسمتی سے پایا تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ نہ تو وہ ہندوستان کا مایاب شہنشاہ مار سکا اور نہ ہی ہندو راجاؤں کی قوت پر ایسی ضرب لگا سکا جو انہیں مکر و بدولت کر دے اور اب سلطان شکست کا داغ لیے ندامت و شرمندگی سے ہونٹ کا ہوا بڑی تیزی سے غزنی کی طرف جا رہا تھا۔



حماد کے شانے کا زخم ٹھیک چکا تھا۔ زنا ہر وقت اسے اپنی نگاہوں کے سامنے تھی۔ حماد نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اپنے لیے ٹاٹ کے نئے لباس سلوالے لیکن زنا اسے ایسا نہ کرنے دیا اور اس نے خود حماد کے لیے کئی قیمتی پیروں کے جوڑے سلوا دیے تھے۔ دونوں جیم سین میں ٹک کر سلطان اور ہندو راجاؤں کے درمیان ہونے والی لڑائی کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک روز جبکہ سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ آسمان پر گہرے بادل چھاتے رہے تھے۔ حماد اور گیان اصبطل میں گھوڑوں کو کھر بڑا کر رہے تھے کہ بدری ناٹھ بھاگتا ہوا طلب میں داخل ہوا اور سخت بدحواسی کے عالم میں اس نے حماد سے کہا میں آپ کے بے ایک انتہائی بڑی خبر لے کر آیا ہوں۔ حماد کے حرکت کرتے ہوئے ہاتھ رک گئے اور در سے اس نے بدری ناٹھ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کیسی بُری خبر لاتے ہیں آپ؟ گیان بھی پوری طرح اُن کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ بدری ناٹھ نے پریشان لہجے میں کہا ترائن کے میدان میں ہمیں شکست ہوئی ہے۔ سلطان بُری طرح زخمی ہو گئے ہیں اور ملای لشکر سپاہیوں کو غزنی کی طرف چلا گیا ہے۔ حماد نے پریشان آواز میں پوچھا آپ کو ایسے خبر ہوئی؟ بدری ناٹھ کی پرکندہ و منتشر آواز پھر اصبطل میں بلند ہوئی۔ میں نے اپنے کارکن کو ایک خان کی موت اور آپ کے سوئمر میں جھڑپ لینے زخمی ہونے اور پھر مال نکلنے کے حالات سلطان سے کہنے کو بھیجا تھا وہ لوٹ آیا ہے۔ اس نے اطلاع دی کہ ہمیں شکست ہوئی ہے۔ اس کارکن نے خود بھی اس جنگ میں جھڑپ لینے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس کے علاوہ وہ آپ کے نام سلطان کا ایک پیغام بھی لایا ہے۔

حماد نے چونک کر پوچھا۔ سلطان نے میرے لیے کیا پیغام بھیجا ہے۔ بدری ناٹھ نے لگن آواز میں کہا۔ سلطان نے آپ کو فی الفور غزنی میں طلب کیا ہے۔ اس کارکن کا ہنا ہے کہ جب میں جیم سین آنے کے لیے آخری بار سلطان سے ملا تو وہ ترائن کے بلان سے میں کوں مغرب میں خیمہ زن تھا۔ وہ زخمی تھا اور اس نے بڑی تاکید سے کہا۔ اوزن خلدون سے کہنا میرا پیغام ملے ہی غزنی کی طرف روانہ ہو جائے۔ میرا دل کہتا

ان دونوں کو یہاں سے فوراً کوچ کر جانا چاہیے۔

بدری ناٹھ جوہلی کے اندر چلا گیا۔ حماد نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالنے کے بعد اپنے گز، کمان، ڈھال، آہنی پنجے اور فالتو رسول کو زین سے باندھ دیا۔ اس وقت تک گیان بھی ایک خان کے گھوڑے پر زین ڈال چکا تھا۔ پھر حماد نے اپنی چھاگل گیان کو دیتے ہوئے کہا۔ گیان اسے پانی سے بھر کر میرے گھوڑے کی زین سے باندھ دو میں تمہارے کمرے میں لباس بدل کر بھی آتا ہوں۔ حماد نے اپنا تیروں سے بھرا ہوا ترکش خود، زرہ، بانڈا اور ٹانگوں پر باندھنے کے آہنی جوشن اٹھاتے اور گیان کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

کمرے میں آکر حماد نے اپنی وہ سفید ریشمی عبا اتاری جو رتنانے اسے اپنے ہاتھوں سے سی کر دی تھی۔ پہلے اس نے ذرہ پہنی۔ پھر بازوؤں اور ٹانگوں پر لوہے کے جوشن باندھنے کے بعد اس نے ان پر اپنی سفید عبا پہنی۔ سر پر اپنا بھاری لوہے کا خود جمایا اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش اپنی کمر پر باندھ لیا تھا پھر اپنی تلوار اور خنجر کی پیٹی وہ اپنی کمر سے باندھنے کے بعد جب کمرے سے باہر آیا تو اس نے دیکھا رتنا اصطبل میں کھڑی تھی اور گیان اس سے کچھ چیزیں لے کر حماد کے گھوڑے کی خرچین میں رکھ رہا تھا اور رتنا اپنے فالتو کپڑے اور کھانے پینے کا سامان ایک خان کے گھوڑے کی خرچین میں بھر رہی تھی۔ ان دونوں کے پاس بدری ناٹھ سر جھکاتے اور اس کھڑا تھا اور اس کے دائیں جانب سادری اور بللا دونوں ماں بیٹی کھڑی تھیں۔ ان دونوں کے چہرہ پر بھی مردنی بھائی ہوئی تھی۔

حماد اصطبل میں آیا۔ اس نے دیکھا سادری اور بللا سر جھکاتے رو رہی تھیں۔ اس نے بھی دیکھا رتنا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ سک رہی تھی۔ حماد نے اپنے گھوڑے کی خرچین میں ہاتھ ڈال کر دیکھا اس میں نقدی سے بھری ہوئی تین بڑی بڑی تھیلیاں تھیں۔ حماد نے بدری ناٹھ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یہ کس لیے ہیں۔ بدری ناٹھ کے سجاتے رتنانے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے روتی ہوئی

ہے۔ سلطان آپ کو ہندوستان سے ہٹا کر کسی اہم ترین خدمت کے لیے آپ کا انتخاب کر چکے ہیں۔ خلدوں کے بیٹے! میں نہیں جانتا وہ خدمت کیا ہے۔ تاہم مجھے تسلی ہے نیشاپور کے شاہین کو جس پکار کی طرف بھی روانہ کیا جائے گا۔ وہ اس میں سے سرخرو ہو کر نکلے گا۔ حماد نے اصطبل کے اندر پڑی ہوئی اپنے گھوڑے کی زین اٹھائی اور اسے گھوڑا کی پیٹھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ میں ابھی اور اسی وقت غزنی روانہ ہو جاتا ہوں۔ مجھے پہلے ہی اس کا خلع ہے کہ میں تران کے میدان میں لڑی جانے والی اس جنگ میں حصہ نہ لے سکا۔ مجھے وقت ضائع کیے بغیر یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔ گیان حماد کا گزدار اور دوسرا جنگی مارا لاکر اس کے پاس رکھنے لگا تھا۔

بدری ناٹھ نے پھر لوہے ہوتے کہا۔ تم یہاں سے سیدھے غزنی نہیں نیشاپور جاؤ گے اور وہاں سے غزنی روانہ ہو گے۔ حماد نے تکلیف دہ احساس سے پوچھا۔ نیشاپور جا کر میں کیا کروں گا۔ بدری ناٹھ نے حماد کے قریب بٹھتے ہوئے دھم آواز میں کہا۔ رتنا بھی تمہارا ساتھ تھا۔ تم پہلے اسے نیشاپور اپنے گھر چھوڑ کر پھر غزنی کی طرف جانا۔ سلطان کو شکست دینے کے بعد راتے پھوراجب اجمیر داخل ہو گا اور یہ خبر ملے گی کہ تم رتنا کو لے کر فرار ہو چکے ہو تو رتنا تم دونوں کی تلاش میں جگہ جگہ اور گنگر اپنے آدمی روانہ کر دے گا۔ اب تمہیں گرفتار کرنا مشکل نہیں کیونکہ پھوراجب کے لشکر کے اکثر سپاہی تمہیں دیکھ چکے ہیں کیونکہ تم ستمبر میں ہن لے چکے ہو۔

بدری ناٹھ سانس لینے کو رکھ کر پھر کہتا چلا گیا۔ رتنا کی تلاش میں راتے پھوراجب سے پہلے اپنے آدمیوں کو حکیم سین کی طرف روانہ کرے گا۔ یہاں اس ملک میں رہ کر رتنا شہر اور کسی قصبے میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ ان حالات میں تم دونوں کا یہاں سے چا جانا ہی بہتر ہے۔ اس وقت سوال تم دونوں کی سلامتی کا ہے۔ شاید اسی نظریے تحت سلطان نے آپ کو غزنی طلب کر لیا ہو پھر بدری ناٹھ نے گیان کی طرف دیکھتے کہا۔ گیان! گیان! تم ایک خان کے گھوڑے پر زین ڈال کر اسے رتنا کے لیے تیار میں جوہلی کے اندر جاتا ہوں اور رتنا کی تیاری مکمل کرتا ہوں۔ وقت بہت کم ہے!

جولی سے باہر نکل گیا۔

حماد اور رتنا اپنے گھوڑوں کو دریا سے سرسختی کے کنارے کنارے سرسخت
دوڑاتے جا رہے تھے۔ جب وہ اس جگہ آئے۔ جہاں دریا تے کے اوپر کھڑکی کا ایک
پل تھا اور وہاں مغرب کی طرف سے آنے والا راستہ دریا کا پل پار کر کے مشرق کی طرف دینا
اور حکیم ابوبکر کی بستی سدائیم کی طرف جاتا تھا وہاں حماد نے رتنا کو پکارتے ہوئے کہا۔
رتنا! رتنا! اپنے گھوڑے کو روک لو۔

رتنا نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اپنا گھوڑا حماد کے قریب لاتے ہوئے
اس نے بدحواس ہو کر پوچھا۔ کیا ہوا آپ رُک کیوں گئے۔ حماد نے گھوڑے سے اترتے
ہوئے کہا شام ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے رُک جاؤ۔ میں نماز پڑھ لوں۔

رتنا نیچے اتری اپنے اور حماد کے گھوڑے کی باگیں اس نے پکڑ لیں اور ایک
پتھر پر بیٹھ کر بڑے پیارا و میٹھے انداز میں وہ حماد کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ حماد دریا کے
کنارے آیا۔ اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے آہنی جوشن اس نے اتارے اور وہاں بیٹھ
کر وضو کرنے لگا۔ پھر وہ رتنا کے قریب آیا اور پتھر پر لی زمین پر قبضہ رو ہو کر وہ مغرب کی نماز
ادا کرنے لگا تھا۔

رتنا اسے عجیب انداز میں دیکھے جا رہی تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر حماد جب دوبارہ
اپنے آہنی جوشن پہن رہا تھا تو رتنا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ زمین پر سجدہ
کرتے ہوئے جو کچھ آپ نے اپنے رب سے عہد کیا ہے۔ یہ مجھے بھی سکھائیے۔ میں
نے آپ سے پریم کیا ہے اور اس سرزمین کو چھوڑنے سے قبل میں آپ ہی کے ہاتھ
پر مسلمان ہو جانا چاہتی ہوں۔

حماد نے اپنے جوشن پہنے اور آگے بڑھ کر پیادے سے رتنا کے دونوں ہاتھ
تھامتے ہوئے کہا۔ رتنا! رتنا! کیا تیرا فیصلہ تم نے مجھ سے محبت کے دباؤ میں آ کر کیا
ہے۔ رتنا نے معصوم بھول کی طرح مسکراتے ہوئے کہا۔ نہیں حماد! یہ میرے دل کی پکار
اور میرے ضمیر کا فیصلہ ہے۔ میں آپ کے مذہب کو پسند کر چکی ہوں اور سچے دل سے

آواز میں کہا۔ ان میں سے دو تھیلیاں میری ہیں اور ایک ماموں نے آپ کے
دی ہے۔ حماد نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ پر ان کی کیا ضرورت۔
بدری ناخدا نے حماد کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ بیٹے! میں رتنا کو اب ہمیشہ
لیے تمہاری رفیقہ حیات منتخب کر چکا ہوں۔ اس کی دونوں تھیلیوں کے تم مالک
ایک تھیلی میں تمہیں اپنی طرف سے دے رہا ہوں۔ یہ تمہارے کام آئے گی۔ انکار
بیٹے میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ اب تم دونوں یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ یہاں سے روا
میں تم جس قدر تاخیر کرو گے اسی قدر تم دونوں کے لیے خطرات بڑھتے جائیں
ہم سب کی دعائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔ میرا رب بحفاظت تم دونوں کو نیشاپور پہنچ
بدری ناخدا کے اس جملے پر رتنا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس لیے کہ بدری
کے منہ سے اس کے لیے یہ جملہ نیا تھا۔

کچھ سوچتی ہوئی رتنا آگے بڑھی۔ اچانک اس کی آنکھوں کے دو آبے بہنے
اور تیر دھارا آسو اس کے لباس کو جھگھکے لگے۔ وہ آگے بڑھ کر ساوتری اور بللا
کھلے ملنے لگی تھی۔ ان دونوں نے رو رو کر اسے رخصت کیا۔ پھر رتنا اپنے ماموں
لی اور اپنے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ حماد نے بدری ناخدا اور گیان سے مصافحہ کیا
اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

جب وہ اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگانے لگا تو ساوتری نے کہا۔ حماد بیٹے! اتر
خیال رکھنا اور اپنے ماں باپ سے بات کر کے اس سے شادی کر لینا۔ میں نے
بہت کچھ سمجھا دیا ہے۔ یہ تمہارا خیال رکھے گی۔ بللا بھی آگے بڑھی اور اپنے آسو پونچھ
بٹھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ حماد بھائی! یہاں سے رخصت ہونے کے بعد کیا
امید رکھیں کہ آپ جب حالات ٹھیک ہو جائیں تو رتنا کے ساتھ اس گھر میں آئیں گے
حماد نے گھوڑا آگے بڑھا کر بللا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ بللا! تم میری بہن ہو اور اب
بھائی اپنی بہن کو کوئی بھول سکتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے ایک روز میں رتنا کے ساتھ اس
میں ضرور آؤں گا۔ اس کے بعد حماد نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور رتنا کے سا

اسے قبول کرنا چاہتی ہوں۔

رتنا نے ذرا رک کر کہا۔ میں نہیں جانتی۔ ماماں اور بھلا مسلمان ہو چکے ہیں یا نہیں تاہم ان کی باتوں اور ان کے اطوار سے میں نے یہ اندازہ ضرور لگایا ہے کہ وہ سب اسلام سے متاثر ضرور ہیں۔ حماد نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ رتنا! رتنا! تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی وہ تینوں مسلمان ہیں۔ رتنا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ تو چھوڑیں یہ اسلام قبول کرتی ہوں۔

حماد رتنا کو کلمہ طیب پڑھانے لگا۔ رتنا نے کلمہ طیب پڑھا اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اے میرے رب کے فرشتو! اے ستارو! اور اے میرے اللہ کے بادلو! گواہ رہنا میں صدق دل سے اسلام قبول کرتی ہوں۔

حماد نے پھر رتنا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ رتنا ہم یہ رات دینا کے ہاں سلاہ میں بسر کریں گے، کیونکہ رات کے وقت دیا تے مسرتی کے مغربی دیواروں میں سفر کرنا خطرناک ہے۔ اگر میں اکیلا ہوتا تو مجھے ایسی کوئی فکر نہ ہوتی اور میں راتوں رات اپنی کافی مسافت طے کر چکا ہوتا۔ لیکن تمہارے ساتھ ہونے کی وجہ سے میں احتیاط برتنے پر مجبور ہوں۔

رتنا نے فوراً حماد کی ہاں ہاں ملا دی۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں آہستہ آہستہ بانکتے ہوئے سدائیر کی طرف بڑھنے لگے۔ جو صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ راستے میں حماد رتنا کو کلمہ طیب زبانِ یاد کرتا جا رہا تھا۔

حماد اور رتنا جب سدائیر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا بستی سے باہر ایک مکان کے سامنے کھلے میدان میں ان گنت مرد عورتیں جمع تھیں۔ سب مرد ہتھیاروں سے لیس تھے اور ان میں سے کچھ نے مشعلیں اٹھا رکھی تھیں۔ بستی کے بزرگ ایک مکان کے اندر آ جا رہے تھے جیسے وہاں وہ کسی چیز کا باری باری جائزہ لے رہے ہوں۔ لوگوں کے اندر کہ حماد اور رتنا اپنے گھوڑوں سے اتر گئے اور پریشان پریشان کھڑے لوگوں سے بچھڑ بچھڑا چاہتے تھے کہ اچانک پیچھے سے کسی نے حماد کا ہاتھ پکڑنے ہوئے پوچھا۔

اے میرے بھائی آپ کیسے ہیں۔ حماد نے جب مڑ کر دیکھا تو دینا اس کا ہاتھ بچھڑے مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حماد نے اس کے سر پر پیادے سے ہاتھ رکھتے دتے پوچھا۔ کیسی ہو میری بہن! دینا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اچھی بھلی ہوں بھیا! حماد نے رتنا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ رتنا کھڑی ہے اس سے ملو! پر یاد رکھنا یہ پلے والی رتنا نہیں۔ اب یہ مسلمان ہے اور عنقریب میری بیوی بننے والی ہے۔ رتنا نے رم سے اپنی گردن جھکالی تھی۔ دینا چونکہ رتنا کے پہلے رویے سے ڈری ہوئی تھی لہذا لائے وہیں کھڑے ہو کر رتنا کو منسکا کر کیا اور دوبارہ حماد سے مخاطب ہونا چاہا کہ رتنا خود کے بڑھتی اور دینا کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

تم حماد کی بہن ہو۔ اور وہ میرے پریمی ہیں۔ اس لحاظ سے تم میری بھی بہن ہو۔ دینا اور ادہ خوش اور جذبے کے ساتھ رتنا کے ساتھ لپٹ گئی تھی۔ اتنی دیر میں ایک طرف سے

طیب ابو بکر اسماعیل اور سیوارام آگئے۔ اور حماد سے بغلیگر ہونے لگے تھے۔ رتنا اور دوسرے علیحدہ ہو کر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

حماد نے ابو بکر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یہ رات کے اس وقت یہاں لوگوں کا ہجوم کیسا ہے۔ ابو بکر نے اسماعیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کے متعلق اسماعیل کہہ سکتا ہے گا۔ حماد نے اسماعیل سے پوچھ لیا۔ کیوں اسماعیل کیا ہوا؟

اسماعیل نے افسردہ اور غمگین لہجے میں کہا۔ جب میں اس برساتی اور طوفانی رات کو اپنی گاڑی میں لیکر قصبہ جیم سین کی طرف گیا اور راستے میں جنگل کے اندر آپ نے شیر کو ہلاک کیا تھا تب سے اس بستی پر مصیبت ٹوٹنا شروع ہو گئی ہے۔ شیر تو مر گیا لیکن اس کی مادہ بڑی طرح پھیر گئی۔ شاید اس نے مرے ہوئے شیر کو دیکھ لیا تھا اور انتقامی کارروائی پر آتی تھی۔ شروع شروع میں اس نے بستی کے جانوروں کا اپنا عہد بنایا۔ ہر دوسرے تیسرے روز جنگل کے قریب چرنے والے جانوروں کو اٹھا کر لے جاتی۔

ایک روز مزید بد قسمتی یہ ہوئی کہ چند گڈریے اپنے مویشی جنگل کے قریب چارہ ہتھے کہ شیر نے ان کے ریوڑ پر حملہ آور ہوئی گڈریوں نے جب مزاحمت کی تو شیر نے جانوروں کو چھوڑ کر ان پر حملہ کر دیا۔ کئی گڈریوں کو اس نے زخمی کر دیا اور ایک کو اٹھا کر لے گئی۔ بس اسی روز سے انسانی خون اس کے منہ لگ گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے جانوروں پر حملے بند کر دیئے اور انسانی جانوں کی دشمن بن گئی۔ اب وہ آدم خور ہو گئی تھی اور چند روز کا وقفہ ڈال کر بستی کے کسی نہ کسی آدمی کو اپنا قہر نکالتی ہے۔ وہ جو سامنے گھر ہے۔ اس کے اندر ایک بیوہ مسلمان عورت رہتی ہے۔ اس کے تین بچے ہیں۔ شیر نے آج اس کے ایک بچے کو اٹھا کر لے گئی ہے وہ بچاری رو رو کر پاگل ہو گئی ہے۔ بستی کے یہ سب لوگ اس کا ذکر بانٹتے یہاں جمع ہیں۔

اسماعیل نے ذرا رک کر کہا۔ میں نے بستی کے چند جانوروں کو اپنے ساتھ ہلا کر اسی شیر نے قہر نکالتے ہوئے جانے کا ارادہ کیا تھا لیکن بڑے بوڑھوں نے منع کر دیا کہ اس وقت شیر نے کسی سر پر خون سوار ہو گا ایسے موقع پر اس کے سامنے جانا خطرناک ہو گا۔ اب

یہ فیصلہ ہوا کہ کل بستی کے سب جوان ہتھیاروں سے لیس ہو کر جنگل کے اندر نہ کار لگا تب ہی اس طرح اول تو شیر نے سینکڑوں جانوروں کے ہاتھوں ماری جاتے گی۔ یا گھر کر یہ جنگل چھوڑ جاتے گی۔

اس ہنگامے میں کوئی ہندو حصہ نہیں لے گا۔ ان کا اب بھی عقیدہ ہے کہ جو شیر مر گیا ہے وہ پنڈت منو ہر لال ہے اور اب وہ کسی اور جہنم میں ظاہر ہو کر اس شیر نے سے بل کر ہماری بستی کو اپنے تم کا نشانہ بنائے گا۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ شیر نے کو اب کوئی نہ مار سکے گا کیونکہ پنڈت منو ہر لال اپنے تیسرے جہنم میں نمودار ہو کر شیر نے کی حفاظت کرے گا۔ بستی کے سارے ہندوؤں کی ایک سبھا منعقد ہوتی تھی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ سارے ہندو اس بستی کو چھوڑ کر دیا تے سرسوتی کے اس پار کوئی نئی بستی بنائیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم پنڈت منو ہر لال کی خونی روح کا مقابلہ نہیں کر سکتے تیرا خیال ہے ہندو گھرانے کل سے اس بستی کو چھوڑنا شروع کر دیں گے۔

حماد خاموش رہا۔ فضا میں بوند بوندی شروع ہو گئی تھی۔ آسمان پر بادل خوب گہرے ہو گئے تھے جس کی وجہ سے تاریکی بڑھ گئی تھی۔ حماد نے سیوارام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سیوارام جی! آپ رتنا اور دینا کو لے کر گھر چلیں میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔ میں اس بیوہ سے ملنا چاہتا ہوں جس کا بچہ شیر نے اٹھا کر لے گئی ہے۔

رتنا نے حماد کو پراختیاج لگا ہوں سے دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ حماد نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے کہا تم جلد رتنا! میں ویر نہیں لگاؤں گا۔ بہت جلد آ جاؤں گا۔ رتنا بچاری مجبور ہو گئی اور اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر وہ سیوارام اور دینا کے ساتھ ان کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ حماد، ابو بکر اور اسماعیل کے ساتھ اس بیوہ کے گھر آیا جس کا بچہ نقصان ہو گیا تھا۔ وہ بچاری رو رو کر پاگل ہو رہی تھی۔ اس کے قریب اس کے دونوں بچے بھی رو رو کر ہلکان ہو رہے تھے۔ بستی کی کچھ مسلمان عورتیں ان تینوں کو سنبھال رہی تھیں۔ حماد نے اسماعیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسماعیل! یہ سادی بربادی میری وجہ سے آئی ہے۔ میں اگر شیر کو نہ مارتا تو اس کی مادہ آدم خور نہ بنتی اس سے ہندوؤں کے عقیدہ کو

اور تقویت ملی ہے کہ شیرینڈت منوہر لال تھا اور یہ کہ اب وہ کسی دوسرے جنم میں شیرین کی حفاظت کرے گا تاکہ اس بستی کے لوگوں سے زیادہ سے زیادہ انتقام لیا جاسکے۔ ہمارے کچھ کھولتی ہوئی آوازیں کہا۔ اس شیرینی کو ختم کرنا انتہائی ضروری ہو گیا ہے۔ ایک اور بستی اُجڑنے سے بچ جائے گی۔ دوسرے مقامی ہندوؤں کا عقیدہ بھی کسی حد تک کم ہو جائے گا۔

حماد چند لمحوں تک خاموش رہا۔ کچھ سوچا پھر اسماعیل کو مخاطب کر کے اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اسماعیل! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم ابھی اور اسی وقت ہزار کی طرف روانہ ہوں اور شیرینی کو ہلاک کر کے لے آئیں۔ میں اسے اپنے گز سے مارنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے جسم سے خون نہ نکلے اور میں اسے اٹھا کر یہاں لے آؤں تاکہ بستی کے لوگ اسے دیکھیں اور ان کے دل سے خدشات اور بے بنیاد توہمات نکل جائیں۔ میں چاہتا ہوں ہم کسی اور سے نہ کہیں اور دونوں اس مہم پر روانہ ہو جائیں۔ تم نے دیکھا تھا میں نے کس آسانی سے شیر کو ہلاک کر دیا تھا۔ وہ نہ تھا اور یہاں ہے۔ اس پر قابو پانا میرے لیے اور زیادہ آسان ہو گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میری موجودگی میں تم پر کوئی مصیبت نہ آئے گی۔ کیا تم اسی وقت میرے ساتھ اس پراسرار مندر کی طرف جانے کو تیار ہو جیں گے اندر وہ شیرینی رہتی ہے۔

قبل اس کے اسماعیل کچھ کہتا۔ ابو بکر نے سہمی ہوئی آوازیں کہا۔ حماد! حماد! رات کے وقت مندر کی طرف ہرگز نہیں جانا۔ یہ ایک انتہائی خطرناک فعل ہے۔ صبح سب جولا کے ساتھ لڑکھنگلی میں ہنگارا۔ حماد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اس طرز تو شیرینی اس جنگل سے وقتی طور پر چلی جائے گی اور کچھ دن باہر وہ کھر لوٹ کر بستی کے دہشت بن جائے گی ابو بکر نے فیصلہ کن انداز میں کہا کچھ بھی ہو تم رات وقت نہ جاؤ۔ صبح دن کی روشنی میں تم جس طرح کہو گے ہم ویسے ہی کرتے گے۔

حماد چند لمحوں تک یوں گہری خاموشی میں گھویا رہا جیسے وہ کوئی اہم اور آخر فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں پھر اس نے ابو بکر اور اسماعیل دونوں کو مخاطب کر کے

ہوتے کہا سیدوارام اور اور دنیا میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں ایک انتہائی مجبوری کے تحت رتنا کو لے کر نیشاپور جا رہا ہوں اور کل اندھیرے منہ یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ ابو بکر اور دوک کر کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ پر حماد گھوڑے کو اڑھ لگا کر آگے بڑھ گیا تھا۔ حماد سیدوارام کے گھر کی طرف گھوڑا بھگا رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ تادیکی ہیں ابو بکر اور اسماعیل کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ تو اس نے سیدوارام کے گھر کی طرف جانے کے بجائے اپنے گھوڑے کو تادیکیں طرف موڑ لیا۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنے گھوڑے کو بھگا رہا تھا۔ ایک مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے حماد نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ مکان کے اندر خوب روشنی ہو رہی تھی۔ اور ہندو لڑکیاں شادی بیاہ کے گیت گارہی تھیں۔ شاید کسی کی شادی تھی۔ گھوڑے کو آہستہ آہستہ آگے بڑھاتے ہوئے حماد اس مقامی گیت کو غور سے سننے لگا تھا جسے لڑکیاں ڈھولک دے کر گھڑے کی لے پر گارہی تھیں۔

نہیں ہمارے باورے چھن چھن چاہیں تجھ
نہ تم ملو نہ میں سکھی ایسا بے دن مجھ
سکھیا سب سنسا رہے کھا دے اور رو دے
دیکھیا تو ہی بھئی جا گے اور رو دے
جو کوئی پیائی پیارنی کیوں دکھ اکھڑے
پیاکو دے لالہ ہنا سونہ سوہا گن ہوتے
سکھ دکھ اک سمن ہے چٹ میں بھید نہ کھید
پتی ڈرتا تو بیوی کی کیا کوئی جانے بھید

بستی سے نکل کر حماد جب کچھ دور نکل گیا اور اس کے کانوں میں گیت کی صدا تیس آتی بند ہو گئیں تو اس نے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دے کر اڑھ لگاتی اور تار ایک برساقی

لے درو دے کہے گئے گلا نکایت تکہ نظر سے درج لے شوہر سے محبت کو نیوالی بیوی۔

رات میں گھوڑا سر پٹ دوڑ پڑا تھا اس کا رخ اس پر اسرار اور آسیب زدہ قدیم مندر کی طرف تھا۔

حماد کے ایک ہاتھ میں ننگی تلوار، دوسرے میں ڈھال، پشت پر تیروں سے بھر ہوا ترکش جسم پر عبا کے نیچے زدہ، ٹانگوں اور بازوؤں پر پہنی جوشن سر پہ پہنی خود مٹھا اور گھوڑا نچنے پھڑ پھڑاتا ہوا بڑی تیزی سے بستی اور مندر کے درمیانی فاصلے کو سیٹھا جا رہا تھا۔ مندر سے ایک فلائنگ کے فاصلے پر حماد نے چٹانوں کے اندر گھوڑے کو روک دیا۔ چند لمحوں تک وہ ادھر ادھر دیکھا رہا۔ پھر ایک محفوظ جگہ وہ نیچے اترا اور گھوڑے کو اس نے وہاں باندھ دیا۔ خود اس نے تلوار میان میں کر لی اپنا گرز نبھالا اور گھوڑے کی پیٹھ پر چھپانے کے بعد وہ چٹانوں کے اوپر چڑھنے لگا تھا۔

چٹانوں کے اوپر آکر حماد نے دیکھا اس کے سامنے قریب ہی اس پر سیدہ اور پرلر مندر کی عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فضا میں ابھی تک ہلکی ہلکی بوندھا باندھی ہو رہی تھی۔ تیز ہوا کائنات کی ہر چیز کے جسم پر کوڑے برس رہی تھی۔ بلند قامت درخت خاموش اور پتھریلے اجڑے بیابان پر ایک کاٹ کھانے والا سکوت طاری تھا۔

مندر کی طرف جانے کے لیے حماد اب موت کی اس نشیب میں اترنے لگا تھا۔ نیچے جا کر وہ بے حد محتاط ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی ڈھال اپنے سامنے کر لی تھی اور گرز خوب مضبوطی کے ساتھ ہاتھ میں تول رکھا تھا۔ جنگل میں پتوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے چلتے ہوئے آواز پیدا ہوتی تھی۔ حماد تیزی سے مندر کی طرف بڑھتا رہا۔ قدیم درختوں کے تنوں پر کاتی آگ آتی تھی۔ سرس اور مولسری کے درخت تیز ہوا میں خوفناک سنسناہٹ پیدا کر رہے تھے۔ جنگل کی ہر چیز پر اعتکاف کا سانسہ بخلا ملا۔ کی سی لذت اور خستہ جیسا اسرار طاری تھا۔ یوں لگتا ہوں گویا بیابان کی ہر چیز قید و بند اور جنونی و خفانی حالت میں ساکنانِ افلاک کی سازش و ترغیب، ستم و عتاب، حذر و احتیاط اور مجنونانہ کیفیت کا شکار ہو گئی ہو۔

حماد کسی جویا تے راز گراں کی مانند موت کی انزائی میں اترتا رہا۔ جنگل میں کوئی آواز،

کوئی صدا، کوئی شور اور کوئی پکار نہ تھی۔ چپ کی طیلساں یوں بکھرنے لگی تھیں جیسے کسی شے کے بدلے کے گوشہ نشین انتظار یا کسی آنے والے طوفان کی آس میں منسا کی ہر شے تذلیل و بچاؤ کی کاتھکا رہ گئی ہو۔

دفعتاً جنگل کا سکوت ٹوٹ گیا ایک کہیہ آواز دوز تک گہری بازگشت کے ساتھ بکھرنے لگی تھی۔ حماد پکتنے ہوئے شعلے کی مانند مڑا اور اپنی پشت پر اس نے زور سے اپنا گرز دکھایا۔ دوسرے ہی لمحے وہ خود ہی اپنی حماقت پر سکڑا دیا تھا۔ کچھ بھی نہ ہوا تھا جنگل کے اندر سے چند پرندے خوفناک آوازیں نکالتے ہوئے کسی اور سمت پر دوا کر گئے تھے۔

تھنا میں دیر تک ان آوازوں کی لہریں بکھرتی رہیں گویا ان بے عاطفہ و بے وجدان دیوانوں کے اندر مشیتِ خداوندی کدورتِ بشریت پر برمی طرح مسکرا اٹھی ہو۔ تھوڑی دیر بعد ہر چیز ایک بار پھر خاموشی اور خوف میں مصروف و محو ہو گئی تھی۔ حماد اب مندر کی قلعہ نادیاؤں کے قریب آ گیا تھا۔ مندر کے اطراف میں اونچی اونچی گھاس دودھ دودھ تک بکھری ہوئی تھی۔ حماد مندر کے گرد گھوم کر اس کا دروازہ تلاش کرنے لگا تھا۔

ایک دم حماد رک گیا۔ مندر کی دیوار کے ساتھ اس نے ٹیک لگالی اور اپنا گرز ڈھال نبھال کر وہ مستعد ہو گیا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی چیز دے پاؤں اس کے قریب لڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔ حماد نے ڈھال اپنے آگے کر لی اور گرز فضا کے اندر گھما لیا تھا۔ ایک بار پھر حماد کے لبوں پر مضحکہ خیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی کیونکہ وہ چند گیدڑ تھے جو بڑی خوفناک لگا ہوں سے حماد کو گھورتے ہوئے گھاس کے اندر دوپوش ہو گئے تھے۔

مندر کے گرد گھومتا ہوا حماد مندر کے دروازے پر اکھڑا ہوا وہ ایک نہایت پسیدہ اور جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا دروازہ تھا۔ حماد نے مندر کے اندر جھانکا اندر گہری تاریکی اور ایسا تعفن تھا۔ گویا وہ مندر نہیں درندوں کا بھٹا اور گپھا ہو۔ حماد آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح مستعد ہو گیا تھا۔ وہ مندر میں داخل ہوا۔ چند قدم اندر جا کر اس نے کچھ سوچا پھر وہ دوبارہ باہر آ گیا۔ ایک پتھر اٹھایا اور دروازے

بجس طرف جاتے تھے جس کمرے میں بچے کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ حماد اسی میں رہا اور اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمروں کی طرف جانے والا دروازہ اس کے مضبوطی سے بند کر دیا تھا۔

حماد نے اندازہ لگالیا تھا کہ مادہ شیر اس وقت مندر سے باہر ہے وہ کمرے کے دروازے کے پاس آیا اور اسے بند کرنا چاہا اس کا ارادہ تھا دروازے کو بند کر دے تاکہ مادہ شیر کھڑکی کے راستے کمرے میں داخل ہوا اور جب وہ کھڑکی پھلانگ کر اندر آئے وہ اس کے سر پر گزرا مڑے اور اسے نڈھال و کمر و کمر کے رکھ دے۔

حماد کو ایسی ہوئی وہ دروازہ بند کر کے محفوظ رہ سکتا تھا۔ ایک تو دروازے کی زنگ آلود کنڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ دروازے کے دونوں پٹ کا زیریں حصہ دیمک کے چاٹ جانے کی وجہ سے ٹوٹ کر گر چکا تھا اور دروازے کے نیچے سے کوئی بھی درندہ رنگ کمرے میں داخل ہو سکتا تھا۔ حماد تیزی سے حرکت کرنے لگا۔ اسے خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ دروازے اور کھڑکی میں سے ایک اسے بند کر دینا چاہیے تاکہ اس کے ذہن سے یہ بوجھ اور توہم دور ہو جائے کہ شیر فی کس راستے سے آئی ہے۔ وہ اپنے ذہن کو صرف ایک سمت مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔

اس نظریے کے تحت وہ کھڑکی کے پاس آیا اور اس کے دونوں پٹ بند کر کے اس نے دیکھا کھڑکی کی چٹخنی اپنی جگہ قائم تھی۔ حماد نے دونوں پٹ اچھی طرح بند کیے اور چٹخنی چڑھا دی اب وہ دروازے کے ایک طرف اوٹ میں آکر کھڑا ہو گیا اور مادہ شیر کے لوٹنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اس حالت میں کھڑے کھڑے کافی دیر گزر گئی تھی۔

اچانک بارش کی دم تھم موسلا دھار مینہ میں بدل گئی۔ اس بوسیدہ مندر کی پت بڑی طرح بول بھلی مٹی گویا کوئی معلم سکوت ہستی رحمت یزداں سے دل برگشتہ ہو کر رنج و عناد، اظہار خفا اور فنا پر زیری پر اتر آئی ہو۔ حماد سنبھل گیا اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ اس کی تمام حیات جادو جس کی طرح بول کر اسے کسی دغا ہونے والے خطرے سے

کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اس نے وہ پتھر زور سے مندر کے اندر پھینکا۔ پتھر مندر کے اندر وئی جھٹے میں کسی دیوار سے ٹکرایا تھا جس کے باعث مندر کے اندر تیز آواز پیدا ہوئی تھی اور ان گنت جنگلی پرندے اور چمکا ڈنڈور کرتے ہوئے مندر سے باہر نکلنے لگے تھے اس کے علاوہ مندر کے اندر کسی رد عمل کا اظہار نہ ہوا تھا۔

حماد نے دوبارہ کئی پتھر اٹھا کر مندر کے اندر مختلف سمتوں میں مارے۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر کوئی درندہ ہے تو باہر آجائے گا اور وہ دروازے کی اوٹ میں ہو کر اسے ختم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ پر لگا تا کہ کئی پتھر پھینکنے کے باوجود مندر کے اندر کسی چیز نے حرکت نہ کی تھی۔ اب حماد ایک طرح سے مطمئن ہو گیا تھا۔ لہذا اس نے ڈھال اور گرز سنبھالا اور مندر کے اندر داخل ہو گیا۔

وہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس میں حماد داخل ہوا تھا۔ اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ایک بھر لوہا احتیاطی نگاہ ڈالتے ہوئے حماد آگے بڑھتا رہا۔ اس بڑے کمرے کے خاتمے پر ایک دروازہ آگیا تھا جو ایک قدزے چھوٹے کمرے میں کھلتا تھا یہ کمرہ بڑے کمرے سے کسی قدر روشن تھا کیونکہ اس کی بیرونی دیوار میں دو دروازے تھے جن کی وجہ سے اس کمرے کا پورا محل وقوع دیکھا جاسکتا تھا۔ حماد نے دیکھا اس کمرے کے اندر انسانی ہڈیاں۔ سبجراور ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ شاید شیر فی جادو ہو گئی تھی اپنا لشکار اسی کمرے میں لاکر کھاتی تھی۔

کمرے کے دائیں کونے کی طرف دیکھتے ہوئے حماد چونک اٹھا وہاں ایک بچے کی ادھڑی ہوئی تازہ لاش پڑی تھی۔ شاید یہ وہی بچہ تھا جو وہ ابوبکر کی بستی سے اس بیوہ عورت کا اٹھا لائی تھی۔ حماد کا خون کھول اٹھا اس کے چہرے پر درد و کدورت کی پرچھائیاں بکھرنے لگی تھیں اور اس کا ذہن برگشتہ ہونے لگا تھا۔

بچے کی لاش سے پیچھے ہٹ کر حماد پھر اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کمرے کی بیرونی دیوار میں ایک کھڑکی بھی تھی جو اس قدر نیچی تھی کہ کوئی درندہ اسے باسانی پھلانگ سکتا تھا۔ اس کمرے سے آگے کچھ اور کمرے بھی تھے جو نہ جانے کس سمت

آگاہ کرنے لگی ہوں۔ اسے ایسا لگنے لگا تھا جیسے عنقریب کوئی بہت بڑا حادثہ رونما ہونے والا ہو۔

لگاتے ہوئے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں اندھا دھند ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے۔ حماد پھر آگے بڑھا اور گمزد کی تیسری ضرب دوبارہ شیرنی کے سر پر لگائی۔ شیرنی نے غرانا اور دھواڑنا بند کر دیا تھا اس پر غشی طاری ہو گئی تاہم اس کی سانس ابھی تک چل رہی تھی۔ حماد نے گمزد ایک طرف رکھ دیا۔ اپنا گھٹنا اس نے شیرنی کے پیٹ پر رکھ کر اس کے دونوں بازو اپنے بازوؤں کے نیچے دبا تے اور اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کی گردن لے کر وہ اس کا کلا گھونٹنے لگا تھا۔

سانس کا سلسلہ بند ہونے پر شیرنی تڑپتی۔ چلی پر حماد کی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ وہ اپنے آپ کو آزاد نہ کر سکی۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ حماد اٹھا اپنا بایاں پاؤں شیرنی کے سر پر رکھا اور اپنی پوری آواز سے اس نے تکبیر بلند کی ”اللہ اکبر“ یہ اس کی فتح مندی کا نعرہ تھا جس کی گونج مندر سے نکل کر جنگل میں دُور دُور تک بکھر گئی تھی۔ پھر حماد نے اپنی ڈھال اور گمزد اپنی پشت پر باندھے تلوار بے نیام کر کے ہاتھ میں پکڑ لی۔ جھک کر اس نے شیرنی کو اُپر اٹھا کر اپنے کندھے پر لاد لیا اور مندر سے باہر نکلنے لگا تھا۔

کافی دیر گزر جانے کے باوجود جب حماد سیوارام کے گھر نہ آیا تو رتنا پریشان ہو گئی۔ دینا کھانا تیار کر کے کب کی فارغ ہو چکی تھی وہ بھی بڑی پریشانی سے حماد کا انتظار کر رہی تھی۔ رتنا بچا دی سے نہ رہا گیا اور اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے سیوارام کی طرف بکھتے ہوئے کہا۔ بالو! اتنی دیر ہو گئی۔ حماد ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے۔ وہ اتنی دیر ہال بیٹھ سکتے ہیں۔ سیوارام نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ وہ دیر اب بکریا یا سمیٹیل سے کسی کے پاس رک گیا ہوگا۔ وہ دونوں اس کے ہم مذہب ہیں اور اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ رتنا نے روتی آوازیں کہا۔ پر میرا دل نہیں مانتا کہ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس رک گئے ہوں گے۔

سیوارام کچھ کہنا چاہتا تھا کہ گھر کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ سیوارام نے

دفعاً وہ سنان اور بوسیدہ مندر ہی نہیں پورا جنگل تک لرز اٹھا تھا۔ مندر کے قریب ہی جنگل کے اندر شیرنی بڑی طرح دھاڑی تھی۔ ایسی دھاڑ جس سے ہر جاندار کی رگوں اور ہڈیوں تک کی تانگی جاتی رہی تھی۔ ہر چیز میں چپکے چپکے خوف و ہراس نفوذ کرنے لگا تھا۔ حماد کی نگاہیں مندر کے بیرونی دروازے پر جم گئی تھیں۔ اس کی حالت جنگل بدل پر آمادہ اس وحشی جیسی ہو گئی تھی جو قیور زمان مکان سے آزاد ہو کر پرانندہ نصب اور شعلہ سچاں کی شکل اختیار کر گیا ہو۔

عجیب سی عالم تابی میں حماد تڑپ کر سنبھلا تھا۔ اپنا گمزد اس نے فضا کے اندر اپنے دائیں کندھے کے اوپر بلند کر لیا تھا اور ڈھال اپنے سامنے اٹھ کے طور پر کھڑی تھی اس لیے کہ مندر کے بیرونی دروازے سے شیرنی غراتی ہوئی مندر میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں تار بکی میں دو جھپکتے شعلوں کی شکل اختیار کر گئی تھیں اور وہ بار بار غراتی بھاگتی چلی آ رہی تھی شاید وہ انسانی بول چال سمجھتی۔

جونہی شیرنی اس کمرے میں داخل ہوئی حماد نے اپنی پوری قوت سے اپنا وزنی گمزد گرایا اور شیرنی کے سر پر دے مارا۔ شیرنی لڑکھڑا کر زمین پر گر گئی مگر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور حماد پر حملہ کر دیا۔ اس نے پوری دھمکتا کی سے دھاڑتے ہوئے حماد کو نیچے مارے تھے جو حماد نے اپنی ڈھال پر روک لیے تھے اس وقت تک حماد دوسری بار اپنا گمزد گرایا چکا تھا اس بار اپنی گمزد کی ضرب شیرنی کی کمر پر پڑی اور وہ ایسی خوفناکی سے دھاڑی کہ مندر کی پوری عمارت لرز اٹھی تھی۔

شیرنی چپکرا کر کمرے کے فرش پر گر گئی تھی۔ اب وہ لگاتار دھاڑتی جا رہی تھی یوں جیسے وہ غصے میں کسی کو کھنچوڑ دے گی۔ اب وہ اٹھنے کے قابل نہ رہی تھی کیونکہ حماد کی دوسری ضرب نے اس کی پیٹھ کی ہڈی توڑ کر رکھ دی تھی اور وہ بڑی طرح زمین پر بوٹنے لگی تھی۔ اس کے لگاتار دھاڑنے کی وجہ سے جنگل کے اندر مختلف جانور خوفزدہ آوازاں

رسوئی میں بیٹھے ہی بیٹھے کہا۔ آجاؤ۔ آجاؤ۔ دروازہ کھلا ہی ہے۔ پھر سیوارام نے زنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو تم نے حماد کو یاد کیا اور وہ آہی گیا ہے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے سیوارام کہیں کھو کر رہ گیا کیونکہ گھر کے صحن میں ویدالو بکر اور اسماعیل داخل ہوئے تھے۔ وہ دونوں سیدھے رسوئی کی طرف آئے پھر ابو بکر نے سیوارام سے پوچھا۔ حماد کہاں ہے؟ اس نے کہا تھا وہ صبح اندھیرے منہ یہاں سے روانہ ہو جاتے گا۔ ہم دونوں تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنا چاہتے تھے۔

سیوارام اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور سوالیہ کیفیت میں اس نے کہا۔ ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ حماد آپ دونوں میں سے کسی ایک کے گھر ہوگا۔ اٹا آپ دونوں ہم سے اس کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو میرا دل کہتا ہے وہ اکیلا ہی مندر کی طرف چلا گیا ہے۔ زنا بچا دسی بکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ ابو بکر نے زنتی آواز میں کہا اگر وہ اکیلا مندر کی طرف چلا گیا ہے۔ تو بہت برا ہوا۔ اسماعیل نے اس کی بات کاٹ کر کہا ہمیں یہاں بالکل میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔ یہاں سے چند جوان جمع کر کے ہمیں فوراً اس کی مدد کے لیے مندر کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔ پھر کسی کے جواب کا انتظار کیے بغیر اسماعیل نے ابو بکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ ہمیں مٹھریں میں چند جوانوں کو ساتھ لے کر آنا ہوں پھر مندر کی طرف چلتے ہیں۔ اسماعیل مڑا اور جھانکنا ہوا بانہ نکل گیا۔ ابو بکر سیوارام کے ساتھ رسوئی میں بیٹھ گیا اور دونوں مل کر حماد کے متعلق گفتگو کرنے لگے تھے۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اسماعیل لوٹ کر آیا اور ابو بکر سے کہا میں چند جوانوں کو جمع کر کے لے آیا ہوں۔ آئیے مندر کی طرف چلیں۔ ابو بکر جب کھڑا ہو گیا تو زنا نے اسماعیل کی طرف دیکھے ہوئے کہا۔ اسماعیل بھاتی! اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ جانا چاہوں گی۔

اسماعیل نے زنا کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تم فکر مند نہ ہو میری بہن ہم حماد کو اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔ تمہارے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے۔ زنا نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ نہیں میں ضرور ساتھ جاؤں گا۔ اسماعیل ہار مان گیا۔ تو پھر چلو۔ سیوارام اور

زنا بھی ساتھ جانے کو تیار ہو گئے تھے۔ سب مکان سے باہر آئے۔ انہوں نے دیکھا گلی میں بیس پچیس ترمند جوان کھڑے تھے۔ سب کے سب پوری طرح اپنے ہتھیاروں سے مسلح تھے اور ان میں سے کچھ اپنے ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں اٹھاتے تھے اور انہیں بائش کی دم جھم میں بجنے سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اسماعیل سب کو لیکر اس گلی میں داخل ہوا جو بستی سے نکل کر ایک تنگ پگڈنڈی کی صورت میں اس قدیم و پر اسرار مندر کی طرف جاتی تھی۔ جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں حماد کا گھوڑا بندھا ہوا تھا تو اسماعیل نے اپنے پیچھے آنے والے جوانوں کو روک جانے کے لیے کہا۔ پھر وہ گھوڑے کے پاس آیا اور پیار سے اس کی گردن کو تھپتھپانے لگا۔ ابو بکر سیوارام، زنا اور وینا بھی اس کے قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے اسماعیل نے ان چاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حماد اپنے گھوڑے کو اس محفوظ جگہ باندھ کر ضرور شیرنی کی تلاش میں گیا ہے۔ اس کے گھوڑے کی زین پر سواتے ایک نافوس کے اور کچھ نہیں اس سے ظاہر ہے۔ وہ اپنے سب ہتھیار اپنے ساتھ لے کر گیا ہے۔ ہمیں فوراً اس کی تلاش میں مندر کی طرف جانا چاہیے۔ اسی لمحہ موسلا دھار طینہ برسنے لگا۔ اسماعیل اپنے ساتھیوں سے کچھ کہنے والا تھا کہ جنگل کے اندر مندر کے قریب ہی شیرنی کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔ اسماعیل نے چلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ میرے ساتھ آؤ۔ شیرنی اس مندر کے قریب ہی ہے۔ میرا خیال ہے حماد اور اس کا سامنا ہو چکا ہے اور وہ حماد کو دیکھ کر دھاڑی ہے۔ ہمیں فوراً حماد کی مدد کو پہنچنا چاہیے۔ زنا، وینا، ابو بکر اور سیوارام تم سب مسلح جوانوں کے درمیان رہنے کی کوشش کرو۔

سب بڑی تیزی سے مندر کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ ابھی وہ مندر سے تھوڑی دُور ہی تھے کہ اس بار شیرنی مندر کے اندر بڑی طرح دھاڑی پھر وہ بار بار دھاڑنے اور غرائے لگی تھی۔ اسماعیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ میرے پیچھے جلدی جلدی آؤ شیرنی کے دھاڑنے اور غرائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حماد اس سے ٹکرا چکا ہے۔ سب جوان اسماعیل

کے پیچھے پیچھے مندر کی طرف بھاگنے لگے تھے۔ ابوبکر سیوا رام، رتنا اور دینا بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

اچانک مندر کے اندر شیرنی کے دھاڑنے کی آوازیں ختم ہو گئیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد پورا جنگل حماد کی اللہ اکبر کی صدا سے گونج اٹھا تھا۔ اسماعیل نے خوش کن ہجے میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔ یقیناً حماد نے شیرنی کو ہلاک کر دیا ہے۔ اور اللہ اکبر کی یہ صدا اس کی فتحی کا نعرہ ہے۔ جب وہ سب بھاگتے ہوئے مندر کے قریب آئے تو انہوں نے دیکھا، حماد مندر کے اندر سے نمودار ہوا تھا۔ اس نے اپنے بائیں کندھے پر شیرنی کو اٹھا رکھا تھا اور اس کے دائیں ہاتھ میں اس کی چمکدار بھاری تلوار تھی۔

حماد نے جب اپنے سامنے اسماعیل اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا تو اس نے تعجب سے پوچھا۔ تم سب لوگ اس طرف کیسے آ گئے۔ اسماعیل کے بجائے ابوبکر نے خفگی میں کہا۔ پہلے آپ بتائیں آپ اکیلے اس مندر کی طرف رات کے اس وقت کیوں چلے آئے۔ حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں صبح اندھیرے منہ یہاں سے کوچ کر جانا چاہتا تھا اور یہاں سے روانہ ہونے سے قبل میں اس مندر کے بے نہاد اور فرسودہ اعتقادات کے بُت کو پاش پاش کر دینا چاہتا تھا۔ اور آپ لوگ دیکھ رہے ہیں میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہوں۔ ابوبکر نے اپنے ہجے میں زور پیدا کرتے ہوئے کہا۔ پر آپ اکیلے کیوں آئے کیا بستی میں کوئی ایسا جوان نہ رہ گیا تھا جو آپ کے ساتھ آتا ہے۔ قسم اللہ کی آپ بستی کے اندر کھڑے ہو کر اگر ایک آواز بھی لگاتے تو سبیکہ دوں مسلمان جوان آپ کا ساتھ دینے کو جمع ہو جاتے۔

اسماعیل نے بات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ جو ہونا تھا ہو گیا اب واپس بستی چلو اور اس بارہ شیر کو بستی کے سارے ہندو مخلوق میں گھمائیں تاکہ ان کا پنڈت منوہر لال کے دوسرے جہنم کا عقیدہ ختم ہو جاتے۔ جب سارے لوگ واپس مڑے تو اچانک حماد کی نگاہ رتنا اور دینا پر پڑی وہ ان کے قریب آیا اور رتنا سے پوچھا۔ تم ادھر کیوں آتی ہو۔ رتنا نے پیارا ورننگی میں منہ بسورتے کہا۔ آپ اکیلے رات اور بارش میں ادھر کیوں آتے۔ مجھے

میں اطلاع نہ کی۔ حماد نے پیار سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ چلو جو ہوا سو ہوا سب کچھ بھول جاؤ۔ آخر میں نے کوئی بُرا فعل تو کیا نہیں۔ میرے عقیدے کے مطابق یہ ایک معرکہ ہے جو میں نے سر کیا ہے۔ پیار سے جب حماد نے رتنا کا ہاتھ دبایا تو وہ میٹھی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتے لگی تھی۔

اسماعیل کے اشارے پر چند جوانوں نے حماد سے شیرنی کی لاش لے کر اٹھالی تھی پہلے وہ حماد کے گھوڑے کے پاس آئے۔ حماد نے گھوڑا اکھول کر اس کی باگ اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔ ابتدا میں گھوڑا شیرنی کی ٹوپا کر بدکا تھا۔ پر حماد کے پیار کرنے پر وہ پرسکون ہو گیا۔ سب لوگ بستی میں داخل ہوئے۔ اسماعیل اور ابوبکر اپنے جوانوں کے ساتھ شیرنی کی لاش کو بستی میں گھمانے لگے تھے۔ حماد، رتنا، دینا اور سیوا رام کے ساتھ اس کے گھر داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد وہ اکٹھے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

بچہ درخت سے نیچے اترا اور غرخر کی وحشتناک آوازیں نکالتا ہوا رتنا کے پیچھے بھاگا۔
 دریا کے کنارے اس جگہ جا کر رتنا دکھائی جس طرف حماد دریا کو عبور کرنا آرہا تھا اور
 ہاں اس کا دستہ بندھا ہوا تھا۔ ایک بچان پر کھڑے ہو کر حماد یہ سارا منظر دیکھ چکا تھا۔ دیکھ
 ب رتنا کے بالکل قریب آچکا تھا۔ حماد برق رفتاری کے ساتھ کنارے سے قریب ہی
 ب بچان پر چڑھا اور چلا کر رتنا سے کہا۔ رتنا! رتنا! ایک جگہ کھڑی مت ہو۔ کنارے
 ے ساتھ ساتھ نیچے کی طرف بھاگتی رہو دیکھ کچھ پرچہ اور ہونے والا ہے۔ اتنی دیر تک مجھے
 دریا سے باہر نکلنے کا موقع مل جائے گا۔

جذبہ کی طرف اپنی پوری رفتار سے رتنا دریا کے کنارے بھاگنے لگی تھی۔ دیکھ
 ہی جب اس کا پیچھا کرنے لگا تو حماد کو نہ جانے کیا سمجھی اس نے اپنا آہنی بیچہ فضا میں
 اڑایا اور بھاگتے دیکھ پرچہ نکلا۔ تیز رفتاری کی گلیوں کا بیچہ دیکھ کے باتیں پہلو میں کھینچ گیا تھا۔
 درحماد نے زور لگا کر اسے ایک جگہ رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

حماد نے ایک بار پھر چلا کر رتنا سے کہا۔ رتنا! رتنا! میرے گھوڑے کو پکڑو اور
 ل پر سوار ہو جاؤ۔ اس طرح تم محفوظ ہو جاؤ گی کیونکہ دیکھ گھوڑے کو پکڑ نہ سکے گا میرا آہنی
 بنجر دیکھ کے جسم میں ہے اور میں اس کے سہارے کنارے پر آنے کی کوشش کرتا ہوں
 تا تیزی سے حماد کے گھوڑے کی طرف بھاگی بچکا کر اسے پکڑا اور اس پر سوار ہو
 ئی۔ حماد بھی پانی میں کود گیا اور کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔

گھوڑے پر سوار رتنا کی طرف جانے کے لیے اچانک دیکھنے اپنا رخ بدلا اس
 ویشش میں آہنی بیچہ اس کے جسم سے نکل گیا اور حماد دریا کی تند لہروں کا نشانہ ہو کر نیچے
 ل طرف بہہ گیا۔ رتنا نے یہ سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ وہ بچاری اپنی رفتی و چلاتی آواز میں
 بار نہ لگی۔ حماد! حماد! اور ساتھ ہی اس نے گھوڑے کو دریا کے کنارے کنارے
 جذبہ کی طرف سر پٹ دوڑا دیا تھا۔ دیکھ زخمی ہو کر اور زیادہ وحشت اور بھیاں نکپن
 سے اس کا تعاقب کرنے لگا تھا۔

رتنا بچاری کی حالت بری ہو رہی تھی اسے کچھ پتہ نہ چل رہا تھا کہ حماد کہاں ہے۔

دوسرے روز حماد نے رتنا کے ساتھ سدائیر سے کوچ کیا۔ نیشاپور جانے کے لیے
 اس نے وہی راستہ اختیار کیا تھا جس راستے وہ دریا تے آموں کی طرف سے ہندوستان
 میں داخل ہوا تھا۔ دریا تے جناب اور دریا تے بھت (جہلم) کو عبور کرنے کے بعد وہ
 دریا تے نیلاب (سندھ) کے کنارے آگئے۔ ان دنوں برسات کا موسم شروع ہو چکا
 تھا اور دریا سیلابی حالت میں اپنی پوری طغیانی پر بہہ رہا تھا۔

رتنا دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ کر دریا کے کنارے کھڑی ہو گئی تھی جبکہ حماد
 اپنے آہنی بیچے کی مدد سے دریا کے آ رہا دستہ باندھنے لگا۔ دریا کے اس کنارے
 اس نے ایک قریبی درخت سے دستہ باندھا پھر وہ اپنے بیچے کی مدد دریا عبور کرتا ہوا
 دوسرے کنارے کی طرف چلا گیا۔ اس دوران رتنا دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑے
 ایک پھل دار جنگلی درخت کے نیچے بیٹھ گئی تھی۔ اچانک رتنا کو ایسا لگا کہ جس درخت
 کے نیچے وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ بڑی طرح ہلنے لگا ہو۔ خوفزدہ ہو کر اس نے جب اُپر دیکھا
 تو سیاہ رنگ کا ایک خونخوار ہمالیائی ریکھ درخت سے نیچے اتر رہا تھا۔

رتنا ایسی خوفزدہ اور بدحواس ہوتی کہ دونوں گھوڑوں کی باگیں اس نے چھوڑ
 دیں اور زور زور سے بچا رتی ہوتی دریا کے کنارے کی طرف بھاگی۔ حماد! حماد! بچاؤ
 بچاؤ۔ دونوں گھوڑے بھی ریکھ کو دیکھ کر رتنا کے پیچھے پیچھے بھاگ نکلے تھے۔ حماد
 اس وقت تک دوسرے کنارے دستہ باندھنے کے بعد تیزی سے واپس لوٹ رہا تھا

دربیا کی تند لہروں نے جو پتھروں سے ٹکرا کر جھگ پیدا کر رہیں تھیں۔ حماد کو اپنی گود لکڑ میں چھپا لیا تھا۔ دریا میں بہتے بہتے اچانک آہنی پنجہ خود بخود ایک چٹان کے اندر بھینس اور یوں حماد دریا کی لہروں کا شکار ہونے سے بچ گیا۔ زور لگا کر وہ اس چٹان کے اُپر آیا۔ اپنا آہنی پنجہ کنارے کی چٹانوں میں چھنسا کر وہ کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔ رتنا اسے دیکھ چکی تھی وہ اس کی طرف گھوڑے کو تیزی سے بھگانے لگی۔ دیکھتے ہی رتنا ہارنے کی باعث کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔

حماد دریا کے کنارے آیا۔ اپنے آہنی پنجے کا رسہ لپیٹ کر اس نے ایک طرف زور اور اپنی تلوار ڈھال سنبھال کر وہ مستعد کھڑا ہو گیا تھا۔ رتنا اپنا گھوڑا دوڑاتی ہوئی آتی اور حماد کے پاس لکڑہ گھوڑے سے اُتر کر کھڑی ہو گئی۔ حماد فوراً گھوڑے کی طرف بڑھا۔ ترکش چند تیر نکالے اور کمان سنبھال کر دوبارہ وہ پہلی جگہ آ کر کھڑا ہوا۔ رتنا کو اس نے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا تھا۔ بریچھ جب ذرا نزدیک ہوا تو حماد نے تیر چلا کر چڑھایا اور ناک کر اسے مارا۔ بریچھ کی کھوپڑی میں دھنس گیا تھا۔ پھر بریچھ بعد دیگر کئی نیکمان سے نکلے جو بریچھ کے جسم پر مختلف حصوں میں بیوست ہو گئے۔ دیکھتے ہی رتنا کھانا کھا تا قریب آ گیا تھا۔ زمین پر گر گیا تھا۔ رتنا نے اپنا گم زلیا اور بریچھ کی طرف بڑھا۔ دیکھتے ہی زمین پر پڑا۔ درد کی شدت سے لوٹ رہا تھا۔ حماد نے اپنا آہنی گم زلیا کھانے کے سر پر مارا۔ دیکھتے ہی ایک بار بڑی طرح غرایا پھر سسک بک کر دم توڑ گیا۔

حماد دوبارہ رتنا کے پاس آیا۔ زمین پر پڑا ہوا اپنا آہنی پنجہ اٹھا کر گھوڑے کی زین سے باندھا۔ پھر رتنا کی طرف دیکھا۔ وہ بجا دی گم سم کھڑی تھی۔ حماد اس کے قریب آیا اور اس کا شانہ پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ کہاں پہنچ گئی ہو۔ دیکھتے ہی تو ختم ہو چکا ہے۔ آؤ چلیں رتنا چونکی۔ گھبراہٹ میں اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر وہ ایسے واہانہ انداز میں حماد سے لپٹ گئی۔ گویا کوئی اسے زبردستی اٹھا لیجائے کی کوشش کر رہا ہو۔

حماد نے پیار سے اس کی پیٹ پر ہاتھ بھرتے ہوئے کہا۔ تم اس قدر خوفزدہ کیوں رہی ہو۔ رتنا نے اپنا سر حماد کی چھاتی پر رکھتے ہوئے کہا۔ آپ جس وقت دریا کی لہروں میں

گئے تھے تو میں اپنے سوا اس کھوہ بیٹھی تھی۔ گو میں گھوڑا دریا کے بہاؤ کی طرف بھگا رہی لیکن مجھے کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ سلامت اور بے ضرر میرے سامنے کھڑے ہیں۔ حماد رتنا کا ہاتھ پکڑ کر گھوڑے کی طرف بڑھا پہلے وہ خود گھوڑے پر وار ہوا پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے رتنا کو اچکا اور اپنے آگے بٹھاتے ہوئے گھوڑے پر اڑھ لگا دی تھی۔

دونوں اس جگہ آئے جہاں کنارے کے ایک درخت سے رتنا بندھا ہوا تھا۔ حماد نے پہلے بچکا کر رتنا کا گھوڑا پکڑا پھر درخت سے بندھا ہوا رتنا کھول کر اس سے اس نے دونوں گھوڑوں کو باندھا۔ پہلے رتنا کو گھوڑے پر بٹھایا پھر خود سوار ہوا اور دونوں گھوڑوں کو انہوں نے دریا کی طوفانی موجوں میں ڈال دیا تھا۔

دریا کے دوسرے کنارے جا کر حماد نے رتنا کھول کر اسے لپیٹا۔ دوبارہ وہ گھوڑوں پر وار ہوتے اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ مغرب کی طرف تیزی سے سفر کرتے ہوئے اللام پہنچے وہاں سے ہسپتال، بغلان، مزار شریف میمانہ، تختہ بازار، سترس اور مشہد سے برتے ہوئے جنوب کی طرف مڑے اور نیشاپور کی طرف بڑھنے لگے تھے۔



عالم نور سٹ گیا تھا۔ دن کی ضیاء گسٹری تیز ہواؤں میں رکھے ہوئے مٹی کے دیے کی طرح بجھتی تھی۔ دن اپنے جشنِ طرب کے ساتھ غروب ہو گیا تھا۔ رات اپنے تمام حلقہ تراک اور خمارِ اطللس کے ساتھ نمودار ہوتی تھی اور اُجالے کا ہر نقش بدیع نکلنے چلی گئی تھی۔ حماد رتنا کے ساتھ اپنے گھر کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور حسن ان کے سامنے کھڑا تھا۔

حماد کو دیکھتے ہی حسن آگے بڑھا اور حماد سے پلٹتے ہوئے کہا آپ آگے آئی! پھر ایسے طراوت گھر کے اندر جانے ہوتے شور کرنے لگا۔ ماں! ماں! آئی! آگے ہیں۔ حماد درختنا جب صحن میں آئے تو حویلی کے اندر سے بوڑھا خلدون اور حادث بھاگتے ہوئے

یا پور کی ایک نواحی بسی میں ایک بے بس اور بے آسرا لڑکی بڑی بتیابی اور بے چینی
آپ کا انتظار کر رہی ہوگی۔ رتنا روپڑی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے پھر اس
ہکتے ہوئے کہا۔ میرے ماما پتا اور بھائی تک سب مارے گئے ہیں اگر میری چاہت
کے من میں تازہ رہی تو میں سمجھوں گی میں نے کچھ بھی نہیں کھویا۔

حماد آگے بڑھا اور رتنا کو اس کے دونوں شانوں سے پکڑتے ہوئے کہا۔ رتنا !
اتم رو رہی ہے میں نہیں کیونکر بھول سکتا ہوں۔ تم میری زندگی کی سحر اور میری کائنات
آسمان پر چمکتا ہوا ایک ستارہ ہو۔ جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہاری یادوں کو مجھ سے
میں نہیں سکتا۔ رتنا بے اختیار ہو کر آگے بڑھی اور عجیب سے وجد میں اس نے حماد
مکدھے پر اپنا سر رکھتے ہوئے کہا۔ اب مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ آپ جہاں کہیں بھی جائیں
یقین ہو گا کہ آپ میرے ہیں۔ اب میں آپ کو رخصت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔
بے دیوان خانے کی طرف چلیں۔ سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ رتنا نے حماد کا
راہ اٹھایا اور اس کے ساتھ ہوئی۔ دیوان خانے کی طرف جاتے ہوئے حماد نے رتنا
پوچھا۔ میری ماں کا سلوک تمہارے ساتھ کیسا رہا۔ رتنا کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی
خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا ان کا سلوک میرے ساتھ ایسا ہی رہا جیسے
لاکھو بیٹی کے ساتھ ایک ماں کا۔ ان کا پیار دیکھ کر میں اپنی ماما کی شفقت کو بھی
دل گئی ہوں۔

دیوان خانہ آگیا تھا اور دونوں خاموشی سے آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ وہاں
ملان، زبیب، حارث اور حسن بیٹھے شاید ان دونوں کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ کمرے
داخل ہوتے ہی حماد نے خلدون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ابی ! مجھے رخصت ہونے
اجازت دیجئے۔ خلدون کھڑا ہو گیا اور حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ حسن ! تم حماد کا گھوڑا
لاؤ حسن اٹھ کر باہر نکل گیا۔ خلدون نے حماد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے
آؤ بیٹے ! میرے ساتھ۔ خلدون حماد کو لیکر باہر آیا۔ زبیب، رتنا اور حارث ان
دل کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ رتنا نے زبیب کو سہارا دے رکھا تھا۔

دوسرے روز صبح کھانے کے بعد حماد غزنی کی طرف جانے کے لیے کوچ کی تیار
کر چکا تھا۔ حارث اور حسن دونوں نے مل کر اس کے گھوڑے کو کھریا کر کے اس
زین ڈال دی تھی۔ اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر حماد اپنی ماں کے پاس آیا۔ وہ باورچ
خانے میں رتنا کے ساتھ بائیں کر رہی تھی۔ حماد باورچی خانے میں آیا اور اپنا سر جھکا کر
ہوئے اس نے مدھم آواز میں کہا۔ مجھے رخصت ہونے کی اجازت دو ماں ! میں اپنا
تیاری مکمل کر چکا ہوں۔

زبیب اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی پھر باورچی خانے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے
کہا۔ تم رتنا کو لیکر دیوان خانے کی طرف آؤ میں حسن سے کہہ کر تمہارا گھوڑا منگواتی ہوں۔
تمہارے ابی بھی دیوان خانے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرے بیٹے ! رتنا مجھے اپنی پوری
داستان سنا چکی ہے مجھے تم پر فخر ہے کہ تم نے اس کے بھائی کی جان اور رتنا کی عزت
بچائی۔ میں جانتی ہوں تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کر چکے ہو۔ کاش تم کچھ روز بیہار
رہتے تو میں تم دونوں کی شادی کا انتظام کر دیتی۔

حماد نے کوئی جواب نہ دیا اس کی گردن جھکی رہی تھی۔ زبیب اپنی بسا کیسا ٹیکہ
ہوئی چلی گئی، رتنا کچھ دیر بڑی حیرت سے حماد کو دیکھتی رہی۔ پھر اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی
وہ مردہ سی آواز میں بولی۔ آپ کب تک لوٹ کر آئیں گے۔ حماد نے آہستہ آہستہ
اپنا سر اُپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ کچھ نہیں کہہ سکتا کب لوٹ سکوں گا۔ میں نہیں جانتا
سلطان مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے میں فوراً لوٹ آؤں اور یہ سب
ممکن ہے کہ کبھی لوٹ کر نہ آ سکوں۔ رتنا ٹوپ کر آگے بڑھی اور حماد کے منہ پر ہاتھ
رکھتے ہوئے اس نے رو دینے والی آواز میں کہا۔ اللہ آپ کو ہر کام میں سرفراز رکھے گا
میں راتوں کی تاریکی اور دن کے اجالوں میں آپ کی واپسی اور سلامتی کی دعا میں مانگ
رہوں گی۔ آپ جہاں کہیں بھی جائیں خدا کے واسطے یہ بات ضرور ذہن میں رکھئے کہ

کی فرجین میں ڈالتے ہوئے کہا۔ میرے بچے! اپنے باپ کی نصیحت پر عمل کرنا اور اس کا فرمان بجالانا۔ اب تو رخصت ہو۔ اللہ تجھے اپنی امان میں رکھیگا۔ حماد چپ چاپ آگے بڑھا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ رتنا کی حالت عجیب ہو گئی تھی پہلے اس کا چہرہ زردہ پھرا، غواغوی اور زعفرانی ہو کر رہ گیا۔ حماد کی جدائی کے خیال سے اس کے حواس پراگندہ اور خوبصورت مسکراتا چہرہ علیل و مریض ہو کر رہ گیا تھا۔

اپنا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے حماد نے جب اپنے گھوڑے کو اڑھ لگا دی تو حسین رتنا صحرا سے وحشت کی طرح اداس، بریدہ پرناختہ کی طرح غمگین، بے آب چشمہ جیسی افسردہ اور ٹوٹے ہوئے خواب کی دھجیوں کی مانند بکھر کر رہ گئی تھی۔ حماد اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا جب کوہستانی سلسلے کے اندر روپوش ہو گیا۔ تو سب مکان کے اندر چلے گئے۔ رتنا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے جنہیں اس نے منہ دوسری طرف کر کے پونچھ لیا اور زریب کو سہارا دیتی ہوئی حویلی کے اندر لے گئی تھی۔

خلدون حماد کو لیکر مکان سے باہر آیا۔ حسن حماد کا گھوڑا بھی وہاں لے آیا تھا۔ حماد نے آگے بڑھ کر خود حماد کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ حماد! حماد! میرے بیٹے! میں نہیں جانتا سلطان نے کس غرض سے تمہیں غزنی طلب کیا ہے۔ لیکن میرا دل کہہ رہا ہے قدرت کسی اہم کام کے لیے تمہارا انتخاب کر چکی ہے۔ یقیناً سلطان تمہیں اپنے لشکر میں شامل کرے گا۔

میرے بیٹے جب تو کسی حاکم کے سامنے بیٹھے تو خوب غور کر کہ تیری اپنی اذیت کیا ہے۔ میرے بچے! جب تو عبرت حاصل کرنا چاہے تو چیونٹی کے پاس جا اور اس کی روش دیکھ کہ کس طرح برسات اور سرما کے لیے وہ اپنی خورش و خوراک جمع کرتی۔ تو بھی اس جیسا دانشمند بن۔ بیٹے! گناہ سے رسوائی ہوتی ہے، عقل حیات کا گڑ ہے اور فروتنی عزت کی پیشوا ہے۔ راست رو اور مسکین کچر واد و دولت مند سے ہر ہے۔ سلامتی اور اتفاق کے ساتھ خشک نوالہ بہتر ہے نہ کہ گھر نعمت سے بھرا ہوا ہوا اس کے ساتھ جھگڑا بھی ہو اور — اور صاحب فہم پر ایک جھڑکی احمق پر — کوڑوں کے برابر کام کرتی ہے۔

اے میرے بیٹے! بے گناہ کا خون بہانے والے ہاتھ، برے منصوبے باندھنے والے دل شرارت کے لیے تیز رو پاؤں اور ایسے چھوٹے اور دودھ گوسے کٹا کر کرنا جو بھائیوں میں نفاق ڈالتا ہے۔ اے میرے نیک دل فرزند! چوری کا پانی پلٹ اور حرام کا لقمہ لذیذ لگتا ہے ان سے دور رہنا ہر اس کام سے بچنا جس میں خالق کی اہانت ہو۔ میرا رب تجھے شرارت و بدی سے بلند۔ مکروہ منصوبوں اور گھناؤنے مقاصد سے بعید اور دجل و قریب سے دور رکھے۔ میری دعا ہے تیری راہیں سلا ہوں۔ تیرا دل خوش اور روح شادمان ہو۔ اللہ تجھے میں جذبہ جہاد اور وحدت کی سامان پیدا کرے۔ تو نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر اپنے ماں باپ کی خدمت کی ہے اس کے صلے میں خداوند کائنات تجھے کامل شادمانی عطا کرے گا۔

خلدون جب خاموش ہوا تو زریب نے حماد کا زارہ رتنا سے لیکر اس کے گھوڑے

پاہی کو بلایا۔ سپاہی بھاگتا ہوا جب قطب الدین ایک کے قریب آیا تو قطب الدین نے ہمارے حماد بن خلدون ہیں۔ ان کا گھوڑا لے جا کر میرے گھوڑے کے تھان پر باندھ دو۔ در اس کے چاروں طرف کا انتظام بھی کرو۔

حماد کو لیکر اب قطب الدین آگے بڑھنے لگا تھا۔ تربیت گاہ کے دائیں جانب لاتے ہوئے سرخ چوڑے کے ایک خیمے کے سامنے قطب الدین رُک گیا۔ خیمے کے چاروں جانب محافظ نگہبانوں میں بے کھڑے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کا خیمہ تھا۔ قطب الدین آگے بڑھا اور حاجب سے کہا سلطان کو میرے آنے کی اطلاع کرو۔ انہیں کہنا ہندوستان سے نیشاپور کا شاہین حماد بن خلدون بھی آپ سے ملنے کے لیے خیمے سے باہر کھڑا ہے۔

حاجب اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اور قطب الدین سے کہا سلطان آپ دونوں کو اندر بلا رہے ہیں۔ دونوں اندر داخل ہوئے۔ سلطان اسی طرح ٹاٹ پر لیٹے ہوئے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اٹھ کر دونوں سے انہوں نے مصافحہ کیا اور ہر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے انہوں نے حماد سے کہا۔ ہندوستان سے اب الفتح لے لیا ہے۔ متعلق ہر پل کی خبریں دیتا رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ تم نے مجھے یں نہیں کیا۔ میں نے تم سے جو امیدیں وابستہ کی تھیں۔ تم ان پر پورے اثر سے تم نے منہ اسے ایک خان کو نکالا۔ قوم کی ایک بیٹی کو بکر کوٹ کے مندر سے لے آیا اور سب سے بڑھ کر تمہارے جس کردار نے مجھے سب سے زیادہ متاثر ہے۔ وہ راجہ پتھورہ کی بیٹی کا سو غیر جیتنا ہے۔ تم نے صرف ایک تیراٹھا کر لیتینا پتھورہ کو حیرت میں ڈال دیا اور پھر اس کی قید سے بھاگنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ دے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا مجھے افسوس ہے میں ایک خان کی حفاظت کر سکا۔ ورنہ میرے ساتھ آج وہ بھی آپ کے سامنے ہوتا۔ سلطان نے اس جاری آواز میں کہا۔ قوم کے اس فرزند کی قسمت میں یوں ہی رکھا تھا۔ تم اس کی لرزدہ کر سکتے تھے۔

ایک روز سہ پہر کے قریب حماد غزنی کے فوجی مستقر میں داخل ہو رہا تھا جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی لشکر کے خیمے نظر آتے تھے۔ اور اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ سلطان شہاب الدین اپنی شکست کا بدلہ لینے کی خاطر وسیع پیمانے پر جنگ کی تیاریاں شروع کر چکا ہے۔ خیموں کے وسط میں ایک وسیع میدان تھا جس کے اندر سوار اور پیدل لشکر جنگی تربیت میں مصروف تھے۔

حماد نے ایک سپاہی کو روک کر اس سے سلطان کے خیمے کے متعلق پوچھا اور دبا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ حماد نے ابھی تربیت گاہ کا آدھا حصہ دیکھا تھا کہ کسی نے اونچی آواز میں اسے پکارا۔ حماد اچھا۔ حماد نے دیکھا کہ قطب الدین ایک بڑے قدم اٹھاتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حماد گھوڑے سے اتر کر آگے بڑھ کر اس نے قطب الدین سے مصافحہ کرنا چاہا۔ قطب الدین ایک نے مکرانے ہوئے اس کے ہاتھ پیچھے ہٹا دیتے اور اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ خلدون کے بیٹے تم میرے سُن ہو کیا اپنے محسنوں سے یوں اجنبیوں کی طرح مصافحہ کیا جاتا ہے۔ جواب میں حماد مسکراتے ہوئے پر جوش طریق سے قطب الدین سے بغلیں ہو رہا تھا۔

دونوں جب علیحدہ ہوئے تو قطب الدین نے حماد کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا ہمارا تو سچیلے کئی روز سے آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ سلطان ہر روز پوچھتے ہیں۔ ہندوستان سے نیشاپور کا شاہین نہیں آیا۔ حماد کچھ کہنے والا تھا کہ قطب الدین نے اشارے سے ایک

سلطان سے مصافحہ کیا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔



حماد کو لے کر قطب الدین اپنے خیمے کے پاس آیا اور قریب ہی ایک دوسرے خیمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ خیمہ آپ کا ہے۔ اس وقت آپ میرے خیمے میں آئیے یہیں بیٹھ کر دونوں کھانا کھاتے ہیں۔ قطب نے ایک سپاہی کو کھانا لانے کے لیے کہا۔ اور حماد کو وہ خیمے کے اندر لے گیا۔ خیمے میں بیٹھتے ہوئے قطب الدین نے حماد سے کہا یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ سلطان نے آپ کو اس قدر اہم فرائض سپرد کیے ہیں ورنہ سلطان کی عادت ہے کہ وہ نئے شخص پر اس قدر بھروسہ نہیں کرتے۔ آپ نے متعلق انہوں نے اندھے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

حماد نے بڑی عاجزی سے کہا۔ میں سمجھتا ہوں میں اس قابل نہ تھا جس قدر سلطان نے مجھے اہمیت دے دی ہے۔ میں تو نیشاپور میں چونے کی بھٹیوں پر کام کرنے والا معمولی حمال تھا۔ سلطان نے مجھے متحدہ افغانیہ کا سالار بنا کر زمین سے آسمان کی طرف اٹھا دیا ہے۔

قطب الدین نے حماد کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ آپ کو اپنی کم مائیگی کا اس ثروت سے احساس کیوں ہے۔ ہر نو نہال نیچے سے اُپر کی طرف جاتا ہے۔ اس معاملے میں میرے حالات آپ سے بھی زیادہ تلخ اور تکلیف دہ ہیں۔ سینے میں ابھی چھوٹا سا ثقاہت ایک سوداگر مجھے ترکستان سے اٹھا کر نیشاپور لے آیا اور مجھے شہر کے قاضی فخر الدین ابن عبد العزیز کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ قاضی امام ابو حنیفہ کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے مجھے غلام بنا کر نہ رکھا بلکہ ہمیشہ مجھے اپنا بیٹا جانا اور اپنے بیٹوں کے ساتھ ساتھ میری تربیت بھی بڑی محنت سے کی اور ان کے پاس رہتے ہوئے مجھے مذہبی علوم، نظم الخط اور ادب میں خوب مہارت حاصل ہو گئی۔

لیکن میری بد قسمتی ابھی میرے ساتھ تھی۔ جب قاضی فخر الدین فوت ہو گئے

ماحول کچھ بوجھل سا ہو گیا تھا۔ چند لحوں تک چڑھے کے اس شاہی خیمے میں جاؤں گی۔ ہی پھر سلطان نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جانتے ہو میں نے تمہیں ہندوستان سے کیوں طلب کر لیا ہے۔ سنو! اترا تن کے میدان میں شکست کھانے کے بعد ہم نے ہندوستان کے راجاؤں کی قوت کا اندازہ لگالیا ہے۔ اب ہندوستان میں تمہاری کوئی ضرورت نہ رہتی۔ ہماری شکست کا سب سے بڑا سبب ہندوستانی لشکروں کے ہاتھی تھے جنہوں نے ہمارے لشکر میں کھرام مچا دیا۔ اس کے علاوہ ہمارے کچھ جرنیلوں نے بھی کم ہمتی کا ثبوت دیا۔ میں بہت جلد اس کا شکست کے داغ دھوڑا لٹا چاہتا ہوں۔ میں نہیں مقدمہ الجیش کا سالار مقرر کرتا ہوں۔ تمہارے ماتحت چالیس ہزار سوار ہوں گے آنے والی جنگ میں قلب میرے اپنے پاس مہمنہ قطب الدین کی کمزاری میں ہوگا اور میسرہ پر میں اپنے ایک اور جرنیل کو مقرر کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔

جنگ کی تیاری پر میں صرف چند ماہ گزارنا چاہتا ہوں۔ تم ہر اول دستوں کو ایسی تربیت دو کہ وہ ہاتھیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اگر تم ہندوستانی لشکروں کے ہاتھی منبھالنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم اپنے دشمنوں کو ایسی شکست دیں گے جس کا وہ گمان بھی نہ کر سکیں۔ حماد نے چھاتی تانے ہوئے ایک عزم کے ساتھ کہا۔ میرے آقا! آپ مجھ پر اعتماد رکھیں میں جنگ میں آپ کو بالوں نہ کروں گا۔ ہندو راجاؤں کے ہاتھی انشاء اللہ کعبہ پرچم کرنے والے ابرہہ کے ہاتھی ثابت ہوں گے اور ہم انہیں ایسا بھگا دیں گے کہ وہ اپنے ہی لشکر کے لیے نقصان دہ ثابت ہوں گے۔

سلطان نے پھر بولتے ہوئے کہا۔ ہمارے پاس یہاں غزنی میں کچھ ہاتھی ہیں جن کے ساتھ تم اپنے ہر اول دستوں کو تربیت دے سکتے ہو۔ قطب الدین تمہیں ہر ضرورت کی چیزیں دیا کر چکا اس کے علاوہ میں خود بھی تم پر لگا رکھوں گا۔ اب تم جا کر آرام کرو اور کل سے اپنا کام شروع کر دو۔ میں چند روز بعد ہی تمہاری کارکردگی کا جائزہ لوں گا۔ قطب الدین تمہارے آنے سے قبل ہی تمہاری رہائش کا بندوبست کر چکا ہے اسے تم سے غایت درجہ عقیدت ہے شاید اس لیے تم اہل کے محسن ہو۔ حماد اور قطب الدین اٹھے

توان کے بیٹوں نے مجھے ایک سوداگر کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس سوداگر نے مجھے تحفے کے طور پر سلطان شہاب الدین کے سامنے پیش کیا۔ سلطان نے اس سوداگر کو میرے معاوضے میں ایک بھاری رقم دی۔ اس طرح میں سلطان کے زیر سایہ آگیا۔ میری چونکہ ایک چھوٹی انگلی ٹوٹی ہوئی ہے لہذا سلطان کے سب درباری مجھے ایک کہہ کر پکارنے لگے اور قطب الدین کی نسبت میں ایک کے نام سے زیادہ مشہور ہو گیا۔ یہاں میں نے اس قدر محنت سے سلطان کی خدمت کی کہ تم دیکھ رہے ہو آج میں سلطان کے ہر درباری جرنیلوں میں ایک ہوں۔

حماد جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ دو سپاہی ان کا کھانا اٹھاتے خیمے میں داخل ہوئے اور پھر وہ دونوں آٹے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

دو سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے غزنی کے فوجی مستقر میں داخل ہوئے تھے۔ وہ لشکر کے چھ مہسره کے خیموں کی طرف آئے۔ وہاں آکر انہوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار کم کر لی تھی۔ پھر وہ ایک خیمے کے سامنے اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ وہ دونوں حادث اور حسن تھے۔ دونوں نے اپنے گھوڑوں کو خیمے کی طنابوں کے ساتھ باندھ دیا اور اس خیمے میں داخل ہوئے۔ خیمے کے اندر چند جوان کہیں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حادث اور حسن کو دیکھتے ہی وہ ان کی طرف بڑھ کر ایک دوسرے سے بغلیں ہوتے لگے تھے۔

وہ خیمہ حادث اور حسن کا تھا اور دونوں مہسره کے لشکر میں شامل تھے۔ حادث نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ایک گھڑی خیمے کے ایک کونے میں رکھتے ہوئے خیمے کے اندر پہلے سے موجود جوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ تم لوگ کہاں جانے کی تیاری کر رہے ہو۔ ان میں سے ایک حادث سے قریب ہوتا ہوا بولا۔ ہم سب تربیت گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ کئی روز ہوتے سلطان نے ایک نئے جرنیل کو اپنے ہرادل

دستوں کا سالار مقرر کیا تھا۔ جنگ کی صورت میں اس کے ذمہ اپنے لشکر کو ہندوستانی ہاتھوں سے محفوظ کرنا تھا۔ آج وہ اپنے فن کا عملی مظاہرہ کرے گا۔ اس نے دن رات ایک کر کے کچھ جوانوں کو تیار کیا ہے جو اس کے ساتھ کام کر سکیں۔ تم دونوں بھاتی بھی ہمارے ساتھ چلو۔ آج لشکر کا ہر سپاہی وہاں جمع ہوگا۔ سلطان بذات خود اپنے سارے جرنیلوں کے ساتھ اس مشق کو دیکھنے آئیں گے۔ جب وہ سب جوان باہر جانے لگے تو حادث اور حسن بھی ان کے ساتھ ہوئے۔

لشکر کے سپاہیوں اور غزنی شہر کے لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو اس فوجی مستقر کی تربیت گاہ میں جمع ہو گیا تھا۔ لوگ ریڑھیاں اٹھا اٹھا کر اس شہ نشین کی طرف دیکھ رہے جو ابھی خالی پڑی تھی اور جس پر سلطان شہاب الدین نے آکر بیٹھنا تھا۔ شہ نشین کے دائیں طرف میدان کے اندر دس ہاتھی کھڑے جھوم رہے تھے۔ ان پر ہوج و عاریاں کھسی ہوتی تھیں اور ان کے ہادت ان کے پاس منتظر کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر بعد اپنے محافظ دستے کے ساتھ سلطان نمودار ہوئے اور شہ نشین پر آکر بیٹھ گئے۔ ان کے ساتھ قطب الدین اور حماد کے علاوہ کچھ اور جرنیل بھی تھے۔ وہ سب سلطان کے پیچھے شہ نشین پر اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے۔ حماد اٹھ کر سلطان کے پاس آیا ان کے سامنے جھک کر مشق شروع کرنے کی اجازت طلب کی۔ سلطان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا حماد نے شہ نشین سے نیچے اتر کر اپنی جیب کے اندر سے سفید رومال نکال کر فضا میں لہرایا اور تیس سوار ایک عجیب سے وقار کے ساتھ اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے میدان میں داخل ہوئے تھے۔

حماد نے ایک بار پھر اپنا رومال فضا میں لہرایا۔ تیس اور جوان جو پیدل میدان کے اندر آئے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک لائن میں کھڑے ہو گئے۔ حماد کا ہاتھ ایک بار پھر سوا میں اٹھا اور اس کے ساتھ ہی تیس گھوڑ سواروں نے اپنے گھوڑوں کو اڑھ لگا کر اس طرف سرپٹ دوڑا دیا تھا جہاں وہ تیس پیدل ایک لائن باندھے کھڑے تھے۔ سب سوار قریب آکر جھکے اپنا اپنا دایاں بازو پھیلا دیا اور میدان میں

کھڑے ان تیس جوانوں میں سے ایک ایک کو اچک کر اپنے گھوڑوں پر سوار کیا اور آگے بڑھ گئے۔

اب دو سپاہی میدان میں اترے ان میں سے ایک نے حماد کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی۔ حماد ان کے قریب آیا اپنا گھوڑا لیکر اس پر سوار ہوا اور اس جگہ جا کھڑا ہوا جہاں وہ تیس سوار کھڑے تھے گھوڑا لانے والے دونوں جوان اپنے درمیان اس قدر فاصلہ رکھتے ہوئے وہیں کھڑے ہو گئے تھے کہ ان دونوں کے درمیان سے بھاگتا ہوا گھوڑا گزر جاتے۔ حماد اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا رکھے تھے ان دونوں جوانوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے حماد نے اپنے دونوں ہاتھوں میں ان دونوں کو اچک کر ایک کو اپنے سامنے اور ایک کو اپنے پیچھے بٹھالیا تھا یہاں میں کھڑے لوگ زور زور سے حماد کے حق میں تحسین آمیز آوازیں مگانے لگے تھے۔

شہ نشین کے داییں طرف ہاتھیوں کی قطار کے پیچھے حادثہ اور حسن بھی کھڑے تھے اور دونوں بھائی اپنے عمامے فضا میں لہرا لہرا کر حماد کی کارگزاری پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ دونوں بھائیوں کے قریب ہی کھڑے ایک سپاہی نے حماد کی تعریف کرتے ہوئے کہا: کسی اچھے اور بہادر ماں باپ کا کیسا شیر دل بیٹا ہے کاش تیرا تین کی جنگ ہو جو ہم نے لڑی یہ ہمارے مقتدر العیش کا سالار ہوتا۔ حسن نے فخر پر چھاتی تاننتے ہوئے کہا: وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ اس سپاہی نے حادثہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزاً کہا: تمہارا بڑا بھائی تو یہ ہے جس نے مسکراتے ہوئے کہا: وہ ہم دونوں سے بڑے ہیں ان کا نام حماد بن خلدون تھا۔

وہ سپاہی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن خاموش رہا کیونکہ مہادت ہاتھیوں کو حرکت پر لاتے تھے اور وہ تیس سوار پھر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر میدان میں آگئے تھے۔ پہلے ایک ہاتھی کو آگے بڑھایا گیا۔ حماد اپنے دو اور ہاتھیوں کے ساتھ اس ہاتھی کے ساتھ آیا۔ تینوں کے ہاتھوں میں میانوں میں ڈھکی ہوئی تلواریں تھیں۔ مہادت نے رخصت ہوتے ہاتھی کو آگے بڑھا کر ان تینوں پر حملہ کرنے کا اشارہ کیا۔ حماد اور اس کے دونوں

تھی ایک تھکون بنا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ درمیان میں حماد اور اس کے دونوں ساتھی کے داییں بائیں تھے۔ ہاتھی سیدھا آ کر حماد پر حملہ آور ہوا۔ حماد نے اس کی سونڈ سے آگے ڈھال کر دی جو نہی ہاتھی نے حماد سے ڈھال چھین لینا چاہی اس کے دونوں ہاتھیوں نے میان پر چڑھی تلواریں فوراً فضا میں لہرا لہرا کر ہاتھی کی سونڈ سے ٹکرا دیں جو ان بات کا اشارہ تھا کہ ہم نے ہاتھی کی سونڈ کاٹ دی ہے۔ سیدھا یا ہوا ہاتھی حماد بفضان پہنچا تے بغیر مہادت کے اشارے پر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد میدان میں کھڑے دوسرے گھوڑ سواروں نے بھی باقی ہاتھیوں کے حملوں کو روکنے کا ایسا ہی مظاہرہ کیا تھا۔

ہاتھی میدان سے باہر نکل گئے۔ سلطان اور ان کے ساتھ بیٹھا ہوا قطب الدین دونوں کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے اشارے سے حماد کو اپنی طرف بلایا اور حماد اپنی ہری زقار سے بھاگتا ہوا شہ نشین کے نیچے سلطان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ سلطان نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تم نے اپنی تربیت کا جو مظاہرہ کیا ہے میں اس سے مطمئن ہوں کیا جنگ کی صورت میں تمہارے یہ تربیت یافتہ جوان دشمن کے ہاتھیوں پر قابو پالیں گے۔

حماد نے بڑے اعتماد سے کہا: ایک ہاتھی کے لیے تین تین جوانوں کو تربیت دی جا رہی ہے۔ ایک جوان بالکل ہاتھی کے سامنے رہے گا، تاکہ ہاتھی اس پر حملہ کرے اور اس پر حملہ کرنے سے قبل ہی داییں بائیں کے دونوں جوان ہاتھی کی سونڈ کاٹ دیں گے۔ یوں تو ایک ہاتھی کے لیے دو جوان ہی کافی ہوتے تین اس لیے رکھے گئے ہیں کہ اگر ایک جوان کا وار خالی جاتے یا ہاتھی کا مہادت اس سے الجھ پڑے تو دوسرا جوان ہاتھی کی سونڈ کاٹنے میں کامیاب ہو جائے۔

سلطان نے قطب الدین کے ساتھ شہ نشین سے نیچے اترتے ہوئے کہا: مجھے تمہاری اس تربیت پر اطمینان ہے۔ اپنے سارے ہر اول دستوں کو ایسی

یہ کھانے کی کچھ چیزیں بھی بھیجی ہیں وہ ہم اپنے خیمے میں رکھ آتے ہیں کیا میں
ابھی جا کر لے آؤ۔ حماد نے اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ بعد
میں لے آنا۔ پہلے میرے خیمے میں چلو۔ تینوں بھائی اکٹھے کھانا کھاتے ہیں جن خاموش
ہو گیا اور حماد دونوں بھائیوں کو اپنے خیمے کی طرف لے جا رہا تھا۔

ہی تربیت دو۔ سلطان اپنے محافظ دستے کے ساتھ چلے گئے۔ حماد اپنے گھوڑے
کے پاس آکر سوار ہونے لگا تو کسی نے پشت کی طرف سے اسے پکارا۔ انخی! انخی!
گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے حماد رگ گیا اور جب اس نے مڑ کر
دیکھا تو وہاں حادثہ اور حسن کھڑے تھے۔ حماد بے پناہ مسترت کا اظہار کرتے
ہوتے مڑا اور دونوں بھائیوں کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ تم دونوں کب آئے
ہو۔ حسن نے بڑے پیار سے کہا۔ ہم ابھی ابھی آتے ہیں انخی! اور آتے ہی
آپ کی اس تربیت گاہ کی طرف چلے آئے ہیں۔ تم دونوں کے گھوڑے کہاں ہیں
وہ تو ہم اپنے تھکان پر باندھ آئے ہیں۔

حماد نے انہیں ایک طرف لیجاتے ہوئے پوچھا۔ ابو اور ماں کیسے ہیں
حادثہ کہنے لگا تھا کہ حسن پہلے بول پڑا۔ دونوں تندرست اور سلامت ہیں اور
ہاں انخی! میرے پاس آپ کے نام رتنا بہن کا خط بھی ہے۔ حادثہ نے
درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ انخی! رتنا بہن نے خط مجھے دیا تھا لیکن اس شہر
نے راستے میں مجھے دھوکا دیکر خط مجھ سے لے لیا اور کہنے لگا۔ میں خود انخی
کو خط دوں گا۔ حماد نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ اس نے خط راستے
میں پڑھ بھی لیا ہو گا۔

حسن فوراً سنجیدہ ہو گیا اور رقت آمیز آواز میں اس نے کہا۔ یہ کیونکر
ہو سکتا ہے انخی! میں آپ اور حادثہ بھائی سے مذاق ضرور کر سکتا ہوں۔ پر
اپنی عزیز بہن کا وہ خط کیسے پڑھ سکتا ہوں جو میرے بڑے اور عزیز ترین بھائی
کے نام ہے۔ حماد کھل سا گیا۔ آگے بڑھ کر اس نے حسن کی پیشانی چومتے ہوئے
کہا میں نے تو ازراہ مذاق پوچھا تھا۔ تم سنجیدہ کیوں ہو گئے۔ خدا کی قسم تم یہ خط پڑھ کر
پھاڑ دیتے تبھی مجھے تم سے کوئی شکوہ نہ ہوتا۔ پھر حماد نے حسن سے رتنا کا خط لے لیا۔
اور دونوں بھائیوں کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ چلو آؤ میرے ساتھ چلو جن نے
حماد کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ انخی! امی اور رتنا بہن نے آپ کے

جنگی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد ایک لاکھ ستر ہزار سپاہیوں کا لشکر لیکر غزنی سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ طوفانی بلیغ کی طرح وہ کوہستان سلیمان کی گردگاہوں میں سے ہوتا ہوا ملتان پہنچا اور قیام کیے بغیر برق کی مانند لاہور روانہ ہو گیا۔

لاہور میں سلطان نے قیام کیا اور اپنے لشکر کے ایک بزرگ رکن الدین حمزہ کو اجیر روانہ کیا تاکہ جنگ شروع کرنے سے پہلے راجہ راتے پتھور کو اسلام کی دعوت دی جاتے۔ رکن الدین حمزہ نے اجیر پہنچ کر جب راجہ راتے پتھور کو اسلام کی دعوت دی تو راجہ نے اسلام، مسلمانوں اور سلطان کا ناشائستہ الفاظ میں مذاق اڑایا اور رکن الدین حمزہ کو اجیر سے نکال دیا۔ واپس آکر انہوں نے راجہ کے الفاظ سلطان سے کہے تو سلطان کی حالت غیر ہو گئی۔ اس نے کہا میں اپنی بے عزتی برداشت کر سکتا ہوں پر اپنے دین کی بے حرمتی میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ لہذا اس نے راتے پتھور کو اس کی سزا دینے کی قسم کھالی۔

ہندوستان کے سارے راجہ جن کی تعداد تک گنی نہ جاسکتی تھی۔ اجیر کے راجہ پتھور اور اس کے بھائی دہلی کے راجہ کھنڈے راتے کے پاس جمع ہو گئے۔ متفقہ فیصلہ سے راتے پتھور کو اس متحدہ لشکر کا سالار اعظم تسلیم کیا گیا جس کی تعداد تین لاکھ سے بھی زیادہ تھی اور اس کے علاوہ لشکر میں تین ہزار خوشنوا اور جنگی تربیت رکھنے والے ہاتھی بھی شامل تھے۔ اس متحدہ لشکر نے ترائن کے میدان کی طرح کوچ کیا سلطان شہاب الدین بھی لاہور سے کوچ کر کے ترائن کے میدان میں خیمہ زن ہو گیا۔ ہندوستان کے راجہ چونکہ ایک بار سلطان شہاب الدین کو شکست دے چکے تھے لہذا ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ جنگ سے پہلے شہاب الدین خودی کو ایک ہدایت نامہ بھیجا جائے۔ انہوں نے ایک سفیر تیار کیا اور سلطان کو لکھا۔ ہم ہندو راجاؤں کے لشکروں کی کیفیت تو تمہیں معلوم ہی ہو گئی ہوگی اور یہ لشکر تمہاری مٹھی بھر سپاہ کو برباد کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس کے علاوہ ابھی مختلف اطراف سے ہمارے لیے افواج آ رہی ہیں جن کے قدموں سے زمین کا

سلطان شہاب الدین نے ترائن کی پہلی جنگ کے نقصانات کو بڑی تیزی سے پورا کر لیا تھا۔ ان عناصر کا بھی اس نے قلع قمع کر دیا تھا جو اس کی شکست کا باعث بنے تھے۔ وہ جرنیل جو عین گھسان کی جنگ میں اسے اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ انہیں اس نے سخت اور کڑی سزا دی۔ اس نے تو بروں میں کچے جو بھر کر ان جرنیلوں کی گردنوں سے لٹکا دیئے اور اس حالت میں انہیں سارے شہر میں پھرایا۔ اس کے علاوہ اس نے سختی سے حکم دیا کہ جو جرنیل اپنے تو برے کے جو نہ کھاتے اسے قتل کر دیا جاتے۔ ان جرنیلوں نے اپنی جان کی سلامتی کو عزیز نہ رکھتے ہوئے تو بروں کے کچے جو کھالیے اور سلطان سے معافی مانگ کر عہد کیا کہ وہ جانفشانی و استقامت کا مظاہرہ کریں گے سلطان اب بھی انہیں معاف کرنے کو تیار نہ تھا لیکن اپنے ایک بوڑھے اور محرم امیر کی سفارش پر اس نے ان جرنیلوں کو معاف کرتے ہوئے ان کی طرف سے اپنا دل صاف کر لیا۔ سلطان لگاتار دس ماہ تک جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔ لشکر کی تعداد بڑھا کر وہ سپاہیوں کو جنگی تربیت دیتا رہا۔ اس سلسلے میں اس کے بڑے بھائی عین الدین نے بھی اس کی کافی مدد کی یہ بارغیس کا حکمران تھا اور سلطان اسے اپنا حاکم اعلیٰ سمجھتا تھا۔ ترائن کی شکست کا سلطان نے اس قدر اثر لیا تھا کہ اس نے چین اور آرام اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

۵۵ھ میں ترائن کی شکست کے ایک سال بعد سلطان شہاب الدین اپنی

قابلہ کرے گا اور ہاتھیوں کو لگانے لگانے کے بعد جب سلطان کی طرف سے
 اطلاع ملے گی تو وہ پیچھے ہٹ جائے گا۔ اس کے بعد سلطان خود قلب لشکر کے ساتھ
 میدان میں اترے گا اور اس کے بعد قطب الدین اپنے مہینہ کے ساتھ اور ترک بنیل
 سین خرمیل اپنے میسرہ کے ساتھ بادی بادی دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ دیر ایک
 بہترین فیصلہ تھا جو سلطان نے کیا تھا اس طرح وہ اپنے لشکر کے چاروں حصوں کو
 بادی بادی لڑانا چاہتا تھا کہ اس کے سپاہی تازہ دم رہیں اور دشمن کا سرا
 لشکر جنگ میں جھٹ لیکر تھکاوٹ کا شکار ہو جائے۔

دوسرے روز دونوں لشکر ترائن کے وسیع میدان میں ایک دوسرے سامنے
 صف آرا ہوئے۔ ہندوؤں کے لشکر کے سامنے تین ہزار ہاتھی صفیں باندھے
 گئے تھے جن پر بہترین لڑاکے اور تلوار کے ماہر جنگجو سوار تھے۔ مسلمانوں کے لشکر
 میں سب سے آگے ہمارا چالیس ہزار کا مقدمہ الجیش تھا۔ اس سے بالکل پیچھے
 سلطان اپنے قلب کے ساتھ دائیں طرف قطب الدین مہینہ اور بائیں طرف
 غریب اپنے میسرہ کے ساتھ صفیں باندھے کھڑے تھے۔ دونوں لشکروں میں
 اپنے اپنے سپاہیوں کو جو دشمن کے سامنے کے لیے جنگ کے طبل اور دھنیں بجاتے تھے
 دھن دھن کی طبل بجا رہے تھے۔ کیونکہ ہندو لشکر کی طرف سے ایک جوان اپنا
 ٹھوڑا دوڑاتا ہوا میدان کے وسط میں آیا اور اسلامی لشکر کی طرف ٹہر کر کے
 اس کے مقابلے کے لیے لڑکارا۔ دونوں لشکر دایہ رخاموشی طامی ہو گئی تھی اس
 لیے کہ انفرادی جنگ کا آغاز ہونے لگا تھا۔ اسلامی لشکر میں چونکہ سب سے آگے
 ہمارا اپنے مقدمہ الجیش کے ساتھ تھا۔ اس موقع پر جب سلطان پیچھے تھا اجازت
 لینے کا سوال ہی نہ اٹھتا تھا۔ لہذا حماد خود اپنے گھوڑے کو سر پیٹ دوڑاتا ہوا،
 میدان میں اتر گیا۔ مقدمہ الجیش کے کئی جانناز سپاہی اس کے منتظر تھے کہ
 حماد ان میں سے کسی ایک کو میدان میں اترنے کی اجازت دے گا لیکن ان سب
 کو ایسی ہوتی تھی کیونکہ حماد خود میدان میں اتر چکا تھا۔

مہینہ کانپ رہا ہے۔ اگر تمہیں جان عزیز ہے تو اپنے سپاہیوں کی غربت پر رحم کھاؤ تو تم
 تم سے کسی قسم کا تعزیر نہ کریں گے اور تمہارا راستہ نہ دوکیں گے۔ اور تم پر رحم کھا کر تمہیں
 واپس جانے کی اجازت دے دیں گے۔ ورنہ یاد رکھو کل صبح ہمارے تین ہزار ہاتھی
 اور ان گنت افواج میدان جنگ کو حشر کا نمونہ بنا دیں گے اور تمہیں شکست کھا کر
 ذلت و رسوائی کے ساتھ یہاں سے بھاگنا پڑے گا۔

ہندو راجاؤں کا خیال تھا کہ سلطان شہاب الدین ان کی دھمکی سے مرعوب ہر
 کر لوٹ جائے گا اور اس طرح وہ جنگ سے بچ جائیں گے۔ لیکن سلطان نے
 ان کی امیدوں کے خلاف جواب دیا اور اس طرح دونوں جانب جنگ کی تیاریاں شروع
 ہو گئی تھیں۔ ہندو راجا اس جنگ کو اب ایک مقدس اور مذہبی جنگ سمجھ کر لڑنے کا
 عہدہ کر چکے تھے اس لیے کہ شہاب الدین انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے
 چکا تھا۔

دریا سے سرسوتی کے کنارے ترائن کے میدان میں دونوں لشکر ایک دوسرے
 کے سامنے خیمہ زن ہو چکے تھے۔ ہندو لشکر کی تعداد اب تین لاکھ سے بڑھ کر بہت
 زیادہ ہو گئی تھی اور ابھی تک ہندوستان کے اطراف و اکناف سے ان گنت مذہبی
 جنوینے، سوار اور جنگ کے ماہر کشتی جوق در جوق اس لشکر میں شامل ہونے کو
 آرہے تھے۔ لہذا ہندوؤں کے لشکر کو ایک اعتماد اور حوصلہ تھا کیونکہ ہندوستان کے
 چاروں طرف سے انہیں کمک اور رسد کا سامان خود بخود مل رہا تھا۔

ایک دن اور رات دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے خیمہ زن ہو
 کر آرام کیا اسی رات سلطان نے اپنے تمام جرنیلوں کے ساتھ مجلس شوریٰ منعقد کی اور
 یہ طے پایا کہ چونکہ ہندو سب سے پہلے ہاتھیوں کو آگے لائیں گے لہذا اسلامی لشکر کئی
 طرف سے سب سے پہلے حماد اپنے چالیس ہزار مقدمہ الجیش کے ساتھ دشمن کا

نادکے قریب آیا اور بڑی عاجزی سے کہا۔ یا امیر! مجھے اجازت دیجئے کہ میں میدان میں
لہنے والے دشمن کے اس سورا پر یثابت کر دوں کہ مراکش سے لاہور تک پھیلے ہوئے
لہان ادنگھ نہیں رہے جاگ رہے ہیں۔ یا امیر قسم ہے مجھے اپنے رب کی جلالت و
علت کی میں آپ کو بالوں نہ کروں گا۔ حماد نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا
وردہ ترک اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگاتا ہوا میدان میں اترنے لگا تھا۔

وہ ترک جب میدان کے وسط میں اس ہندو کے قریب گیا۔ تو اس ہندو جوان نے
پنے گھوڑے کو ایڑھ لگا کر ترک کی طرف پوری رفتار سے بھگایا۔ وہ چاہتا تھا کہ میدان
ن اترتے ہوئے ترک پر اس تیزی اور برق رفتاری سے حملے کرے کہ وہ بوکھلا جائے
دیزادہ دیر تک اس کے سامنے جم نہ سکے لیکن ترک بھی اپنی جگہ چالاک اور تیز فہم ثابت
دادہ ناؤ گیا تھا کہ اس کے دشمن کے کیا ارادے ہیں۔ اس نے اپنی تلوار فوراً نیام میں کر لی۔
دگھوڑے کی زمین سے لٹکتے ہوئے اپنے نیزے پر گرفت مضبوط کر لی تھی۔ جو ہی وہ ہندو
ان قریب آیا اور ترک نے یہ اندازہ لگالیا کہ عنقریب وہ اس کے نیزے کی مار میں آنے
الاسے تو پلک جھپکنے میں اس نے اپنا نیزہ کھینچا اور اپنا گھوڑا سر پٹ دوڑا کر آنے
لے اس دشمن کے سامنے اپنا نیزہ کر دیا۔ تیزانی اور لمبی ننان کا نیزہ اس ہندو جوان کی نڈہ
بھاڑ کر اس کے پیٹ میں گھس گیا۔ ترک کو اپنی طاقت کا کوئی استعمال نہ کرنا پڑا تھا کیونکہ
ہو ان ایسی رفتار سے اپنا گھوڑا بھگاتے آ رہا تھا کہ اس ترک کا مضبوطی کے ساتھ نیزہ
مانے کر دینا ہی کافی ثابت ہوا اور نیزہ گھوڑے کی تیز رفتاری کے زور پر برسی اس کے
یٹ میں اتر گیا تھا۔

ترک نے فوراً اپنی ڈھال زمین سے ٹکادی۔ اپنا باباں ہاتھ بھی وہ اپنے نیزے
لے گیا اور پھر اس نے زور لگا کر اس ہندو سوار کو فضا کے اندر بلند کر دیا تھا۔ تھوڑی
دیر تک وہ اسے فضا میں اٹھاتے ادھر اُدھر گھماتا رہا پھر اس نے اسے بری طرح زمین
پر پٹ دیا۔ ساتھ ہی وہ جھٹ لگا کر گھوڑے سے اترا۔ اپنی تلوار کھینچا اور اپنے دشمن
ماروں کاٹ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور واپس لوٹ گیا۔

اس ہندو سوار کے پاس جا کر حماد نے اپنی ڈھال اپنے سامنے کر لی اور تلوار
فضا میں لہراتے ہوئے اس نے اس سورا سے کہا اپنا نام نسب کہو کہ میں جان سکوں
میرے مقابلے پر کون ہے۔ اس نے کمر ہمت آمیز آواز میں کہا۔ تمہارے لیے اس
قدر ہی کافی ہے کہ میں اجیر کے مہاراجہ دے پتھوڑا کی افواج کا نائب سالار ہوں تم
نسب بھی کہو۔ حماد نے اپنا گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ چند لمحوں کے مہمان اور ہر
کے منتظر جوان سوار میں سلطان کے مقدمہ الحیش کا سالار اعلیٰ ہوں۔ کاش تمہارا دل
پتھوڑا خود میرے مقابلے پر آتا تو میں اسے بتانا کہ میں کون ہوں۔ اس ہندو سوار نے
دانت پیستے ہوئے کہا۔ خاموش رہ تو بیچ ہو کر یہ امید کرتا ہے کہ ایک راجہ تیرے مقابلے
پر آتے پھر اس نے اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا اور کسی پتھر سے ہونے پاگل ریچھ کی
وہ حماد پر حملہ آور ہو گیا۔

حماد گھوڑے کو ایڑھ لگا کر فوراً اپنی جگہ چھوڑ گیا اور اس کا وار خالی نکل گیا۔ اب
نے بھی اپنے گھوڑے کو بڑھایا اور حملہ آور ہوا۔ فضا کے اندر ایک بار دونوں کی تلوار
اور ڈھالیں۔ اس قدر شدت سے ٹکرائی تھیں کہ ان کی آواز دونوں لشکروں کو سنائی دے
تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر برق رفتاری سے حملہ آور ہونے لگے تھے۔
حماد نے اپنے گھوڑے کو پیچھے ہٹایا۔ اپنے گھوڑے کو اس کے گرد ایک چکر
اور پھر اس نے اپنے گھوڑے کو ایسی سخت مہمیز لگائی کہ گھوڑا بری طرح ہنستا ہوا حملہ
کے انداز میں دشمن کے گھوڑے کی طرف بھاگا۔ دونوں گھوڑے بری طرح آپس میں
اور اسی ٹکرائو کے دوران ہی حماد نے حملہ کر دیا۔ اس ہندو سوار نے وار روکنے کی کوشش
کی لیکن ناکام رہا اور حماد کی تلوار اسے اس کے لوہے سمیت کاٹتی ہوئی نشانے
پیلیوں تک اترتی چلی گئی تھی۔ میدان کے اندر ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی اور وہ ہنا
جوان زمین پر گر کر دم توڑ گیا۔ حماد واپس لوٹ کر اپنے لشکر کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔
میدان کے اندر ایک اور ہندو سوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا وہ بڑا چاک و چون
اور تیز طرار لگ رہا تھا۔ مقدمہ الحیش کے اندر سے ایک ترک سوار اپنا گھوڑا دوڑا

اور واپس اپنے لشکر کی طرف بھاگا۔ افغان مسلمان نے فوراً اپنے ترکش سے تیر نکال کر چلا پرچہ بھایا اور مہادت کا نشانہ لیتے ہوئے کہا تو ہمارے ساتھ مقابلہ کرنے آیا تھا۔ تیر اس طرح ہم سے کچھ کر نکل جانا ہم تینوں مسلمان بھائیوں کی بے عزتی اور بے حرمتی ہے اس کے ساتھ ہی اس افغان نے تیر چلا دیا جو مہادت کی پشت پر لگا اور وہ دہرا ہو کر زمین پر گر گیا۔ وہ تینوں بھاگتے ہوئے اس کے پاس آئے اور ترک نے زخمی مہادت کی ٹانگ پر ٹھوکر مارتے ہوئے پوچھا۔ تم تو ہم سے مقابلہ کرنے آئے تھے۔ جان بچا کر واپس کیوں جا گئے۔ مہادت کو تیری جواب دینے والا تھا۔ کہ خلیجی نے تلوار نکال کر گرائی اور اس کا کام نام کر دیا۔ ہندوؤں پر دشمنانک خاموشی چھا گئی تھی جیکہ مسلمانوں کے لشکر میں فلک گیر کیمبرین بلند ہو رہی تھی۔ تینوں مسلمان سپاہی اپنے لشکر میں واپس چلے گئے تھے۔

ہندوؤں کے لشکر میں پریشان کن خاموشی اور بد دل کر دینے والا سکوت طاری ہو گیا تھا جبکہ اسلامی لشکر میں بڑے غضبناک انداز میں تکبیروں کی گہری اور گونجتی ہوتی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں۔

راجہ راتے تھوڑا کی لشکر سے اس بار ایک ہاتھی میدان میں اترا تھا۔ اس پر ایک مسلمان مہادت سوار تھا۔ میدان کے وسط میں پہنچ کر اس نے پکار کر کہا۔ تم میں کوئی ہے جو میرے ہاتھی کا مقابلہ کرے۔ حماد کے اشارے پر تین سوار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے میدان میں آگے بڑھے ان میں سے ایک ترک دوسرا افغان اور تیسرا غلجی تھا۔ تینوں اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہاتھی کے قریب آئے۔ مہادت نے ہاتھی کو ان پر حملہ کرنے کا اشارہ دیا۔ وہ تینوں بھی مستعد ہو گئے تھے۔ ترک سامنے کی طرف چلے آیا۔ افغان اور غلجی اپنے گھوڑوں کو دائیں بائیں لے گئے تھے۔

ہاتھی نے آگے بڑھ کر اپنی سونڈ پھیلائی اور چاہتا تھا کہ ترک کو لپیٹ کر زمین پر پٹخ دے۔ غلجی اور افغان نے ایک ساتھ اپنی تلواریں برساتیں اور دو جگہوں سے ہاتھی کی سونڈ کاٹ کر رکھ دی۔ ہاتھی دشتانہ انداز میں پیٹکاڑا تھا۔ پھر وہ غضبناک ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگا تھا۔ مہادت نے فوراً عیاری سے کام لیا اور غضبناک ہاتھی کا رخ اسلامی لشکر کی طرف کر دیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ہاتھی اسلامی لشکر میں گھس کر کھلبلی مچا دیگا اور اس موقع پر اگر ان کے دوسرے ہاتھی بھی حملہ آور ہو گئے تو مسلمان خوفزدہ ہو کر میدان جنگ سے بھاگ نکلیں گے۔

تینوں مسلمان سپاہی بھی مہادت کی اس گھناؤنی چال کو سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی فیصلہ نہ کیا۔ مہادت یہ سمجھ رہا تھا چونکہ زخمی ہو کر ہاتھی غضبناک ہو چکا ہے۔ لہذا تینوں مسلمان ہاتھی کے نزدیک نہیں آئیں گے۔ لیکن اس کے تمام دانے غلط ثابت ہوئے۔ تینوں مسلمان اپنے گھوڑوں کو ہاتھی کی پشت پر لائے۔ پھر انہوں نے اپنی پیٹکاڑنی آوازوں میں تکبیریں بلند کیں اور اپنی تلواروں کے پے دپے وار کرتے ہوئے انہوں نے ہاتھی کی دونوں پچھلی ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔

ہاتھی زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ مہادت نے فوراً ایک طرف چھلانگ لگا دی

انفرادی جنگ میں بُری طرح خفت اور ہزیمت اٹھانے کے بعد راجہ تھوڑا راتے ہاتھی کا حکم دے دیا تھا۔ سب سے پہلے تین ہزار ہاتھی جھوٹے اور چنگا رتے ہوئے گے بڑھے۔ مقدمہ الجیش کے سامنے اپنے گھوڑے پر سوار کھڑا حماد مڑا ہوا اور مستول مارتے دیکھتے ہوئے اس نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی اور اپنے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے اپنی گونجتی اور کھولتی آواز میں کہا۔

مجاہدو! ان ہاتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ نہ ہونا۔ میرے ساتھیو! ہم کی طرف افق کا نظارہ کرو۔ وہ ابابلیس دیکھو جو پوچھوں میں گنکر لیے برق و بجلی کی طرح ابرہ کے لشکر کی طرف پکی تھیں اور لشکروں کی طوفانی بارش سے فیل اپنے فیل بالذلت ہزیمت پس ہوا جس بن کر رہ گئے تھے۔ سندھ امیری امت کے جوانوں! جہاں اسلام کی روشنی ہے وہیں ہمارے رب کا گھر ہے۔ تم پرامت کی ماؤں بہنوں کی دعاؤں اور بیٹیوں کے دعوتوں کی حرمت و زینت کا سایہ ہے۔ اپنی دیسی آوازوں میں

مبجلیوں کے لشکاروں حبیبی اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے آگے بڑھنا اور اپنی جرات آموز آوازوں سے گھاس کے ہر تھکے کو نشتر اور ہر پتھر کو خنجر بنا کر رکھ دو۔ دیکھو! مسلم قوم کے فرزند! اس میدان میں تمہاری عزت و حشمت کی دستار گولے نہ پائے۔ اس شوق رزم آرائی میں آگے بڑھنا کہ اقوام عالم کی تاریخ میں تمہارا نام شہیدوں اور غازیوں کے صفحات پر لکھا جائے۔ آؤ۔ آؤ میرے ساتھیو! آؤ میرے ساتھ عہد کر دو کہ ہم ایمان کی مشعلیں اٹھائے آگے بڑھیں گے۔ اور ان سرزمینوں کے اندھیروں کو مٹا دیں گے۔

میرے شیر دل ترکو! جرات و استقامت کے ایہن خلیجو! اور شجاعت کے علمبردار افغانوں! تمہیں اپنے آباء کی غیرت و شجاعت اور آدمیت و شرافت کی قسم جنگ کے اس میدان میں اپنے آباء کا وقار بکھڑا کرنا ہے۔ دینا۔ نعرہ مارو! ساتھیو! تکبیریں بلند کر دو! ایسے انداز میں کہ یہ پتھر چکنا چور ہو جائیں۔ پہاڑ کانپ اٹھیں اور ذروں کے دل تنک دھڑک اٹھیں۔ ہاں میرے دوستو! ایسی تکبیریں بلند کر دو کہ یہ پہاڑ یہ پتھر تمہارے سامنے بولیں اور یہ میدان و ریت یہ جنگلات و چٹانیں تمہاری شجاعت کے گیت گائیں۔ آؤ میرے ساتھ مل کر اللہ اکبر بکراؤ کہ خواست کی ان گھڑیوں کو تحلیل کر دیں اور ظلموں کی رنجیروں کو توڑ دیں

حماد نے آسمان کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کا تحیر خیز نعرہ مارا اور اس کے جواب میں مقدمہ الجیش کے جوانوں نے ایک ساتھ مل کر ایسی تکبیریں بلند کیں کہ گونج گاہ کی ہر چیز سوکھ پڑی اور پٹ جھڑکی پانی پتلیوں کی طرح لرز اٹھی۔ مقدمہ الجیش کی تکبیروں کے جواب میں سلطان کے پورے لشکر نے مل کر ایسی اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیں کہ آگے بڑھتے ہوئے دشمن پر چڑشاہاٹ طاری ہو کر رہ گئی۔ حماد کی طوفانی تقریر سے چھ زندہ دل جوانوں پر ایسا اثر ہوا تھا کہ وہ جوش جذبات میں دھائیں مار مار کر رونے لگے تھے۔ ادھر کچھ عجیب سے لطف کے عالم میں لگا تار اللہ کو پکارتے جا رہے تھے۔

چنگاڑ تے اور جھومتے ہاتھی اب بالکل قریب آگئے تھے۔ حماد نے اپنی تلوار فضا

میں لہر لہر اپنے لشکر کو ہاتھیوں پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا اور تربیت یافتہ ترک، خلیجی اور افغانی اپنے بہادر اور ٹاٹ اوٹھنے والے عرب سالار کی سرکردگی میں ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑے تھے گھوڑوں کی ٹاپوں اور ہاتھیوں کی دھمک سے میدان جنگ لرز اٹھا تھا اور ہاتھیوں کے پیچھے ہندو راجاؤں کے جنگی رفیقوں کی گرد گردا ہٹ نے آوازوں کا۔ ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ مقدمہ الجیش کے تربیت یافتہ مسلمان سپاہی اپنی آنکھوں میں سو سو ج کی آتشیں چمک اور انگاروں کی عکس دیکھ کر یہ یقین عمل کی راست علامت بن گئے تھے۔ وہ دشمن کے ہاتھیوں پر یوں حملہ آور ہوئے تھے جیسے شعاعوں کا نور اندھیرے کے اندر دور دور تک بکھر گیا ہو۔ لمحہ بہ لمحہ ان کی موت کی اشتہا بڑھتی جا رہی تھی اور وہ طوفانوں کے گرم و تند جھوکے بن کر ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹنے لگے تھے۔ وہ اپنے گرم لہو میں قہر نینت کی صبح کی مانند پھیلنے اور ہاتھیوں کو کالچ کے ٹکڑے جان کر ان پر وار دہونے لگے تھے۔

مقدمہ الجیش نے کافی ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ کر انہیں ناکارہ کر دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ زخمی ہاتھی واپس ٹر کر اپنے ہی لشکر کو تباہی کا نشانہ بنانے لگے تھے اس کے علاوہ دوسرے ہاتھیوں کے بچھڑ جانے کا خدشہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ان حالات کے تحت راستے پتھروانے فوراً ہاتھیوں کو لشکر کے پیچھے لیجانے کا حکم دیا۔ آٹا ٹاٹا تیز دست مہات حرکت میں آئے اور سارے ہاتھیوں کو وہ اپنے لشکر کے پیچھے لے گئے جن ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ گئی تھیں اور وہ دیوانہ وار ادھر ادھر بھاگتے ہوئے چنگاڑنے لگے تھے۔ خود ہندو لشکر کے سپاہیوں نے ان کی ٹانگیں کاٹ کر زمین پر گر دیا تاکہ وہ لشکر کے لیے خوف دہراں کا باعث نہ بنیں۔

ہاتھیوں کے نکل جانے کے بعد ہندوستانی لشکر میں اب جنگی رتھیں اور گھوڑے ہی گھوڑے دکھائی دے رہے تھے۔ ہاتھیوں کو بھگانے کے بعد حماد اپنے ہراول دلوں کے ساتھ اب دشمن کے سواروں پر حملہ آور ہوا تھا کافی دیر تک گھسان کی جنگ ہوتی رہی۔ پھر سلطان کے پیغام پر حماد اپنے مقدمہ الجیش کو لیکر پیچھے ہٹنے لگا۔ اب سلطان خود قلب لشکر کے ساتھ جنگ کرنے آیا تھا۔

مسلمانوں کے تازہ دم قلب کے دستے شروع شروع میں دشمن کو دھکیلتے ہوئے پیچھے لے گئے۔ لیکن ہندوؤں کی تعداد اس قدر تھی کہ جنگ پھر اپنی پہلی صورت پر آگئی۔ دہم سے کچھ دیر قبل تک سلطان اپنے قلب کے ساتھ لڑتا رہا لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا اس کے بعد قطب الدین اپنے میمنہ اور ترک جرنیل خرمیل اپنے میسرہ کے ساتھ بادی بادی جنگ کرنے آئے لیکن کوئی بھی جنگ کا نقشہ تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

عصر کے وقت جبکہ ترک جرنیل خرمیل اپنے میسرہ کے ساتھ دشمن سے فز و آقا سلطان شہاب الدین نے میدان جنگ میں حماد، قطب الدین اور چند اور جرنیلوں کو ایک جگہ جمع کیا اور باہم مل کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حماد مقدمہ الجیش کے ساتھ دشمن کے دائیں طرف سے، قطب الدین بائیں ہاتھ سے اور خود سلطان خرمیل کے ساتھ مل کر سامنے کی طرف سے ایک ساتھ حملہ کریں۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے فتح کی کوئی صورت نکل آئے مسلمان سپاہیوں نے دشمن کو اندھا دھند ٹاٹھا اس کے باوجود ان کی تعداد ویسی ہی تھی اس لیے کہ ان کے لیے ابھی تک تازہ دم سپاہی جنگ میں حصہ لینے کے لیے پہنچ رہے تھے۔ اسی بنا پر سلطان نے چاروں طرف سے ایک ساتھ حملہ کر کے جنگ کا رخ بدلنے کی کوشش کی تھی۔ حماد اور قطب الدین ایک اپنے مقدمہ الجیش اور اور میمنہ کو لیکر سلطان سے نصحت ہوتے۔ حماد اپنے ہراول کے ساتھ ایک لمبا چکر اور دو رک کا کاٹتا ہوا دشمن کے دائیں طرف نکل گیا جبکہ قطب الدین میمنہ کے ساتھ برقی زقادی سے بائیں طرف جا رہا تھا۔ سلطان اپنے قلب کو لیکر خرمیل کی سرکردگی میں حق و باطل کی جنگ میں مصروف میسرہ کے ساتھ آن لگا تھا اور یوں قلب اور میسرہ کے جوانوں نے یکجا ہو کر پوری سرگرمی سے حملہ کر دیا تھا۔ دوسری طرف حماد اور قطب الدین بھی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ دائیں بائیں سے دشمن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ جنگ کی بھٹی اپنے پورے جوش اور تمام غضب کے ساتھ بھڑک اٹھی تھی۔

جنگ جب اپنے عروج پر تھی اور کوئی فیصلہ ہونا دکھائی نہ دے رہا تھا۔ حماد لڑنے لڑتے پیچھے ہٹا اور اپنے مقدمہ الجیش کے دوسرا دھڑ کو اپنے پاس طلب کیا۔ بھڑکی دیر بعد وہ دوسرا دھڑ اس کے سامنے اکھڑے ہوئے ان میں سے ایک ترک اور دوسرا غلجی

سردار تھا۔ حماد نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا دیکھو۔ میرے مصاحبو! انہو میرے رفیقو! تم دیکھتے ہو اس جنگ کا کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے اگر میں اس میں کامیاب رہا تو ہندوستان کے یہ سارے راجے یہاں سے بھاگتے دکھائی نہیں دیں گے۔

سردار میرے ساتھیو! میں مقدمہ الجیش سے بارہ ہزار لشکر لے کر تم دونوں سے علیحدہ ہو رہا ہوں۔ تم دونوں باقی لشکر کو آدھا آدھا کر کے اس سمت سے دشمن پر پورا دباؤ ڈالے رکھنا۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر دشمن کی پشت پر جا کر پہلے ان کے رسد گاہ کے محافظوں کو ختم کرنے کے بعد آگے بڑھوں گا۔ دشمن نے اپنے ہاتھیوں کو اپنے لشکر اور رسد گاہ کے خیموں کے درمیان اکٹھا کر رکھا ہے۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ ہاتھیوں پر حملہ کر دوں گا اور انہیں براہِ نیگتہ کر کے دشمن کے لشکر کی طرف ہانک دوں گا۔ اس طرح دشمن کے لشکر میں کھلبلی مچ جائے گی اور اس سے ہم فائدہ اٹھا سکیں گے۔

غلجی سردار نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ اگر دشمن نے ان ہاتھیوں کو ہمارے لشکر کی طرف ہانک دیا تو یہ ہمارے لیے سب سے بڑی مصیبت و ابتلا ہوگی کیونکہ ہمارے قلب اور میسرہ کے جوان ہاتھیوں سے نمٹنے کی تربیت نہیں رکھتے حماد نے اس غلجی سردار کی بات کاٹتے ہوئے کہا اگر تم دیکھو دشمن ہاتھیوں کو ہمارے لشکر کی طرف دھکیل رہے ہیں تو تم اپنے حصے کے لشکر کو لیکر ہاتھیوں کو پھر پیچھے کی طرف ہانک دینا اور یہ دشمن پر دہری ضرب ثابت ہوگی۔ اب تم دونوں اپنے اپنے حصے کے لشکر پر اپنی گرفت مضبوط کر لو میں یہاں سے کوچ کرتا ہوں۔

دونوں ترک اور غلجی سردار جنگ کے اگلے حصے کی طرف چلے گئے تھے حماد بارہ ہزار جوانوں کو لیکر پیچھے ہٹنے لگا تھا۔ اپنے لشکر کو لیکر بڑی سرعت کے ساتھ پانچ میل جنگ کے میدان سے دوڑ ہٹ گیا پھر اس نے اپنا رخ بدلا اور جنوب مغرب کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ دشمن کے پیچھے جا کر حماد پہلے رسد گاہ کے محافظوں پر ٹوٹ پڑا یہاں اس نے زیادہ وقت نہ لیا اور سارے محافظوں کو تیرتخ کرنے کے بعد وہ چیتے کی سی

لشکر کو بری طرح نقصان پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ اسی موقع پر میدان کے چاروں طرف ایسی بھیڑیں بلند ہوئیں جیسے عرش و فرش تک لرز اٹھیں گے۔ سامنے کی طرف سے سلطان اور خلیل، بائیں طرف سے قطب الدین دایں جانب سے حماد کے ترک اور خلجی سردار اور پشت سے خود حماد اپنی اپنی پوری قوت و ہمارست سے حملہ آور ہوتے تھے۔ اپنے رب کے فیضانِ ازل کے آسرے مسلمانوں نے مفیض ظلمات دشمن کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

وزم گاہ بری طرح گراہ اٹھی تھی۔ مسلمان ایسے جوش و جذبے سے لڑنے لگے تھے گویا اگر وہ اس وقت آگے نہ بڑھ سکے۔ تو ان کے لیے اپنے اللہ کا در فیض ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا۔ دشمن کا حصار بڑی تیزی سے ٹوٹ رہا تھا ان پر ہراسیگی اور وحشت طاری ہونے لگی تھی اور دل کے پیمانے بری طرح لرز اٹھے تھے عجیب سی خدمت اور غنوا می میں مسلمان سر پر کفن باندھ کر آگے ہی آگے بڑھنے کی دھن میں لگ گئے تھے۔

پشت کی جانب سے حماد کا حملہ کامیاب رہا تھا۔ اور اب وہ دشمن کے اندر گھس کر اڑھٹے لگا تھا۔ اچانک حماد کی نظر ہستنا پور کے راجہ اور رائے پتھور کے بھائی کھانڈے رائے پر پڑی وہ اپنی جنگی رتھ پر سوار اور اپنے جوانوں کو چلا چلا کر احکامات جاری کر رہا تھا۔

حادثے اپنے لشکر کے ساتھ اپنی پوری قوت سے اس سمت حملہ کیا جہاں کھانڈے رائے تھا۔ ان کی آن میں حماد کھانڈے رائے کے سر پر جا پہنچا۔ کھانڈے رائے نے مسلمانوں کو یوں اپنے سر پر دیکھ دیاں سے جھانکا چاہا لیکن ایسا کیونکر ممکن تھا۔ حماد تو اس پر حملہ کرنے کو تیار و سوت چکا تھا اور پھر قبل اس کے کھانڈے رائے کے لیے کوئی دفاعی اقدام کرنا حماد نے اس پر غور کر کے اس کی گردن کاٹ دی۔

کھانڈے رائے کو قتل ہوتے دیکھ کر دشمن کے لشکر کا ایک حصہ اپنی پشت کی طرف ل جنوب مشرقی حصے کی طرف پسپا ہونا شروع ہو گیا تھا جو مسلمانوں کے حلوں سے خالی تھا۔

پتھور رائے جب اپنے لشکر کے ایک حصے کو مہا گتے ہوتے دیکھا تو وہ اپنے لشکر کے سب سے اس طرف بڑھا اور اس کا رتھ بان اس کے اشارے پر بری تیزی سے اس کے تادیب فرشتہ کے مطابق ان ہی بادہ ہزار سواروں کی وجہ سے سلطان کو فسخ ہوئی۔

جہازت اور بلی کی بے آواز جست کی طرح آگے بڑھا اور ان ہاتھیوں پر ٹوٹ پڑا اور پتھور کے حکم پر وہاں جمع کر دیے گئے۔ چند ہاتھیوں کی سونڈھیں کٹنے کے باعث جب ان میں کھلبلی اور غضب برپا ہو گیا تو حماد نے انہیں دشمن کے لشکر کی طرف ہانکنا شروع کر دیا تھا۔

حماد ہاتھیوں کو ہانکنا ہوا آگے بڑھا چنگاڑتے اور غضب ناک ہاتھی جب اپنے لشکر میں گھس کر تباہی کا باعث بنے لگے تو حماد نے اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کی پشت پر حملہ کر دیا تھا۔ دشمن کے سپاہی ابھی اپنے ہاتھیوں سے پھٹنے کی کوشش میں تھے کہ حماد کے لشکر کی آہرہ و خواجہ کی تفریق سے ماورا ہو کر نہیب محشر اور قضا کے تیرن کر حملہ آور ہو گئے تھے۔

سلطان شہاب الدین کے پاس بھی یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ حماد نے بارہ ہزار جوانوں کے ساتھ دشمن کی پشت پر حملہ کر دیا ہے۔ لہذا اس نے پوری قوت سے دشمن پر ضرب لگانے کا حکم دے دیا۔ حماد اپنے لشکر کے ساتھ زور زور سے بارہا نیکی میں بلند کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مسلمانوں کے لیے ملک پہنچ گئی ہے جس نے دشمن کی پشت سے حملہ کر دیا ہے۔ ہندو لشکر میں ایک کھلبلی مچ گئی تھی۔

اس خلجی سردار کے خدشہ کے مطابق راجہ پتھور رائے حکم دے دیا کہ پھرے ہوئے ہاتھیوں کو مسلمانوں کے لشکر کی طرف ہانک دیا جائے اور ہاتھیوں کے مہا وٹوں نے اپنے لشکریوں کی مدد سے ہاتھیوں کو فوراً مسلمانوں کی طرف ہانکنا شروع کر دیا تھا۔

قلب اور میسرہ کے مسلمانوں نے جب پھرے ہوئے ہاتھیوں کو اپنے لشکر سے نکل کر ان کی طرف آتے دیکھا تو وہ کچھ خوفزدہ دکھائی دیتے تھے اس موقع پر مقتدرہ الجیش کا وہی خلجی سردار آڑے آیا جس کے تحت ہاتھیوں سے لڑنے میں ماہر جوان جنگ کر رہے تھے۔ وہ خلجی سردار اپنے لشکر کے ساتھ فوراً حرکت میں آیا اور اپنے قلب و میسرہ کی طرف بڑھنے والے ہاتھیوں کے سامنے آکر اس نے ہاتھیوں کو روکا اور انہیں زبردست نقصان پہنچا کہ ایک بار پھر واپس مڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اب ہاتھی حد سے زیادہ غضبناک ہو کر اپنے لشکر کو روندنے لگے تھے۔ مہا وٹوں نے انہیں قابو میں کرنے کا پورا پورا ہمتن کیا۔ لیکن ان کی ہر کوشش ناکام رہی اور ہاتھیوں نے

طرف دیکھ لیا جانے لگا تھا جہاں لشکر کا ایک حصہ تیزی سے پسپا ہو رہا تھا۔

راجہ پتھورا جب پسپا ہونے والے لشکر کی طرف آیا تو حماد اس کے پیچھے بھی لگ گیا کیونکہ اس نے پتھورا کو پہچان لیا تھا۔ اس نے جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے پتھورا کا بار بار روک لیا۔ اس کے دھکے ناکا بند کرنے کے بعد حماد اپنا گھوڑا دھڑا کر پتھورا کے قریب آدرا اپنے چہرے سے اپنے خود کا نقاب ہٹاتے ہوئے اس نے کہا۔ راستے پتھورا میری طرف دیکھو۔ یہ چہرہ تم نے ضرور دیکھا ہوگا۔ حماد کو دیکھ کر راجہ پتھورا کو ہلکا گیا۔ حماد نے اپنی تلوار لہراتے ہوئے کہا۔ کیا میں وہی نہیں جس نے تمہاری بیٹی کو زنا کا سوتیلہ چیتا تھا اور پھر تمہاری قید سے بھاگ بھی نکلا تھا۔

پتھورا نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ تم کیا بھاگتے شوہری بھاگ سے کرشنا تمہیں پر کر بیٹھی تھی اور اس نے تمہیں اجیر سے بھاگ دیا لیکن سنو میں نے اپنی بیٹی کو بھی اس کی سزا دی اور تمہارے اور اس لڑکی رتنا کو فرار کا موقع دینے کے جرم میں کرشنا کو قتل کر دیا تھا۔ حماد نے کرکٹ کی آوازیں پوچھا کیا تو نے کرشنا کو میری بیوی اور مجھے اس شوہر قرار نہ دیا تھا پتھورا نے غصیلی آوازیں کہا۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ حماد نے کھولتے آوازیں کہا۔ کوئی بھی غیرت مند انسان اپنی بیوی کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتا۔ سنبھلو میں پر حملہ کرنے لگا ہوں۔

حماد نے فوراً پتھورا پر حملہ کر دیا۔ پتھورا نے اپنی ڈھال کی آڑھ لے کر بچنا چاہا لیکن ناکام رہا۔ حماد کی تلوار اس کی پسلیوں پر گری تھی اور جسم کو دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔ حماد کے اگر دھچکے کی صورت میں حماد کی حفاظت کرنے والے مسلمان سپاہی اور بچو اونچی آوازوں میں شور کرنے لگے۔ راجہ پتھورا اور راجہ کھانڈے راستے دونوں ہمارے سالار کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ یہ آوازیں ہندو لشکر تک بھی پہنچ گئی اور سارے راجاؤں کے لشکروں میں ہر طرف یہ شور اٹھ کھڑا ہوا راستے پتھورا اور کھانڈے مارے گئے۔ اب لڑنا بیکار ہے۔

ان آوازوں کا ہندو لشکر پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور سپاہی جنوب مشرق کے کونے

طرف اندھا دھند بھاگنے لگے۔ حماد بھی اپنے لشکر کے ساتھ لڑتا ہوا شمال کی طرف بڑھنا چلا گیا تاکہ ہندو لشکر کو بھاگنے کا وسیع راستہ مہیا کیا جاتے۔ ہندوؤں کے لشکر میں ایک عجیب سی آواز اُٹھ رہی تھی گئی تھی ہر کوئی لڑائی سے پہلو ہٹا کر جس طرف منہ اٹھا اندھے اونٹ کی طرح بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ سلطان نے اس موقع کی غنیمت جانا۔ اس نے ہر سمت کے اپنے جو نیلے کو ہر کار سے بھجوا کر حکم دیا کہ ایک ساتھ تکبیریں بلند کر کے حملہ کیا جائے۔ سب جرنیلوں نے ایسا ہی کیا اور جب سارے مسلمان جرنیلوں نے ایک ساتھ تکبیریں بلند کر کے حملہ کیا تو ہندوستانی لشکر کے ہر سپاہی نے اپنی تلوار روک لی اور جنوب مشرق کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

سلطان نے لشکر کے ایک حصے کو دشمن کی رسد گاہ کے سامان پر قبضہ کرنے پر امور کیا اور باقی لشکر کے ساتھ اس نے دشمن کا تعاقب شروع کر دیا۔ دشمن کی پشت سے خود سلطان اور ترک جرنیل خرمیل پے در پے ضربیں لگا رہے تھے اور داییں باتیں جانب سے حماد اور قطب الدین بھاگتے دشمن کو کچی ٹہنیوں کی طرح کاٹتے ہوئے قدم قدم ان کی تعداد کم کرتے جا رہے تھے۔

بھاگتے ہوئے ہندو لشکر کا ب کوئی راہبر و راہنما نہ تھا جس طرف پہلے بھاگنے والے دستے نکلے تھے اسی طرف سچا کھچا پورا لشکر بھاگ نکلا تھا۔ وہ لشکر جسے اپنی تعداد پر کاش جیسا بلند و وسیع گھمنڈ تھا وہ بڑی بے بسی اور لاجپاسی کی حالت میں زخمی لیدروں کے گروہ کی طرح شیر دل مسلمان سپاہیوں کے آگے واویلا دھوڑ کر تا ہوا بھاگ رہا تھا۔ ہر کوئی اسی فکر میں تھا کہ کسی طرح تعاقب کرنے والے مسلمانوں سے اپنی جان بچائی جائے۔

مسلمان بھاگتے ہوئے دشمنوں کی تعداد اب بڑی تیزی سے کم کرتے جا رہے تھے اندوؤں کی تعداد اب بھی اسلامی لشکر سے زیادہ تھی۔ تاہم وہ واویلا کرتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ راستے میں بھاگتے ہندو لشکر نے سرسختی، ہمانہ، ہانسی اور بھرام کے لہ مسرتی اکبر اعظم کے عہد تک ایک مشہور شہر تھا۔

مشہور قلعوں اور شہروں کے اندر پناہ لیکر اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے علاوہ تعاون کرنے والے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن انہیں بری طرح ناکامی ہوئی تھی۔ سلطان ان تمام شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور دشمن کو شکست دے کر ان شہروں پر قبضہ کر لیا۔ سلطان نے قطب الدین ایک کو مینہ کے ساتھ اپنے لشکر سے علیحدہ فتح کئے گئے ان شہروں پر قبضہ کر کے ان کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے دیپ چھوڑ دیا اور خود وہ حماد اور خرمیل کے ساتھ پھر دشمن کے تعاقب میں تھا۔

سلطان جانتا تھا کہ اس کے آگے بھاگنے والے لشکر میں اب بھی اس قدر دم خم ہے کہ وہ کہیں بھی جم کر دوبارہ جنگ کی طرح ڈال سکتے ہیں اس کے علاوہ یہ لشکر ہندوستان کی اصل قوت تھی اور وہ اس قوت کو توڑ دینا چاہتا تھا تاکہ آئندہ اس کے راستے میں کوئی بڑی رکاوٹ کھڑی نہ ہو۔ شکست خوردہ ہندو لشکر اب اجیرا طرف بھاگ رہا تھا اور سلطان اس کے تعاقب میں تھا۔

راجہ پتھور کی غیر حاضری میں اجیر کا نظم و نسق اس کا بیٹا راجہ کولا سنبھالے ہوئے تھا۔ اسے خبر ہو گئی تھی کہ اس کا باپ میدان جنگ میں مارا گیا ہے اور ہندوستان کا متحدہ لشکر مسلمانوں کے آگے آگے بھاگتا ہوا اجیر کی طرف آ رہا ہے۔ لہذا اس نے شہر کے سارے دروازے کھول دیئے تاکہ بھاگ کر آنے والوں کو شہر میں داخل ہوتے وقت وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس نے قلعے کے محفوظ لشکر کو باہر نکال کر کھڑا کر دیا کہ تعاقب کرنے والے مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے تاکہ شکست خوردہ لشکر کو قلعے میں داخل ہونے کا موقع مل جائے اور اس کے بعد قلعے میں محصور ہو کر مسلمانوں سے ایک طویل جنگ کا آغاز کیا جائے۔

سلطان کے جاسوس پہلے ہی اسے راجہ کولا کے اس اقدام کی خبر کر چکے تھے اور سلطان نے اس کا خطر خواہ بندوبست بھی کر لیا تھا۔ سلطان ہر حالت میں بھاگنے والے سمانہ، ہالنسی اور کھرام دہلی سے تقریباً ۱۲ میل کے فاصلے پر ہیں۔ جنگ پھر دیا ست پٹیا میں شامل ہیں۔

نیک پر ضرب لگا کر ہندو قوت کو توڑ دینا چاہتا تھا۔ جس وقت بھاگتا ہوا لشکر اجیر میں داخل ہو رہا تھا۔ سلطان قلب کے ساتھ راجہ کولا کے محفوظ دستوں کے ساتھ اٹھ گیا۔ اس دوران بھاگنے والا لشکر شہر کے اندر داخل ہوتا رہا۔ قلعے کے برج چونکہ خالی پڑے تھے۔ لہذا سلطان نے حماد اور دیپ کو حکم دیا کہ وہ کمندوں کے ذریعے اوپر جا کر قلعے کے برجوں پر قبضہ کر لیں۔ ایسا ہی ہوا۔ سلطان دشمن سے جنگ کرتا رہا اور حماد ترک جرنیل خرمیل کے ساتھ مذمت الجیش اور میسرہ کو لیکر کمندوں کے ذریعے قلعے کی تفصیل پر چڑھ گئے تھے۔ اسے برجوں پر قبضہ کرنے کے بعد پہلے انہوں نے اپنی حالت کو مضبوط کیا۔ پھر قلعے کے اوپر سے قلعے میں داخل ہونے والے ہندو لشکر پر اندھا دھند تیر برسا نے دھک کر دیتے۔

حماد اور خرمیل نے جب دیکھا کہ قلعے کے اندر ایک کھرام برپا ہو گیا ہے تو ان نے اپنے دستوں کے ساتھ نیچے اتر کر حملہ کر دیا جب وہ اللہ اکبر کی صدائیں مارتے ہوئے دشمن پر لوٹ پڑے۔ تو قلعے میں داخل ہوتے ہوئے ہندو سپاہی مارے ہوئے قلعے سے باہر بھاگنے لگے۔ اندر مت جاؤ۔ اندر مت جاؤ۔ مسلمان بے پرو قبضہ کر چکے ہیں۔

راجہ کولا نے جب یہ حالت دیکھی تو اس نے ہتھیار ڈال کر سلطان سے معافی مانگی۔ سلطان نے درخواست کی۔ سلطان نے اسے معاف کر دیا اس مندر پر کہ کولا اس کا باجگزار کر رہا ہے۔ کولا نے یہ شرط منظور کر لی۔ اس نے سلطان کا باجگزار بننا قبول کر لیا اور وہ ہر جنگ میں سلطان کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔

سلطان اجیر سے نکل کر واپس لوٹا۔ قطب الدین ایک کو فتح کیے ہوئے شہر کھرام، تی، سمانہ اور ہالنسی پر حاکم مقرر کیا اور حماد کو افواج کے ایک سالار کی حیثیت سے باالین کیسٹھ دیو یا خود سلطان غزنی کی طرف کوچ کر گیا۔ آدھے سے زیادہ لشکر سلطان قطب الدین اور حماد کو دے گیا تھا۔ غزنی جانے کا اس کا اصل مقصد ملک

لیکر ایک نئے سرے سے ہندوستان پر حملہ کر کے اپنا قبضہ مکمل کرنا تھا۔ ہندو لشکر کی رسد گاہ کی حفاظت پر سلطان نے جو لشکر مقرر کیا تھا وہ بھی سارا سامان بیکر کھرا م پہنچ گیا۔ رسد گاہ سے بے شمار مال و دولت ہاتھ لگا تھا۔ اس میں باقوت، لعل، ٹرید اور مونگے کی مالائیں، عنبر کے ڈبے اور اشرفیوں کے توڑے شامل تھے۔ سلطان نے اس پیش بہادری کا اکثر حصہ اپنے لشکر میں بانٹ دیا۔ کچھ حصہ قطب الدین کے حوالے کیا کہ وہ نئی حکومت کا نظم و نسق چلا سکے۔ سلطان کے غزنی کوچ کے بعد قطب الدین نے کھرا م شہر کو اپنا مرکز بنا کر اور حماد کے ساتھ مل کر ہندوستان میں اپنی نوذاتیہ حکومت کو مستحکم کرنا شروع کر دیا تھا۔

○
فضا جلوہ آتھباتے شہستان کی طرح خاموش تھی۔ شمع کشتہ کی طرح چپ قدرت بگمشتے فطرت سے اعیان و لوا میں کی حفاظت میں بھٹک رہے تھے۔ ہر چیز پر ماند و ہناک تمنا اور ایک خونناہ فشاں جذب طاری تھا۔ ہر چیز گویا اس انتظار میں کہ کوئی چارہ ساز آئے اور اپنی آوازوں کے سہا ناہیں سے فضاؤں کو جلوہ بسا ط ہیں کی طرح حسین، کائنات کو برکھارت کی دھمک جیسی دلکش اور دیرانوں کو ترشہ ایک کی طرح گلفشاں کر دے۔

ہرات سے نیشاپور جانے والی شاہراہ جو کوہستان عدم کے سیاہ بادلوں کی طرح بان ویران اور شام کی تابیگی جیسی ابڑھی اچڑھی تھی ایک دم کھی گھوڑے کی ٹاپوں بول اٹھی۔ وہ حماد تھا جو اپنے گھوڑے کو نیشاپور کی طرف سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ لہجہ اگر حماد نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر لی جہاں سے ایک پتلی اور ٹیلی لڈی مل کھاتی ہوتی اس کے گھر کی طرف جاتی تھی۔ اس نے گھوڑے کو موڑا اس بگڑنڈی پر ڈال دیا جو اس کی کوہستانی بستی سحر آباد کی طرف راہنمائی کرتی تھی۔ ایک دم حماد نے پھر اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر لی۔ اس کی سماعت سے سنائی ہوا کے تیروں جیسی کوئی آواز پڑی تھی۔ کسی کے گیت کی صدا۔ کسی جوان مائی آواز جو عجیب سی لاجبت اور خطاب و تکلم میں گام رہی تھی۔ اپنے محبوب کے لاریں بڑی دردناک شامی کے ساتھ اس کی آواز درطیہ غم میں ابھر ڈوب رہی

آہ! میری حالت اس مرلے کا تے جیسی ہے
جس کا کوئی نگہبان اور مالک نہ ہو وہاں وہ گاتے
جو بیابانوں، ویرانوں اور کوہستانوں کے اندر دکھ کی
مادکھاتے کھاتے تھک کر اپنے جیون سے بیزار ہو گئی ہو

آہ! میرا محبوب کب آئے گا کب تک میں محبت کی حمد گاتی رہوں گی
آتشِ لالوں میں آگ روشن کرنے کی رت لگتی ہے۔ پر میرا محبوب
ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔ میرے کان ہر وقت اسی کی آہٹ پر
لگے رہتے ہیں۔ جو میری زندگی کا ایک جفاکش اور ہنرمند ساتھی
اور میری راتوں کا راز دار چاند حسین سہتا ہے نہ جانے کب
پودب کی طرف سے کوئی ہرکارہ آئے گا اور مجھے میرے ساتھی
کی آمد کی خبر دے گا۔ اس روز میں شوخ کھڑے پہنوں گی،
خوشی مناؤں گی اور اپنے محبوب کے لیے ناپوں گی۔

رتنا خاموش ہو گئی۔ پھر حماد کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے چشموں سے مٹکا بھرا اور
پھاڑ کے اوپر چڑھنے لگی۔ حماد نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور رتنا ابھی تھوڑی دور
ہی اڑ رہی تھی کہ حماد نے اسے جالیا۔ حماد نے اپنے چہرے پر خود کا نقاب ڈال لیا اور
رتنا کے قریب آکر اس نے اپنا گھوڑا دوڑا اور آواز بدل کر کہہ دیا۔

اے لڑکی تو کون ہے۔ اور کہاں جا رہی ہے۔ پانی کا یہ برتن نیچے رکھ اور میرے پیلے
گا اور ناچ۔ رتنا نے کوئی جواب نہ دیا وہ غور سے حماد کو دیکھنے جا رہی تھی۔ حماد بھی اسے
تیز لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا اس نے دیکھا شک کے بوجھ تلے رتنا کی پگلی کرونی جا رہی تھی۔
اس کی سانس پھول رہی تھی اور ماتھے پر یوں پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے تھے جیسے گلاب
کی تیلیوں پر اوس کے قطرے۔

اور خاموش دیکھ کر حماد نے دوبارہ گرج کر کہا۔ لڑکی! تم نے سنا نہیں میں نے

تھی۔ حماد گھوڑے کی رفتار کو کم کر کے اس جوان گیت کو سننے لگا۔

میرا محبوب! ہاں میرا محبوب ایسا ہے جو میدانوں۔ جنگلوں پر تپوں اور تپتے
سنان صحراؤں میں بھی میری حفاظت کرے گا۔ میں اس سے باتیں کرتی ہوں۔
جب ستارے سو رہے ہوتے ہیں۔ اس کی جوان اور سخت انگلیاں میرے
ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔ جب میں سو جاتی ہوں۔

حماد۔ جب آگے بڑھا تو اس نے دیکھا حسین رتنا اس کے گھر کے نیچے بیٹھے اور
چشمے کے کنارے ایک پتھر پر سر جھکا تے اور ان کے بیٹھی گا رہی تھی اور اس کے سامنے ٹو
کا ایک گھر رکھا تھا۔ حماد نے اپنے گھوڑے کو دیوں روک لیا اور اس کا گیت سننے لگا۔
رتنا کی حسین و جوان آواز پھر بلند ہوئی۔

آہ! کب تک میری بے چین روح بھٹکتی رہے گی
کب تک میرا انگ انگ انتظار کی غماز بنا رہیگا
میں ایک ایسی لڑکی ہوں جس کا جسم اپنے محبوب کے انتظار میں ٹوٹ
رہا ہے نہ جانے اس طویل رات کا اندھا مفر کب اختتام کو پہنچے۔

رتنا خاموش ہو گئی۔ حماد کو یوں لگا جیسے وہ اپنا سرا اپنے دونوں گھٹنوں میں دے کر سبک
سبک کر رہی ہو۔ حماد نے آگے بڑھنا چاہا تھا کہ اس نے اپنے گھوڑے کی بائیں پر
تکڑا ایک بار پھر اسے رک جانے پر مجبور کر دیا تھا کیونکہ رتنا کی سسکتی بھٹکتی آواز پھر بلند
ہوئی تھی۔

اے سیاہ چٹانوں والے کوہستانو تمہارے کنارے کہاں ہیں
کب تک تم خاموش رہو گے اور میری پکار کا جواب نہ دو گے
اے دور دور تک پھیلے ہوئے گونگے راستو! کب
کب وہ وقت آئے گا کہ تمہیں زبان نصیب ہوگی اور
تم مسک کر مجھ پر نصیب کو میرے محبوب کی آمد کا مزہ سناؤ گے

ہوتے کہا اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو نیچے مت اترنا اگر نہیں تو بیشک اتر جاؤ۔
زننا سچاری نیچے اترتی اترتی رک گئی اور بے بسی سے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے
کہا۔ ایک شرط پر بیٹھوں گی۔ آپ پانی کا مٹکا مجھے دے دیں میں اپنے آگے رکھ
لیتی ہوں۔ حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ اس نے مٹکا اٹھا کر زننا
نے آگے رکھ دیا اور دونوں پہاڑ کے اوپر چڑھنے لگے۔

اپنے گھر کے پاس آ کر حماد نے پہلے پانی کا مٹکا اتار کر نیچے رکھا۔ پھر زننا کو اپنے
بازوں میں لیکر نیچے اتار لیا۔ زننا نے دونوں ہاتھوں میں مٹکا اٹھایا اور شور مچاتی ہوئی
گھر میں داخل ہوئی۔ ماں! ماں! بابا! بابا! دیکھو کون آیا۔ ماں! دیکھو میں کسے
بچے ساتھ لے کر آئی ہوں۔

خلدون بھاگتا ہوا باہر نکلا اور حماد کو دیکھتے ہی اس نے اپنے بازو پھیلانے
ہوئے کہا۔ آہ میرا بیٹا آیا ہے۔ خلدون نے آگے بڑھ کر ماد کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ پانی کا برتن
مذہر کہہ کر زننا دوبارہ باہر آئی اور حماد کے گھوڑے کو پکڑ کر اصطبل کی طرف لے گئی۔
خلدون تیزی سے آگے بڑھا اور زننا سے حماد کے گھوڑے کی باگ چھنتے ہوئے
کہا۔ یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ بیٹی! تم رہنے دو میں خود گھوڑے کو اصطبل لے جاتا ہوں
زننا نے گھوڑے کی باگ خلدون کو دینے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔ یہ آپ کا نہیں
میرا کام ہے بابا! انتہ ہے آپ مجھے اکثر کہا کرتے ہیں۔ حماد، حادث اور حسن کی
غیر موجودگی میں تم ہی میرے بیٹے ہو۔ پھر بیٹا باپ کو کیسے کام کرنے دے؟ خلدون
لاچار سا ہو گیا اور زننا گھوڑا لیکر اصطبل کی طرف لے گئی تھی۔

خلدون حماد کے پاس آیا اور پیار سے اصطبل کی طرف جاتی ہوئی زننا کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔ بڑی درد مند، نیک خواہ اور چھی چھی ہے۔ گھر کا ہر کام ایسے ہی کرتی
ہے جیسے تم کیا کرتے تھے۔ حماد نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ماں کہاں ہے
بابا! خلدون نے چونکتے ہوئے کہا۔ ماں میں تمہیں بتانا تو بھول ہی گیا تھا تمہاری
ماں سخت بیمار ہو گئی تھی۔ دن رات علاج کراتے رہے۔ بڑی مشکل سے بچتی ہے۔

کہا کہ ہے زننا نے اداس پر دھیمی سی آواز میں کہا نیچے اتر تو پھر کوئی بات۔ بنے۔ حماد حبیب
گھوڑے سے نیچے اتر تو زننا نے پانی کا مٹکا ایک طرف رکھ دیا اور بھاگ کر حماد سے پلٹ
گئی۔ پھر اس نے اس کی زرد کپڑے سے دیتے ہوئے کہا۔ کیا آپ سمجھتے تھے میں اتنی ہی
نادان ہوں کہ آپ کی آواز پہچان نہ سکوں گی۔ اور پھر آپ کا گھوڑا اور آپ کی جسمانی ساخت
تو میں میلوں دور سے پہچان سکتی ہوں۔

حماد نے نیچے جھک کر زننا کی حسین، سرخ اور چمکیلی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ دیکھ
نوم نے مجھے یاد کیا اور میں آگیا ہوں۔ زننا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں تو آپ کو
روز ہی یاد کرتی ہوں۔ حماد نے دیکھا خوشی سے زننا کی آنکھوں کا کاجل اور ہونٹوں کی
سرخی اور زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔ پھر زننا نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ آپ ابھی
کہاں سے آرہے ہیں۔ حماد نے آگے بڑھ کر پانی کا برتن اٹھاتے ہوئے کہا۔ چلو گھر
چلتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔

زننا نے آگے بڑھ کر پانی کا مٹکا چھینتے ہوئے کہا۔ آپ نے یہ کیوں اٹھا لیا۔ یہ
مجھے دیں۔ اپنے گھوڑے پر بیٹھیں اور میرے ساتھ گھر چلیں۔ حماد کو نہ جانے کیا سوچھی
اس نے مٹکا نیچے رکھا آگے بڑھ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں زننا کو اٹھایا اور
اسے اپنے گھوڑے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ میں خود مٹکا اٹھاؤں گا تم گھوڑے پر بیٹھ کر
چلو۔ زننا نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ میں خود پانی کا برتن اٹھاؤں گی۔ حماد نے مذاق
کرتے ہوئے کہا۔ یہ اٹھا کر پہاڑ پر پڑھو گی تو تمہاری نازک کمر ٹوٹ جائے گی۔

زننا نے بڑے پیار سے انداز میں اپنی آنکھیں چڑھاتے ہوئے کہا۔ میں تو
روز پانی پھر کر اوپر لے جاتی ہوں کچھ بھی نہیں ہوتا مجھے۔ حماد نے سنجیدگی سے کہا۔
میری غیر موجودگی میں ہی یہ کام کرتی ہونا۔ میرے یہاں ہوتے ہوئے تم پانی بھرنے
نیچے نہیں آیا کرو گی۔ چلو گھوڑے کو بانگو اور گھر چلیں۔ زننا نے شرارتے شرارتے کہا۔
ماں اور بابا دیکھیں گے تو کیا کہیں کہ میں گھوڑے پر سوار ہوں اور آپ نے پانی کا
مٹکا اٹھا رکھا ہے۔ زننا جب نیچے اترنے لگی تو حماد نے اسے تیز لنگاہوں سے دیکھتے

ٹھیک تو ہو گئی پر کمزور اتنی ہے کہ ابھی تک بستر سے اٹھنے کے قابل نہیں ہو سکی۔ چلو اندر چل کر اس کے پاس بیٹھتے ہیں۔

دونوں باپ بیٹا ایک کمرے میں داخل ہوئے اندر زبیب ایک پلنگ پر پڑی تھی حماد کو دیکھتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ حماد آگے بڑھ کر نیچے جھکا اور زبیب نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم سلامت اور صحت مند ہو۔ حماد نے زبیب کے پاس ہی بیٹھ کر اس کے پاؤں دباتے ہوئے پوچھا۔ کیا ہو گیا تھا ماں۔ زبیب نے خوش طبعی میں کہا۔ مومی بخار ہو گیا تھا بیٹے۔ اب تو تندرست ہوں۔ حماد کچھ کہنے والا تھا کہ کمرے کے دروازے پر زنا نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں کچھ ہوتے سرخ سرخ اناروں سے بھرا ہوا تھاں تھا اور وہ اندر آنے کی کوشش کرتے ہوئے بری طرح شرابہ می تھی۔ شاید وہ حماد کی وہاں موجودگی پر ایسا محسوس کر رہی تھی۔ زبیب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہاں کیوں کھڑی ہو گئی ہو۔ اندر آ جاؤ بیٹی! یہ گھر تو تمہارا اپنا ہے۔ تم شرابیوں رہی ہو۔ آ جاؤ اندر زنا سر جھکا تے جب اندر آئی تو خلدون نے کہا۔ ادھر میرے پاس آ جاؤ رتنا دونوں باپ بیٹی مل کر اناروں کا رس نکالتے ہیں۔ رتنا نے کمرے کے اندر سے کچھ برتن تپالا سا ایک سفید کپڑا اٹھایا اور خلدون کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ دونوں مل کر انار کا رس نکالنے لگے تھے۔ جب ایک پیالہ رس نکل آیا تو رتنا نے پیالہ اٹھایا۔ اٹھ کر حماد کے پاس آئی۔ اور پیالہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ لیجئے۔ حماد نے پیالہ لے لیا اور زبیب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا پہلے آپ پیتیں ماں!۔ زبیب نے پیالہ سے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تم پو بیٹے! ہم تو روز پیتے ہی رہتے ہیں۔ اس برس ہمارے انار کے تمام پودوں نے بہت پھل دیا۔ حماد نے اس بار پیالہ خلدون کی طرف بڑھاتے ہوئے پینے کی پیش کش کی لیکن اس نے بھی انکار کر دیا تو حماد رس سے بھرا ہوا پیالہ غٹا غٹا پی گیا۔

رتنا ایک اور پیالہ بھر کر لے آئی اور حماد کو پیش کیا۔ حماد نے منہ پونچھتے ہوئے کہا۔ بس۔ رتنا نے شرارتے اور جھگڑتے ہوئے کہا۔ ماں تو کبھی تھیں آپ رس کے دو دو تین تین پیالے پی جاتے ہیں اور اب آپ ایک پر ہی اکتفا کر رہے تھے۔ حماد نے مسکرا کر کہا۔ اگر ماں نے

بتا ہی دیا ہے تو لاؤ ایک اور پیالہ لیتا ہوں اور دوسرا پیالہ بھی رتنا سے لے کر وہ پی گیا۔ باقی سچا ہوا رس خلدون، زبیب اور رتنا نے آپس میں بانٹ کر پی لیا تھا۔

حماد نے زبیب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ماں! میں تو آپ ابی اور زنا کو لینے آیا ہوں۔ بہرام شہر میں آپ کے لیے میں ایک مکان کا بندوبست بھی کر آیا ہوں اور۔۔۔ زبیب نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میں تو ابھی ایک ماہ سے بھی زائد عرصے تک سفر کے قابل نہ ہو سکی۔ پھر کیونکہ تمہارے ساتھ ہندوستان تک کا طویل سفر طے کر سونگی۔ ماں اگر تم چند دن رک سکو تو میں تمہاری اور رتنا کی شادی کا بندوبست کر دیتی ہوں اور جاتی دفعہ تم رتنا کو اپنے ساتھ لیجانا۔

اپنی شادی کی بات پر زنا گو شرم سے دھڑکی ہو گئی تھی پھر بھی اس نے جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ نہیں ماں! میں اکیلی نہ جاؤں گی۔ آپ کو ابھی میری ضرورت ہے۔ میں یہاں رہ کر آپ کی خدمت کروں گی اور جب آپ تندرست ہوگی تو میں آپ کے ساتھ ہی یہاں سے جاؤں گی۔ رتنا کے اس جواب پر حماد پر سکون دکھائی دے رہا تھا اور زبیب کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ حماد نے پھر زبیب سے پوچھا۔ ماں! احادث اور جن گھراتے تھے۔

چند دفعہ کے لیے دونوں آتے تھے! کہہ رہے تھے وہ عنقریب پھر سلطان کے ساتھ ہندوستان کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ دونوں بھاتی یہاں ہر ایک سے تمہاری تعریف کر رہے تھے۔ کہتے تھے ترائن کی اس جنگ میں حماد نے بھاتی کی شجاعت کی وجہ سے فتح ہوئی۔ وہ تمہارے متعلق عجیب عجیب واقعات سناتے تھے۔ رتنا تو فوراً مان جاتی تھی پر میرا دل نہ مانتا تھا۔۔۔۔۔ حماد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔ کیا آپ کو اپنے بیٹے سے کسی نیک کام کی توقع نہیں۔ یہ بات نہیں بیٹے۔۔۔۔۔ پھر کیا وجہ ہے۔

وہ دونوں بھاتی تو یہاں تک کہہ رہے تھے کہ تم نے ہندوستان کے دو بڑے راجوں کو بھی اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ وہ ان راجاؤں کے نام بھی بتا رہے تھے۔ وہ

رتنا نے بڑی عاجزی سے کہا۔ آپ ایسے ہی میری تعریف کرتی رہتی ہیں۔ ماں! میاں کی خدمت کو رونا بیٹی کا فرض نہیں ہے۔ زیب نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ کھانا تیار ہے۔ رتنا چشمتے سے پانی لانے گئی تھی اور ہم کھانا کھانے لگے تھے۔ چاد رتنا یہیں کھانا لے آؤ۔ رتنا اٹھی اور کھانے کے برتن اٹھا لائی پھر وہ چادوں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔

کہہ رہے تھے۔ ہمارے بھائی نے دشمن کے ہاتھیوں کو مار بھگایا۔ اس کے علاوہ ایسے ایسے معرکے تم سے قسب کر رہے تھے کہ اعتبار کرتے ہوئے ذہن مشکوک ہونے لگا تھا۔ حماد نے پھر زیب کے پاؤں دباتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں بھائی ٹھیک کہتے تھے۔ ماں! میں نے ہندوستان کے دوراجاؤں کو جنگ میں قتل کیا تھا۔ وہ دونوں بھائی تھے۔ اُن کے نام راتے پتھورا اور کھانڈے راتے تھے۔ ان میں راتے پتھورا وہی تھا۔ جس نے رتنا کو میرے ساتھ یہاں آنے پر مجبور کیا۔ اس بار رتنا نے چپکے ہوئے پوچھا کیا پتھورا نے آپ کو پہچان لیا تھا۔ حماد نے گہری نگاہوں سے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ہاں وہ مجھے پہچان گیا تھا۔ مرنے سے قبل اس نے یہ بھی انکشاف کیا کہ اس نے اپنی بیٹی کرشنا کو جس کا میں نے سو ممبر جلتا تھا۔ تمہیں اور مجھے فرار میں مدد دینے کے جرم میں قتل کر دیا تھا

رتنا نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ چلو پتھورا کو بھی تو اس کے گناہوں کی سزا مل گئی ہے۔ کیا آپ ماموں بدری ناٹھ کے ہاں بھی گئے تھے۔ ہاں میں ادھر آئے ہوئے ادھر سے ہی آیا ہوں۔ تمہارے ماموں، ممانی اور بھائی تمہیں بہت یاد کرتے ہیں وہ کہہ رہے تھے اپنے ماں باپ اور رتنا کو ضرور ساتھ لائیں۔ اور سنو میں سدا میر وینا کے گھر بھی گیا تھا اس بچاری کا بالوسیدو ارام مر گیا ہے۔ رتنا نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اب وہ بچادی اکیلی رہ گئی ہوگی۔ نہیں وہ سلطان ہو چکی ہے اور ابو بکر نے اس کا شادی اپنے بڑے بیٹے سے کر دی ہے۔ اب وہ بڑی پرسکون زندگی بسر کر رہی ہے تمہیں بہت یاد کرتی تھی۔

رتنا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ زیب بول پڑی۔ حماد بیٹے! تمہاری غیر موجودگی۔ رتنا نے میری ویسی ہی خدمت کی ہے جیسی تم کیا کرتے تھے۔ یہ نہ ہوتی تو اس بچادی سے میں مر گئی ہوتی۔ یہ بچادی دن رات میری خدمت کرتی رہی ہے اور سنو اب اب پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہے اور ایک ماہ تک قرآن پاک بھی ختم کرے گی۔ ہر روز تمہارے ابی سے سبق لیتی ہے۔ اس نے مجھے تمہاری کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

آنا چاہا تو تران کی پہلی جنگ چھڑ گئی۔ اس کے اندر میں زخمی ہوا اور دہلی لیجا یا گیا جب زخم مندل ہوئے اور میں نے سوچا کچھ عرصہ آرام کرنے کی خاطر گھر جاؤں گا تو تران کی دوسری جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور کھانڈے راتے نے یہ کہہ کر مجھے روک لیا کہ تم میرے اعتبار کے جرنیل ہو۔ ان لمحوں میں مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ پھر تران کی دوسری جنگ چھڑ گئی اور ہینش شکست ہوئی۔ میں بری طرح زخمی ہوا اور چھ ماہ تک اجمیر میں پڑا رہا۔ جب زخم مندل ہوئے تو ادھر چلا آیا۔

ارجن نے ذرا رک کر کہا۔ یہاں آکر اور تکلیف دہ حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ گھرا جڑا جڑا اور خالی پڑا تھا۔ جب ہمالیوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ راجہ پتھورا کے آدمی میرے تمام گھروالوں کو قتل کر کے رتنا کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ کیا یہ درست ہے کہ پتھورا رتنا سے زبردستی شادی کرنا چاہتا تھا اوریشال رتنا کو لے کر جگہ جگہ چھپتا پھرتا تھا۔ بدری ناتھ نے اس لیے میں کہا۔ ہاں درست ہے۔

ارجن نے سیرا لہجے میں کہا۔ ابیشال اور رتنا کہاں ہیں۔ بدری ناتھ نے ایک بار غور سے ارجن کی طرف دیکھا پھر اس نے صاف اور سچ کہہ دیا۔ جب راجہ پتھورا رتنا کو اٹھا کر لے گیا تویشال اسے چھڑانے اجمیر گیا لیکن پکڑا گیا اور راجہ نے اسے قتل کر دیا۔ میرے جاننے والوں میں نیشاپور کا ایک جرنی جوان تھا میں رتنا کو اجمیر سے نکالنے کے لیے اسے بھیجا۔ وہ کامیاب رہا اور ایک رات وہ رتنا کو اجمیر سے نکال لایا۔ یہاں چونکہ ہر جگہ راجہ پتھورا کے ہاتھوں رتنا غیر محفوظ تھی۔ لہذا میں نے اسے اس جوان کے ساتھ نیشاپور روانہ کر دیا۔ اب رتنا وہیں رہ رہی ہے۔

ارجن کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے غصیلی آواز میں پوچھا جس کے ساتھ آپ نے رتنا کو بھیجا ہے وہ کون ہے اس کا نام کیا ہے اور کہاں رہتا ہے۔ بدری ناتھ نے پیار سے ارجن کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تم غم نہ کھاؤ۔ رتنا وہاں محفوظ ہے جس جوان کے ساتھ وہ گئی ہے اس کا نام حماد بن خلدون ہے اور وہ نیشاپور کی ایک مضافاتی بستی سمر آباد کا رہنے والا ہے۔ اور پھر یہ بات بھی تمہارے لیے باعث اطمینان ہوگی کہ رتنا اپنی مرضی اور اپنی خواہش

ایک گھوڑ سوار اپنے سیاہ رنگ کے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا بدری ناتھ کی حویلی میں داخل ہوا تھا۔ وہ ارجن تھا۔ رتنا کا منگیتر۔ ہاں وہی ارجن جس کی سگائی بچپن ہی میں رتنا سے ہو گئی تھی۔ وہ ایک خوب قد اور اور کڑیل جوان تھا۔ رنگ کا گوسالہ تھا پر ہاتھ پاؤں اور دوسرے جگانی اعضا۔ خوب سخت۔ قد میں بھی میں ہمنمبر و سال کی طرح دراز تھا۔ حویلی کے اندر آکر جب ارجن اپنے گھوڑے سے اترا تو اصطبل کی طرف سے گمان بھاگتا ہوا آیا اور ارجن کو پر نام کرتے ہوئے پوچھا۔ مالک آپ اتنا عرصہ کہاں رہے ارجن نے سخت لہجے میں کہا۔ میرا گھوڑا اصطبل نہ لیجا نا یہیں رہنے دو۔ چچا بدری کہاں ہے میں اس سے ایک اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔

گیان کچھ کہنے والا تھا کہ حویلی کے اندر سے بدری ناتھ، سادہ زری اور بلا نکل آئے۔ ارجن نے جھک کر ان نینوں کو ڈنڈوٹ کیا۔ بدری ناتھ بیٹھ گیا۔ اتر کر نیچے آیا اور ارجن کو گلے لگانے ہوئے کہا۔ تم باہر کیوں کھڑے ہو چلو۔ اندر چل کر بیٹھو۔ ارجن نے اپنے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ میں جلدی میں ہوں۔ میرے کچھ ساتھی باہر کھڑے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں بہت جلد لوٹ جانا چاہتا ہوں۔ آپ سے ایک بات پوچھنا تھی۔

پوچھو! پر پہلے میری ایک بات کا جواب دو۔ تم اتنا عرصہ کہاں رہے۔ ارجن نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ جب بھی گھر آنا چاہتا تھا کوئی نہ کوئی بہانہ بن جاتا تھا پہلے

نے شاید اپنے ذہن میں اٹھنے والے خیالات کو جھٹک دیا تھا اور خوش کن لہجے میں کہا۔
 تمہارا اندازہ درست ہے۔ ارجن! یہ وہی حماد بن خلدون ہے۔ وہ مسلمانوں کے بہترین خلیوں
 میں سے ایک ہے۔ ارجن نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ تو پھر سنو چچا! رتنا کو یہاں سے لے جانے
 کے حرم میں اس برنیل کا سر میں اپنے ہاتھ سے ضرور کاٹ کر رتنا کو نیشاپور سے یہاں لا کر
 آپ کی موجودگی میں اس سے شادی کر دوں گا۔ سو گندہ ہے مجھے جھگوان کی اگر میں لیکھراج کا بیٹا ہوا
 تو اپنے اس ارادے کو ضرور عملی شکل دوں گا۔

ارجن دوبارہ واپس مڑا اور باہر نکل گیا۔ سادتری نے بدری ناتھ کی طرف دیکھتے
 ہوئے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ ارجن نے واقعی اگر حماد سے جنگ کرنے کا عہد کر لیا ہے تو
 کیا بنے گا۔ کہیں یہ حماد کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہو جاتے۔ آپ جانتے ہی ہیں
 لڑنے لڑانے کے معاملے میں اس کے مقابلے میں کوئی جوان نہیں۔ بدری ناتھ نے سادتری
 کے خیالات کی نفی کرتے ہوئے کہا۔ یہ حماد کو کیا نقصان پہنچائے گا۔ میری ملت کا وہ فرزند!
 جب بچا ہے گا ارجن کو اپنے راستے کا ایک بے ضرر پتھر جانتے ہوئے پاؤں کی ٹھوک مار کر اپنے
 راستے سے ہٹا دیگا۔ بدری سادتری اور بللا کو لیکر حویلی کے اندر چلا گیا۔ ارجن اپنے ساتھیوں
 کے ساتھ دریائے سرسوتی کی طرف جا رہا تھا۔

دماغ پر اس جوان کے ساتھ گئی ہے۔ اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ پھر بدری ناتھ
 نے اپنی بیوی سمرتی اور بیٹی بملاک کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ تمہاری چچی اور بہن کھڑی ہیں ان
 دونوں کے ردوبرتنانے اپنے منہ سے کہا کہ وہ یہاں رہنے کے بجائے نیشاپور جائے
 کو ترجیح دیتی ہے۔

ارجن نے زخمی زخمی آواز میں کہا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں۔ نیشاپور اس حماد بن خلدون کے
 ساتھ رہتے ہوئے رتنا کی عزت محفوظ ہوگی۔ بدری ناتھ نے فخریہ لہجے میں کہا۔ مجھے یقین ہے
 وہاں اس کی عزت اس وقت تک محفوظ ہے جب تک وہ اس جوان سے شادی نہیں کر
 لیتی۔ ارجن کا لہجہ کھول اٹھا تو کیا وہ اس جوان سے شادی کرے گی۔ بدری ناتھ نے بیباکی سے
 کہہ دیا۔ حالات ایسے ہی دکھائی دیتے ہیں کیونکہ رتنا کے اطوار سے میں ہی انداز لگایا تھا۔
 کہ وہ اس جوان کو پسند کرتی ہے۔

ارجن نے ڈوبتی ہوئی آوازیں کہا۔ ایک مسلمان جوان کے ساتھ نیشاپور چلے جانے کے
 بجائے اگر راجہ پتھو را زبردستی رتنا سے شادی کر لیتا تو یہ بات میرے لیے زیادہ اطمینان
 بخش ہوتی۔ نیشاپور ایک مسلمان کے ساتھ جا کر رتنا نے ایک ایسا ایمان کیا ہے جس کی سزا
 اسے ضرور ملنی چاہیے اور یہ سزا اسے میں دوں گا اس سے میری سگاتی طے ہے اور میں اس
 سے باز پرس کا ادھیکار رکھتا ہوں۔ بدری ناتھ ارجن کو روکنا نہ گیا۔ پر وہ اپنے گھوڑے کی
 باگ پکڑ کر غصے کی حالت میں حویلی سے باہر نکل گیا تھا۔

چند قدم حویلی سے باہر نکلنے کے بعد۔ ارجن نے اپنے گھوڑے کو وہیں چھوڑا کچھ سوچا ہوا وہ
 مڑا۔ تیز قدم اٹھاتا ہوا دوبارہ حویلی کے اندر آیا۔ اور پھر بدری ناتھ کو مخاطب کر کے کہا۔
 چچا! ایک حماد بن خلدون مسلمانوں کا برنیل بھی ہے۔ اس نے ترائن کی جنگ میں ایسے کارنامے
 دکھائے جن کی بنا پر ہمیں شکست ہوئی۔ آج کل وہ ہندوستان میں مسلمانوں کے حاکم قطب الدین
 کا دست راست ہے۔ کہیں یہی وہ حماد بن خلدون تو نہیں جس کے ساتھ رتنا یہاں سے

گئی تھی
 بدری ناتھ نے چند لمحوں تک غور سے پریشکوک انداز میں ارجن کی طرف دیکھا پھر اس

کی۔ اس کی اس پکار کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ اور ان گنت راجپوت ہتھیاروں اور لوہے سے
 لیس ہو کر دہلی پہنچ گئے۔ چند ہی روز تک دہلی شہر کے اندر اس قدر فوج جمع ہو گئیں کہ راجہ کو یقین
 ہو گیا کہ اس کے ہاتھوں قطب الدین اور حماد کی تباہی لکھی جا چکی ہے۔ وہ اس قدر بے خوف
 اور مدد ہو گیا کہ وہ دہلی شہر کے قلعے سے باہر نکل کر ایک کھلے میدان میں مسلمانوں کے لشکر کا انتظار
 کرنے لگا۔ ابن بھی بھیم سین میں بددی ناتھ سے مل کر دہلی پہنچ چکا تھا۔ وہ پہلے ہی کھانڈے لے کر
 ایک عمدہ جرنیل تھا۔ اب اسکے بیٹے نے ابن کو اپنے ہراول دستوں کا سالار مقرر کر دیا تھا۔
 قطب الدین اور حماد اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی اور سرعت سے ہستنا پور کی طرف بڑھ
 رہے تھے۔ اسلامی لشکر کے ساتھ کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کے علاوہ ہستنا پور کے راجہ نے
 اپنے رواجی مکرو فریب اور تندرید و عیادی سے کام لیا۔ نہر لاکے راجہ بھیم ویلو کا سپہ سالار جیتون جو
 ایک عظیم اور جواد لشکر کے ساتھ ہستنا پور کے راجہ کی مدد کو آیا ہوا تھا۔ راجہ نے اسے اور اپنے
 جرنیل ابن کو اپنے ہراول دستوں اور اس لشکر کے ساتھ جو جیتون لے کر آیا تھا۔ ایک رات
 خفیہ ہستنا پور سے ہانسی کی طرف روانہ کر دیا۔ اس سے اس کا مطلب یہ ہے کہ قطب الدین
 اور حماد کی غیر موجودگی میں جیتون اور ابن دونوں اپنے لشکروں کے ساتھ ہانسی پر حملہ کر کے
 اپنے فتح کر لیں۔ ظاہر ہے۔ ہانسی کا مسلمان حکمران نصرت الدین اپنے مختصر لشکر کے ساتھ
 ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ راجہ کا ارادہ تھا کہ اس کے دونوں جرنیل ہانسی میں نصرت الدین کو شکست دینے
 کے بعد کھرام اور سمانہ کی طرف بڑھیں اور وہاں وہ ترک جرنیل کو شکست دے کر کھرام اور سمانہ
 پر قبضہ کر لیں اس طرح قطب الدین اور حماد کی پشت کمر دہو جائے گی اور ان کے مقبوضات
 ان سے چھین جائیں گے۔ دوسری طرف اگر وہ خود قطب الدین اور حماد کو شکست دینے میں
 کامیاب ہو گیا تو غزنی تک کہیں بھی ان کے قدم جھنے نہ دے گا اور اگر قطب الدین اور حماد نے
 اسے شکست دی تو وہ قلعہ بند ہو جائے گا۔ اتنے عرصے تک جیتون اور ابن بھی نصرت الدین

حماد گھر سے ہو کر پھر ہندوستان لوٹ آیا تھا اور قطب الدین کے ساتھ مصروف عمل ہو
 چکا تھا۔ قطب بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق بہتر بنا رہا تھا۔ ان
 علاقوں کی آبادی اکثریت اسلام قبول کر چکی تھی۔ قطب الدین نے حماد اور جرنیل دونوں جرنیلوں
 کو اپنے پاس رکھا اور ان کے ساتھ مل کر وہ کھرام اور سمانہ شہروں کے نواحی علاقوں کو دُور
 دُور تک اپنا مطیع بنانے میں لگ گیا تھا۔ ایک ترک جرنیل نصرت الدین کو اس نے ہانسی
 کا صوبہ دار مقرر کر دیا اور اس کے تحت ایک مختصر سا لشکر دے کر قطب الدین نے اسے ہانسی
 اور اس کے نواحی علاقوں کے حالات درست کرنے پر مقرر کر دیا تھا۔

اپنے اندر دینی حالات درست کرنے کے بعد قطب الدین نے جرنیل کو کھرام اور
 سمانہ کی حفاظت و نگہبانی پر چھوڑا اور خود وہ حماد کے ساتھ ایک مختصر مگر انتہائی
 تربیت یافتہ لشکر لے کر نکلا۔ اس کا ارادہ اپنی نوزائیدہ سلطنت کی حدود کو وسیع کرنا تھا۔
 طوقان کی طرح وہ دونوں نکلے اور سب سے پہلے میرٹھ پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کی ہندو
 قوت ان کا مقابلہ نہ کر سکی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس فتح پر قطب الدین اور حماد کا
 حوصلہ ایسا بڑھ گیا کہ اپنے اسی مختصر لشکر کے ساتھ وہ آگے بڑھے۔ اب ان کا ارادہ ہندوستان
 کے مرکزی شہر ہستنا پور (دہلی) کو فتح کرنے کا تھا۔

دہلی کے راجہ جو کھانڈے لے کر آئے کا بیٹا تھا اسے جب مسلمانوں کے اس ارادے
 کی خبر ہوئی تو اس نے ارد گرد کے سارے راجاؤں سے دہلی کی حفاظت کرنے کی التماس

۱۔ جیتون ایک راجپوت سردار تھا وہ صرف نہر والا کے راجہ بھیم ویلو کا سپہ سالار ہی نہیں
 اس کا رشتہ دار بھی تھا۔

اور خیمیل کو شکست دینے کے بعد ہستنا پور پہنچ جاتیں گے اور پھر اس وقت قطب الدین اور حماد کو شکست دینا اور آسان ہو جانے کا کیونکہ مسلمان ایک طرف ہستنا پور کے راجہ اور دوسری طرف جیتوان اور راجن کے لشکروں کے درمیان گھر چکے ہوں گے اور انہیں شکست دینا نہایت سہل ہو گا۔ یہ ایک بہترین جنگی چال تھی جو ہستنا پور کے راجہ نے تیار کی تھی اور وہ قطب الدین اور حماد کو اپنے آہنی جال میں پھنسانے کا پورا بندوبست کر چکا تھا۔

جیتوان اور راجن بڑی برق رفتاری سے ہانسی کی طرف بڑھے ہانسی کے مسلمان حاکم نصرت الدین کو اس حملے کی اطلاع ایک روز قبل ہی ہو گئی۔ اس نے عقل مندی اور بیداری کا ثبوت دیا فوراً ایک قاصد روانہ کیا کہ قطب الدین اور حماد کو دوما ہونے والے ان حالات کی خبر کرے اور خود وہ کھلے میدان میں ہندو لشکر کا مقابلہ کرنے کے بجائے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے لگا۔ اس طرح ہانسی کا محاصرہ طول پکڑنے لگا تھا۔



ہستنا پور سے دس میل دور ہی حماد اپنے جتنے کے لشکر کے ساتھ قطب الدین سے علیحدہ ہو گیا اور غیر آبا و ویران جنگلات میں روپوش ہو گیا تھا۔ کسی کو کچھ خبر نہ تھی وہ کدھر گیا ہے صرف قطب الدین اور حماد ہی جانتے تھے کہ ان کے درمیان کیا طے ہوا ہے۔ حالانکہ لشکر کے کسی سپاہی کو کوئی علم نہ تھا کہ ان کے دونوں بریل کسی طریقہ جنگ پر عمل کر رہے ہیں۔ ایک طرف ہستنا پور کا راجہ جیتوان اور راجن کے ذریعے اسلامی لشکر کے خلاف فکر و فریب کا حال بن چکا تھا۔ دوسری طرف قطب الدین اور حماد بھی دشمن پر اپنی بروقت اور اپنی ضرب لگانے کے لیے ایک نئے اور انوکھے عمل کی ابتدا کر چکے تھے۔

ہستنا پور کے راجہ کا خیال تھا مسلمانوں کا لشکر ہستنا پور پہنچ کر پہلے ان کے سامنے پڑاؤ کر لیا پھر خیمہ زن ہو کر کہیں صفیں درست کرے گا اور اس کے بعد جا کر جنگ شروع ہوگی۔ لیکن یہ بات اس کی سوچوں کے خلاف نمودار ہوئی۔ قطب نے ہستنا پور پہنچتے ہی شہر سے باہر خیمہ زن ہندو لشکر پر حملہ کر دیا۔ راجپوتوں نے ڈٹ کر اس حملے کا مقابلہ کیا۔ ان کے حوصلے

قطب الدین کے لشکر کو دیکھ کر پہلے سے کہیں بلند ہو گئے تھے۔ کیونکہ جس قدر لشکر کی وہ امید لگائے بیٹھے تھے قطب الدین کے پاس۔ تو اس سے آدھا لشکر ثابت ہوا تھا۔

مسلمانوں کی قلیل تعداد دیکھ کر ہندو دیوانہ وار اسلامی لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ میں ایک کا مقابلہ تھا۔ شروع کے چند لمحوں تک مسلمانوں نے ایسا زوردار حملہ کیا کہ ایک بار ہندو کو کھلا اٹھے تھے پھر انہوں نے اپنی پوری فوج حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بڑی پامردی سے اس حملے کو روکا اور ہستنا پور سے پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔ دشمن اس پر خوش اور پرگمان تھا کہ وہ مسلمانوں کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

ہستنا پور کا راجہ قطب الدین کو دھکیلتا ہوا جب پانچ میل تک پیچھے لے گیا اور اس کے لشکر کے پیچھے دستے ہستنا پور کی شہر پناہ سے علیحدہ ہو کر دور ہٹ گئے۔ تو ہندو لشکر میں بے کھلم اور شور اٹھ کھڑا ہوا۔ جیسے اسرافیل کا صور بول اٹھا ہو۔ اور ان کے پاؤں تلے سے کمی نے زمین کھینچ کر کرب و بلا کا تصادم شروع کر دیا ہو۔ حماد جو ہستنا پور سے دس میل دور قطب الدین کے لشکر سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دشمن پشت پر حملہ آور ہوا تھا۔ حماد کی راہنمائی میں مسلم مجاہدین اس نادر سحر کی مانند دشمن کے اندر سے کرا گئے بڑھنے لگے تھے جس کی روشنی دو پہر تک بڑھتی رہتی ہیں۔ حماد جب اپنے لشکر کے ساتھ تکبیریں بلند کرتا ہوا دشمن کی پشت سے حملہ آور ہوا تھا تو اس کی تکبیروں کی رائیں کر دشمن کے سامنے پیا ہوتا ہوا قطب الدین کسی سخت چٹان کی طرح ایک جگہ ٹک رہا۔ اس نے بھی تکبیریں بلند کرتے ہوئے اس سختی اور اس مجذوبانہ عمل کے تحت لپکتا کہ دشمن کے سپاہی ان کے سامنے یوں پیچھے ہٹنے لگے تھے جس طرح دریا کی تندہاں کے اندر چوئیاں بے بس ہو کر بہہ نکلتی ہیں۔

ہندو لشکر کے سانسوں کی تسبیح ٹوٹنے لگی تھی اور ہستنا پور کا راجہ اپنے جسم کے بھاگتے خون کی گردش تھمتی ہوتی محسوس کر رہا تھا اسے زندگی میں پہلی بار اپنی حادثہ و شے کا احساس ہو رہا تھا۔ سامنے کی طرف سے قطب الدین چرخ کا ایک سخت تازیانہ اس کے لشکر میں کفر کے سارے نشانات مٹانے لگا تھا جبکہ پشت کی طرف سے

نصرت الدین بجا رہے کیا اس کے خلاف کسی نے سرکشی اور بغاوت کی ہے۔ بلو وہ کہا جبر ہے جو تم ہمارے لیے ہانسی سے ہستنا پورے کر آتے ہو۔

آنے والا ترک آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ یا امیر! دو ہندو جرنیل جیتوان اور ارجن ایک جہاز شکر کے ساتھ ہانسی کا محاصرہ کر چکے ہیں۔ یہ سب کچھ ہستنا پور کے راجہ کی عیاری اور مکاری کا نتیجہ ہے۔ ان کا لائحہ عمل یہ ہے کہ ہانسی میں نصرت الدین کو شکست دینے کے بعد نرمل سے کہرام اور سنا نہ چھین کر آپ پر آپ کی پشت پر سے ضرب لگائی جاتے لیکن ابھی تک وہ آگے نہیں بڑھنے پائے کیونکہ نصرت الدین ہانسی میں محصور ہو کر بڑی جفاکشی اور جرات سے ان کا مقابلہ کر رہا ہے میں آپ کے پاس التجا لے کر آیا ہوں کہ نصرت الدین کی مدد کیجئے ایسا نہ ہو کہ کسی روز

قطب الدین نے اس ترک کی بات اچکتے ہوئے کہا تم ہی کہنا چاہو گے کہ ایسا نہ ہو کہیں وہ شہر کی دیوار توڑنے میں کامیاب ہو جائیں اور ہانسی ہمارے ہاتھ سے نکل جاتے۔ یاد رکھو ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ ہم ان دونوں ہندو جرنیلوں کو کھلے میدان میں ایسی بدترین شکست دیں گے کہ دوبارہ وہ کبھی ہانسی کا رخ کرنے کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں گے۔ پھر قطب الدین نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حماد! حماد! قدرت ہم دونوں کا امتحان لے رہی ہے۔ آؤ مل کر عہد کریں کہ ہم اپنے رب کے سامنے اس ابتلاء و امتحان میں کامل و کامیاب اتریں گے۔ میرے دوست! میرے بھائی! آؤ مل کر عہد کریں کہ اس اجنبی سرزمین میں ہم نے اسلام کا جو پودا لگایا ہے۔ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اسے اپنے خون سے سینچتے رہیں گے کہ آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں ہم اس اجنبی سرزمین میں اپنے پاؤں جمانے میں کامیاب نہ ہوتے تھے۔

حماد نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ یا امیر! حماد بن غلدون آپ کو نابوس نہ کرے گا۔ قوموں کی تاریخ میں ایسے پر آشوب دور آتے ہی دہتے ہیں۔ ایسے حالات سے سرخرو ہو کر نکلنا ہی جنگی مہارت اور بلند ہمتی کا اصل ثبوت ہے۔ قطب الدین نے پھر بولتے ہوئے کہا۔ تو پھر سرخرو! ہم دونوں میں سے ایک کو ہستنا پور کا محاصرہ جاری رکھنا ہو گا اور دوسرے

حماد کو کب و مدار کی طرح دشمن پر چھا گیا تھا۔ اپنے حملوں میں اس نے ایسا طوفان کھڑا کر دیا تھا کہ دشمن کے اندر لہر کے بھرنے پھوٹ نکلے تھے اور وہ یوں محسوس کر رہے تھے جیسے مہمان سپاہی ان کے سامنے اپنے لوح نویں پران کے لیے بدترین حکمتانوں اور ذلت آمیز روشنیوں کو آخری شکل دے رہے ہوں۔

دشمن کے آگے اور پیچھے قطب الدین اور حماد کی شکل میں ایک آشوب مختصر تھا جو بڑھ کھڑا ہوا تھا اور ہستنا پور کے راجہ کی بے ضمیری کے سارے خواب منتشر ہونے لگے تھے۔ ہند سپاہیوں سرعت سے موت کے گھاٹ اترنے لگے تھے جیسے پوندے خود بخود تیزی سے اڑتے ہوئے اپنی موت کے جال کی طرف جاتے ہیں۔

دشمن زیادہ دیر تک قطب اور حماد کے حملوں کی سختی برداشت نہ کر سکے تھے اور ہستنا پور کا راجہ اپنے آدھے سے زیادہ لشکر کو ذبح کرانے کے بعد جنوب کی طرف سے مڑتا ہوا واپس بھاگا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ ہستنا پور میں داخل ہوا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا قطب الدین اور حماد دونوں نے مل کر ہستنا پور کا بڑی تندی سے محاصرہ کر لیا تھا۔

قطب الدین اور حماد اکٹھے بیٹھے ہستنا پور کی فیصل کو توڑنے کی تدبیریں اور تقریریں کر رہے تھے کہ ایک افغان سردار آیا اور قطب الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یا امیر! ان سے نصرت الدین کا ایک قاصد آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ قطب الدین نے چونکتے ہوئے کہا۔ وہ کہاں ہے اسے فوراً میرے پاس بلاؤ۔ اس افغان سردار نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ایک ترک جو اپنے گھوڑے کی باگیں تھامے ہوئے تھا۔ قطب الدین کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ قطب الدین نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیا تم ہانسی سے نصرت الدین کے پاس سے آتے ہو؟

ترک چند قدم اور آگے بڑھنے کے بعد موڈب ہو کر بولا یا امیر! میں نصرت الدین کی طرف سے آپ کے لیے ایک انتہائی بری خبر لے کر آیا ہوں۔ قطب نے ایک باگہری نگاہ سے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے حماد کی طرف دیکھا پھر اس نے معنی خیز آوازیں کہا۔ اس وقت جبکہ ہم ہستنا پور کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے کون سی بری خبر ہو سکتی ہے۔ کیا

کو ہانسی جا کر شہر کا محاصرہ توڑنا ہوگا۔

حماد کسی اچانک پھن اٹھانے والے سانپ کی مانند کھڑا ہو گیا اور ایک عجیب سے جذب و قوت میں اس نے کہا۔ یا امیر! آپ ہستنا پور کا محاصرہ جاری رکھیے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ ہانسی کی طرف روانہ ہوں۔ عنقریب آپ نہیں گئے۔ ہانسی کے باہر کھلے میدان میں دشمن میرے آگے اور میں ان کے تعاقب میں بھاگ رہا ہوں قطب الدین ایک کھڑا ہوتا ہوا الہ۔ تو بھیج تم ابھی روانہ ہو جاؤ۔ میں تمہیں اللہ حافظ کہتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد حماد اپنے حصہ کا لشکر لیکر نصرت الدین کے قاصد کے ساتھ بے تحاشہ اندھی اور بے روک طوفان کی طرح ہانسی کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

پہننے والے ہندو سپاہیوں کو مسلمان اُدپر سے تیز برساکر موت کی گہری نیند سلا رہے تھے۔ اس کے باوجود ان کا اپنا نقصان بھی بڑھ گیا تھا۔ جب مسلمان سپاہی فیصل پر ہتے ہندوؤں پر تیز برسائے کے لیے اپنے برجون سے باہر نکلتے تو سختوں کی دیواروں پر پیچھے پیچھے ہندو تیز انداز ان کا خاتمہ کر دیتے۔ اس طرح مسلمانوں کا نقصان کئی بڑھ گیا تھا۔ اور یہ نیا طریقہ جنگ ہر روز ان کی طاقت کو کمزور کرتا جا رہا تھا۔ ایک روز آدھی رات کے وقت جبکہ مسافران راہ غم کی طرح رات سحر کے دامن کی تلاش اپنے تمام خواب و دیوانوں کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ ہر چیز پر شمع شبستان جیسا سکوت جلوہ دہشت جیسی مصیبت و تازگی تھی۔ حماد اپنے لشکر کے ساتھ نصرت الدین کے قاصد کی راہنمائی میں ہانسی کے صرف پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں اس نے اپنا روک دیا اور اس ترک قاصد سے کہا۔

میں اپنے لشکر کے ساتھ یہیں رکتا ہوں۔ شہر جاؤ اور نصرت الدین سے میرا پیغام اسے کہنا اپنے لشکر کو تیار رکھے اور اس سمت نگاہ رکھے جس طرف میرا لشکر ہے۔ با میرے لشکر کے اندر سے روغن نفث کا جلتا ہوا تیر فضا میں بلند ہوتا اس وقت بھیجے کہ میں دشمن پر حملہ آور ہونے لگا ہوں اس وقت وہ تیار رہے اور جب دیکھتے ہیں پانچ میل کی مسافت طے کر کے دشمن پر ٹوٹ پڑا ہوں تو وہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ سے نکلے اور دشمن پر حملہ کر دے اس طرح ہم لمحوں کے اندر دشمن کے نیچے سے ناکر کا فیہ میں کامیاب ہو جائیں گے اور سنو جب تم شہر میں داخل ہو کر نصرت الدین برا پیغام دے چکو تو فیصل پر کھڑے ہو کر چلتا ہوا تیر میرے لشکر کی سمت چلانا اس طرح اے ایلہان ہو جائے گا کہ نصرت الدین تک میرا پیغام پہنچ چکا ہے۔ اب تم شہر کی راہ روانہ ہو جاؤ۔ میں بڑی بے خمینی سے تمہارے رد عمل کو انتظار کر دوں گا۔

رات کے اس وقت جگمگاتی ہوئی تھی۔ جیوان اور ابن جن کے لشکر ہانسی کی فیصل ایک تیر کی مسافت سے دور وہ کمزور استراحت تھے۔ تاہم لشکر کے ارد گرد دور تک زمین کے اندر بالن نصب تھے جن کے ساتھ بندھی مشعلوں نے ارد گرد

جیوان اور ابن جن نے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ اپنی انتہائی سختی اور بیداری کے ساتھ ہانسی کا محاصرہ کیا تھا۔ اور اندھا دھند تیروں کی بارش کی تھی۔ لیکن ہانسی کے مسلمان حاکم نصرت الدین نے ایسے مجاہدانہ جذبے کے ساتھ مقابلہ کیا تھا کہ شروع شروع میں اس نے ہندوؤں کے دونوں جرنیلوں کو ہانسی کے فیصل کے قریب تک نہ آنے دیا تھا جیوان اور ابن جن نے جب دیکھا کہ اس طرح محاصرہ کرنے سے ہانسی فتح نہیں ہوتا تو انہیں خدشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو وہ ہانسی میں پھنسے رہیں اور مسلمانوں کا اصل لشکر ہستنا پور پر قبضہ کرنے کے بعد سیرھا ان کی طرف رخ کرے۔ وہ بہت جلد ہانسی سے فارغ ہو کر قطب الدین اور حماد کے لشکروں کی پشت جانب سے ضرب لگانا چاہتے تھے۔ پر خدا کو ایسا منظور نہ تھا۔

دونوں جرنیل محاصرے سے تنگ آ گئے۔ آخر انہوں نے ایک اور حربہ آزما یا۔ قریبی جنگل سے انہوں نے بے شمار درخت کاٹے اور انہیں چیر کر ان کی دیواریں اور بیڑھیاں بنائیں۔ وہ سختوں کی ان دیواروں کو جنگی رختوں پر رکھتے ان کی آڑ میں اپنے لشکریوں کو آگے بڑھاتے اور بیڑھوں کی مدد سے فیصل کے اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے۔ کو فیصل

کے سارے علاقے کو روشن کر دیا تھا۔ ان گنت پہریدار لشکر کے چاروں طرف گھوم پھر کر ان کی حفاظت کر رہے تھے۔

ہانسی کا مسلمان لشکر بھی رات کے اس وقت گہری نیند کی طیلان اوڑھے ہوئے تھا۔ شہر پناہ کے اوپر چوکنے پہریدار گھوم پھر کر پہرہ دے دے رہے تھے۔ وہ سب اپنے ہاتھ میں مشعلیں اٹھاتے ہوئے تھے۔ تاکہ یہ اندازہ لگا سکیں کہ تاریکی کی آڑ میں دشمن کی فہمیل چوڑھنے کی کوشش تو نہیں کر رہا۔ شہر کا حاکم نصرت الدین بھی فہمیل کے اوپر پہریداروں کے اندر اپنے ہاتھ میں مشعل لیے جاگ کر اپنے شہر کی حفاظت کر رہا تھا۔

قاصد جو بھی شہر کے مغربی دروازے سے شہر میں داخل ہوا ہے۔ نصرت الدین اطلاع کر دی گئی کہ اس کا بھیجا ہوا قاصد ہستنا پور سے لوٹ آیا ہے۔ نصرت الدین کے یہ خبر جو صلہ افزا تھی وہ فہمیل سے نیچے اتر کر قاصد کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تراپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور نصرت الدین کے پاس اپنے گھوڑے سے اترتے ہوئے نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ نصرت الدین اس سے پہلے ہی بول پڑا تم ہستنا پور سے ہمارے یا کیسی خبر لاتے ہو۔

قاصد نے آگے بڑھتے ہوئے نصرت الدین سے کہا۔ میں انتہائی حوصلہ افزا خبر کر آیا۔ شاید میرا اتنا کہہ دینا ہی کافی ہو کہ میں اکیلا نہیں آیا۔ میرے ساتھ اپنے لشکر کے امیر حماد بن خلدون بھی آئے ہیں۔ نصرت الدین نے بتیاب ہوتے ہوئے پوچھا۔ امیر اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ کہاں ہیں اور ان کا اتنا ہلاک عمل کیا ہوگا۔ وہ یہاں پانچ میل جنوب مغرب کے رخ پر رک گئے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا جب شہر پہنچ کر نصرت کو میری آمد کی اطلاع کو چیک کر میرے لشکر کی سمت جلتا ہوا تیر چلا دینا جو اس بات علامت ہوگا کہ میں آپ کے پاس پہنچ گیا ہوں۔ اس کے بعد ایک روشن تیر امیر حماد کے سے چھوڑا جاتے گا جو ہمارے لیے اشارہ ہوگا کہ امیر دشمن پر حملہ آور ہونے لگے ہیں نصرت الدین نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اب جبکہ امیر حماد کے لشکر کے ساتھ ہمارے لیے پہنچ چکے ہیں تو جان لو کہ دشمن کا یوم مکافات دور دور

نچا ہے اور اب ان بہادر اور نامور جرنیل جیتوان اور ارجن کی حالت ایسی ہی ہو گئی جیسی درندے کے آگے بھاگتے ہوئے ہرنوں کے زخمی اور ہڈھال غول کی ہوتی ہے، قاصد پھر بولتے ہوئے کہا۔ امیر حماد نے کہا تھا۔ جب آپ دیکھیں کہ میں دشمن پر حملہ آور ہو گیا ہوں تو بھی اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے نکل کر دشمن پر حملہ کر دینا ایسی صورت میں دشمن نے سامنے زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکے گا۔ نصرت الدین نے دوبارہ فہمیل کی طرف تے ہوئے ہوئے کہا۔ آؤ شہر پناہ کے اوپر جا کر جلتے تیر کے ذریعے امیر حماد کو تہااری اطلاع کر دیں۔ قاصد خاموشی سے نصرت الدین کے پیچھے ہو گیا اور دونوں بڑی تیزی سے فہمیل پر چڑھنے لگے تھے۔



حماد ایک جنگل کے اندر دو دروازے تک پھیلی ہوئی کچی پٹی زمین میں اپنے لشکر کے ڈھکے ہوا تھا کہ ہانسی شہر کی فہمیل سے جلتے پرول کا تیر فضا میں بلند ہو کر سبز گول ہو گیا۔ دیکھ گیا کہ قاصد شہر میں پہنچ چکا ہے، لہذا اس نے بھی جلتا ہوا ایک تیر فضا میں چھوڑ دیا نصرت الدین کو اشارہ تھا کہ میں دشمن پر حملہ آور ہونے لگا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی حماد نے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور جنگل سے نکل کر وہ بڑی تیزی سے اپنے دشمن کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

گہری نیند سوتے ہوئے ہندو لشکر کے پہریداروں نے جب باری باری ہانسی شہر اور جنوب مغربی جنگل کے اندر سے جلتے ہوئے پرول والے تیر فضا میں بلند ہوتے تو انہوں نے فوراً اس کی اطلاع جیتوان اور ارجن کو کر دی۔ ان دونوں نے اس واقعہ کو نا اہمیت نہ دی اور پہریداروں سے کہہ دیا کہ یوں ہی کسی روشن تیر کو دیکھ کر گہری نیند سے ہوتے لشکر کو جگانا حماقت ہے۔ تاہم وہ دونوں جاگ کر اپنے لشکر کے چاروں طرف نگاہ رکھنے لگے تھے۔

جیتوان اور ارجن نے جب جنوب مغرب کی سمت گھوڑوں کی ان گنت ٹاپوں کی

آواز سنی تو وہ چونکے اور فوراً انہوں نے اپنے لشکر کو بیدار کر کے بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر لیا۔ جیتوان اور ارجن اپنے لشکر کی صفیں باندھ رہے تھے کہ حماد تیز طوفان کی طرح حملہ آور ہوا جیتوان اور ارجن نے اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھا کر اپنی پوری تجربہ کاری سے اس حملے کو روکنا چاہا لیکن حماد ایسی تندی اور ایسی بے باکی سے حملہ آور ہوا کہ دشمن کے اندر وہ دور تک گھس چلا گیا تھا اور دشمن کے لشکر کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

جنگ جس وقت اپنے عروج پر تھی۔ اور حماد دشمن پر حامی ہونے اور چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہانسی شہر کے دروازے کھلے اور نصرت غیظ و غضب میں لشکر اور تکیہ پڑنا دشمن کے دوسری سمت حملہ آور ہو گیا۔ ہندو لشکر اس تیزی سے کٹنے لگا تھا کہ میدان کے اندر ان کی لاشوں کے انبار لگ گئے تھے۔ چند ہی ساعتوں کی انتہائی ہولناک جنگ میں حماد اور نصرت الدین نے دشمن کا آدھا لشکر بیکار کر دیا تھا۔

جیتوان اور ارجن نے جب اپنے لشکر کی حالت زار دیکھی تو انہوں نے متفقہ فیصلے سے اپنے لشکر کو پسپائی کا حکم دے دیا۔ حماد نے نصرت الدین کو اس کے لشکر سمیت ہانسی شہر میں چلے جانے کو کہا اور خود وہ جیتوان اور ارجن کا تعاقب کرنے لگا۔ جیتوان اور ارجن نے ہینتا پور کا رخ کیا۔ حماد ان کے پیچھے پیچھے انہیں مارنا کاٹا آ رہا تھا ہینتا پور پہنچ کر جیتوان اور ارجن نے جب دیکھا کہ قطب نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے تو وہ اپنے شکست خوردہ لشکر کے بچے کچھے سپاہیوں کو نیکر نہر والا کی طرف بھاگ گئے تھے۔

حماد نے نہر والا کی طرف بھی جیتوان اور ارجن کا تعاقب کرنا چاہا تھا کہ قطب الدین نے اسے روک لیا۔ حماد نے اپنے لشکر کو آرام کرنے کا حکم دیا اور قطب الدین اسے خیمے کی طرف لیجاتے ہوئے بولا مجھے اُمید تک نہ بنتی کہ آپ اس قدر جلد ہانسی کی طرف فارغ ہو جاتیں گے اور دشمن کے دونوں جرنیلوں کو اپنے آگے آگے بھیڑوں کی طرح ہانکتے ہوئے لے آؤ گے۔ سنو حماد! ہانسی کی طرف آپ کو روانہ کرتے وقت اپنے دل میں جو ہیں نے آپ سے متعلق اُمیدیں منسوب کی تھیں۔ آپ ان سے کہیں

ہو کہ میرے سامنے آتے ہیں۔

قطب ذرا دکھڑا ہوا جس نے بڑی رازداری سے کہا۔ میرے پاس آپ کا ایک راز ہے۔ میں راز کو ابھی عیاں نہ کرنا چاہتا تھا لیکن آپ کے ہانسی کے اس معرکے نے مجھے ایسا متاثر کیا کہ میں قبل از وقت ہی وہ راز آپ سے کہنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ سنو حماد! ترائن کی دوسری جنگ میں آپ نے کھانڈراتے اور تھورا کو قتل کیا۔ دشمن کے ہاتھوں پر کامی ضرب لگائی اور پھر دشمن کی پشت سے حملہ کر کے آپ نے اسلامی لشکر کی فتح کو یقینی بنا دیا تھا۔ آپ نے اپنے ذہن میں یہ ضرور سوچا ہو گا کہ میں نے اسے فتنہ جذب و ہمت سے جنگ کی اور سلطان نے اس کی تعریف میں آپ سے ایک لفظ تک نہ کہا۔ سنو حماد! سلطان اس روز آپ کو اپنے خیمے میں بلا کر آپ کی تعریف میں بہت کچھ کہنا چاہتے تھے۔ پر وہ یہ سوچ کر خاموش ہو گئے کہ آپ کی کھلم کھلا تعریف کرنے پر ان کے پرانے عزیز ہیں آپ سے حسد کرنا شروع نہ کر دیں اور یہ آپ کے لیے نقصان دہ ہوتا۔ بہر حال غزنی کی طرف روانہ ہوتے ہوئے مجھے یہ کہہ گئے تھے کہ کوئی مناسب موقع دیکھ کر حماد سے کہہ دینا کہ میں اسے ایسا ہی عزیز رکھتا ہوں۔ جیسا ایک باپ اپنے بیٹے کو سلطان نے کہا تھا۔ حماد سے کہنا ترائن کی جنگ میں آپ مرکزی کردار تھے۔ اور آپ کے جانفروشانہ معرکوں کو سلطان کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

سلطان نے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ جب تم قدم جماؤ تو حماد کو کسی علاقے کا حاکم مقرر کر دینا لیکن میں نے سلطان سے التماس کی تھی کہ حماد کو اس وقت تک میں کسی بھی علاقے کا حاکم مقرر نہ کروں گا جب تک ہندوستان کے طول و عرض میں دشمن کی قوت کو کچل کر میں اپنے ہاتھ مضبوط نہیں کر لیتا اور اس وقت تک میں حماد کو اپنی افواج کے سالار کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھوں گا۔ سلطان نے میری اس التماس کو قبول کر لیا تھا۔ یہ سب کچھ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرے اور سلطان کے دل میں آپ کی عزت و احترام ایسے ہی ہے جیسے اپنے نفس اور جان کی زینت و حرمت ہوتی ہے۔

حماد نے انکساری سے کہا۔ میں ایک سپاہی ہوں ایک جرنیل کے بجائے آپ اور

بعد شہر کے اندر قطب الدین نے جامع مسجد کی بنیاد رکھی اور تیزی سے اسے مکمل کرنے کے انتظامات کرنے لگا۔

ہستناپور کی فتح کے بعد قطب الدین ہندوستان کے ایک وسیع علاقے پر چھا گیا تھا۔ تاہم اس فتح کا ایک اور رد عمل بھی ہوا۔ ہندوستان کے سب چھوٹے چھوٹے راجے بنارس کے راجہ جے چند کے گرد جمع ہونے لگے۔ جے چند کا اس اجتماع سے حوصلہ بڑھ گیا اور وہ مسلمانوں کے خلاف زبردست جنگی تیاریاں کرنے لگا۔ دوسری طرف قطب الدین بھی حماد کے ساتھ مل کر حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد و تیار ہو گیا تھا۔ ہندوستان کے آسمان پر پھر کسی بڑی اور گھناؤنی جنگ کے بادل اٹھنا شروع ہو گئے تھے۔

سلطان محمد سے غلام کی سی خدمت لیتے تو بھی میرے دل میں تعریف و داد کی تڑپ اور بھڑکی کی دھند پیدا نہ ہوتی۔ میں ہر اس جنرل ہر اس سپاہی کے شانہ بشانہ دشمن سے جنگ کرنے کو تیار ہوں جس میں مذہب و ملت کا نیک جذبہ اور گہرا خلوص ہو۔ قطب الدین کا خیمہ اگیا تھا۔ اس نے وہاں کھڑے ایک سپاہی کو کھانا لانے کے لیے کہا۔ خود وہ حماد کا ہاتھ پکڑ کر اندر چلا گیا۔ اور دونوں بیٹھ کر ہستناپور کا محاصرہ سخت کرنے اور اسے جلد فتح کرنے کے متعلق گفتگو کرنے لگے تھے۔

دوسرے روز سے قطب الدین اور حماد نے ہستناپور کا بڑی سختی سے محاصرہ شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے شہر پناہ کا مغربی دروازہ توڑنے کی کوشش بھی شروع کر دی تھی۔ حماد نے رات کے وقت دو ایک بار اپنے کچھ لشکریوں کے ساتھ کندل کے ذریعے فصیل کے اوپر جانے کی کوشش کی تھی لیکن اس میں ناکامی ہوئی تھی۔ اوپر سے اس قدر ہیر پلے تیروں کی بھاڑ ماری جاتی تھی کہ نقصان کا اندازہ تک لگانا مشکل ہو جاتا تھا۔ اب قطب الدین اور حماد نے مشورہ کر کے یہ طے کیا تھا کہ شہر کو فتح کرنے کے لیے دو عملی قدم اٹھاتے جائیں۔ ایک تو شہر پناہ کا مغربی دروازہ توڑنے کی کوشش کی جائے دوسرے فصیل کا کوئی کمر درجہ دیکھ کر اسے گرنے کی کوشش کی جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے لکڑی کے بڑے بڑے چھجے تیار کیے گئے جن کے نیچے دھتوں کے پیہے لگا دیئے گئے تھے۔ پہلے ان چھجوں کو دھکیل کر آگے لایا جاتا پھر ان کی اوٹ میں سپاہی شہر کی فصیل کو توڑنے کا کام شروع کرتے۔ دشمن فصیل کے برجوں کے اندر سے انڈھا دھند تیرا دتے لیکن ان لکڑی کے چھجوں کی وجہ سے اسلامی لشکر کا کوئی نقصان نہ ہوتا۔

ہستناپور کے راجہ نے جب دیکھا کہ اس نئے طریقہ جنگ سے مسلمان شہر پناہ کا کوئی نہ کوئی حصہ گرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر قطب الدین کے حوالے کر کے امان کا طلب گار ہوا۔ قطب نے ہستناپور پر قبضہ کر لیا اور کہرام کے بجائے اس نے ہستناپور دہلی کو اپنا مرکزی شہر بنالیا۔ شہر پر قبضہ کرنے کے

ہو ایسی حالت میں دشمن کے قدم ایسے اکھڑیں گے کہ وہ دوبارہ کہیں بھی جم کر جنگ نہ کر سکیگا۔ قطب الدین اور حماد اپنے سپاس ہزار سواروں کے ساتھ سلطان اور اس کے لشکر سے کئی میل آگے نکل گئے تھے۔ ابھی وہ بنارس سے دور ہی تھے کہ راجہ جے چند نے ایک لشکر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ لیکن قطب الدین اور حماد نے اس لشکر کو عبرتناک شکست دی۔ راجہ جے چند کو جب اپنے اس لشکر کی بربادی کا علم ہوا تو وہ خود ایک ہزار اور عظیم لشکر لے کر بنارس سے نکلا۔ اور دیرazon میں ایک کھلے میدان میں قطب الدین اور حماد کے سامنے آیا۔ راجہ جے چند کو علم تھا کہ قطب الدین اور حماد کے لشکر تو محض اسلامی لشکر کے ایک ہرول ہیں اور ان دونوں کے پیچھے پیچھے سلطان خود بھی بنارس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جے چند کے پاس اس قدر زیادہ تعداد میں ہندو جنگجو جمع ہو گئے تھے کہ اسے یقین تھا۔ مسلمانوں کا لشکر کتنا بڑا بھی ہو اور اسے شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ تاہم احتیاط کے طور پر اس نے یہ اقدام کیا کہ پہلے تیزی سے آگے بڑھ کر قطب الدین اور حماد کو ایسی شکست دی جائے کہ دوبارہ وہ بنارس کا رخ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اس کے بعد آگے بڑھ کر سلطان پر ایسی ضرب لگائی جائے کہ سلطان پورے ہندوستان میں ان کے سامنے کہیں بھی قدم جما کر دوبارہ جنگ کرنے کے قابل نہ ہو سکے۔

راجہ جے چند ایسا شیر ہوا تھا کہ خود اپنے لشکر کی قیادت کرتا ہوا وہ آگے بڑھا اور مسلمانوں سے جنگ کی ابتدا کر دی۔ راجہ حالانکہ بوڑھا تھا لیکن ہمت اور شجاعت کے ساتھ اپنی لشکر کی قیادت کرتا رہا تھا اور اس طرف بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے لگا۔ جس طرف حماد اپنے لشکر کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ لیکن اس کی بد قسمتی کہ جب وہ لڑتا لڑتا آگے بڑھا تو حماد جو اپنے سپاہیوں کے حلقے میں طوفانی جنگ کر رہا تھا اس کی نظر جے چند پر پڑی۔ حماد نے موقع غنیمت جانا۔ اپنے ترکش سے تیز نکالا اور ایسا نشانہ باندھ کر راجہ کی طرف چلایا کہ تیرے جے چند کی آنکھ میں جا کر لگا اور

لے مسلمانوں میں سے کسی نے راجہ جے چند کو دیکھا ہوا تھا لہذا جنگ کے دوران کوئی اسے پہچان نہ سکا تھا۔ بعد میں اسے اس نشانی سے پہچانا گیا کہ بڑھا چلے کی دھج سے اس کے دہت کوٹنے چاندی کی تاروں سے بندھے ہوئے تھے۔

تیز رفتار ہر کاروں اور جاسوسوں کے ذریعے سلطان شہاب الدین کو جب یہ خبر ملی پہنچیں کہ قطب الدین نے دہلی فتح کر کے اسے اپنا دار الحکومت بنالیا ہے اور اس کے رد عمل کے طور پر ہندوستان کے اکثر و بیشتر راجے متحد ہو کر بنارس کے راجہ جے چند کی سرکردگی میں ایک ایسے لشکر کی تشکیل کر چکے ہیں جس کی مدد سے وہ قطب الدین کو ہندوستان سے نکال دینے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اس نے اسی وقت اپنے ہزار لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور ہندوستان کی طرف کوچ کر گیا۔

سلطان جب اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کے قریب پہنچا تو قطب الدین اور حماد اپنے لشکر کو لے کر سلطان کا استقبال کرنے کے لیے شہر سے نکلے اور سلطان کی خدمت میں ایک نو عمر بی گھوڑے، ہاتھیوں کی ایک طلاقی اور تقری زنجیر پیش کرنے کے علاوہ سپاس ہزار سواروں کے ساتھ سلطان کے لشکر میں آکر شامل ہوئے۔ سلطان نے ہندوستان میں دونوں کی کارگزاری پر اطمینان کا اظہار کیا اور دونوں کو لے کر آگے بڑھا کہ بنارس اور اس کے گرد جمع ہونے والے راجاؤں کو عبرتناک سزا دے۔

سلطان نے قطب الدین اور حماد کو ان کے لشکر کے سپاس ہزار سواروں کے ساتھ اپنے آگے آگے روانہ کیا۔ تاکہ وہ بنارس میں جمع ہونے والے ہندو لشکر سے جنگ کی ابتدا کریں اور سلطان کسی مناسب موقع پر حملہ کر کے دشمن کے قدم اکھاڑ دے۔ اصل میں سلطان چاہتا تھا کہ دشمن پر عین اس وقت وارد ہو جب وہ قطب الدین اور حماد کے ساتھ بری طرح جنگ میں ہو۔

ایسا کاری اور مہلک ثابت ہوا کہ جسے چند اپنے ہاتھی سے گر کر دم توڑ گیا۔

سلطان بھی اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گیا۔ لیکن اس وقت تک قطب الدین اور حماد دشمن کو شکست دے چکے تھے اس لیے کہ راجہ جسے چند کے مرنے پر اس کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ سلطان قطب الدین اور حماد کے ساتھ دشمن کے تعاقب میں مار دھاڑ کرتا ہوا آگے بڑھا اور ہندو لشکر کا قلع قمع کرنے کے بعد سلطان بنارس شہر میں داخل ہوا۔ اس فتح کی خوشی میں سلطان نے بنارس شہر میں دوبارہ منعقد کیا اور اس دربار میں سلطان کے سامنے وہ ہاتھی پیش کیے گئے جو بنارس کی فتح میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے تھے۔ ان ہاتھیوں میں ایک سفید ہاتھی بھی تھا جو اس دور میں بڑا متبرک اور نایاب سمجھا جاتا تھا۔

بنارس کو فتح کرنے کے بعد سلطان اپنے لشکر کے ساتھ مشرق کی طرف بڑھا اور بنگال تک

جنگ میں ہاتھ لگنے والے سب ہاتھیوں کو جب سلطان کے سامنے سے گزارا گیا تو سب ہاتھیوں نے اپنے اپنے مہادت کے اشارے پر سلطان شہاب الدین کو سلامی دی۔ لیکن جب یہ سفید ہاتھی بادشاہ کے سامنے سے گزارا تو اس نے مہادت کے اشارے پر سلامی نہ دی۔ فیصل بان نے طرح طرح کے جتن کر کے ہاتھی کو سلامی دینے پر مجبور کرنا چاہا لیکن ہاتھی نہ مانا اور فیصل بان کو جان سے مار دینے پر تیار ہو گیا۔ یہ عالم دیکھ کر سلطان نے ہاتھی کو رخصت کر دیا۔ لیکن ہاتھی کی یہ ادا اسے ایسی پسند آئی کہ اس نے اس سفید ہاتھی کو اپنے ساتھ غزنی لیجانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن جنگ سے فارغ ہونے کے بعد سلطان جب غزنی کے لیے روانہ ہونے لگا تو نہ جانے کیا سوچ کر وہ سفید ہاتھی تحفہً قطب الدین کو دے دیا۔ یہ ہاتھی ساری زندگی قطب الدین کے ساتھ رہا اور دونوں میں ایسا انس بڑھا کہ جب قطب الدین فوت ہوا تو اس کے تیسرے روز ہاتھی بھی مر گیا۔

بقول قاسم فرشتہ بنارس سے بنگال تک سلطان نے ایک ہزار مندروں کو مسمار کیا اور دشمن کے ان گنت لشکروں کو کاٹ کر ہندوستان پر ایک زبردست ضرب لگائی تاکہ آئندہ قطب الدین کو کوئی وقت پیش نہ آئے۔

ان گنت شہروں کو فتح کرتا چلا گیا۔ یوں ایک طرح سے سلطان نے قطب الدین اور حماد کے ساتھ مل کر ہندوستان کے نامور راجاؤں کی قوت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ جب سلطان نے دیکھا کہ اب ہندوستان کے راجے ضرور سامان نہیں رہے تو وہ جنگ میں حاصل ہونے والی دولت کو سمیٹ کر اپنے حصے کے لشکر کو لے کر غزنی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

سلطان شہاب الدین کی روانگی کے بعد قطب الدین اور حماد نے کچھ روز تک بنارس میں ہی قیام کیا اور جب وہ دہلی کی طرف روانہ ہونے کے لیے بنارس سے کوچ کی تیاری کر رہے تھے تو انہیں اطلاع ملی کہ دہلی اور اجیر دونوں شہروں میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ مشہور راجپوت سردار چھتر راتے نے ایک عظیم تربیت یافتہ لشکر جمع کر کے دہلی پر حملہ کر دیا تھا۔ دہلی کا قائم مقام حاکم چھتر راتے کے سامنے قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ تاہم چھتر راتے نے اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کے گرد و نواح میں لوٹ مار کا بازار گرم کر کے ہر طرف تباہی اور بربادی کے جال بچھا دیتے تھے۔

دوسری طرف ایک اور راجپوت سردار ہیمراج نے ایسے ہی ایک لشکر کے ساتھ اجیر پر حملہ کر کے شہر فتح کر لیا اور وہاں کے حکمران راجہ کو لاگو وہاں سے نکال دیا۔ راجہ کو لاگو کہ مسلمانوں کا باجگزار تھا لہذا اس کی مدد کرنا قطب الدین کا فرض تھا۔ سلطان کے جانے کے بعد ایک بار پھر ہندوستان کے حالات ابتر ہو گئے تھے لیکن قطب الدین نے ہمت نہ ہاری خود وہ بیس ہزار سواروں کے ساتھ چھتر راتے کی سرکوبی کرنے کے لیے دہلی کی طرف روانہ ہوا اور باقی سوار حماد کو دیکر اجیر میں ہیمراج سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔

ان جنگوں میں سلطان کے ہاتھ اور اس قدر دولت اور جواہرات لگے تھے کہ سلطان جب غزنی کی طرف روانہ ہوا تو یہ دولت چار ہزار اونٹوں پر لدی ہوئی تھی۔

پھترائے نے جب یہ سنا کہ قطب الدین اس کا دماغ ٹھیک کرنے کے لیے اپنے
چیدہ چیدہ میس ہزار سواروں کے ساتھ خود اس کی طرف آرہا ہے۔ تو وہ کانپ گیا پہلے تو
اس نے ارادہ کیا کہ کھلے میدان میں قطب الدین کا مقابلہ کیا جائے لیکن بعد
ملتی کر دیا۔ اس وقت قطب الدین اس کے سر پر اپنی تھا تو وہ اپنے لشکر کو لے کر جمیر کی طرف
بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اپنے راجپوت ساتھی ہیراج کو ساتھ ملا کر قطب الدین کا مقابلہ
کرے گا جبکہ قطب الدین اس کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اور بڑی تیزی اور خونخواری سے وہ
اسے مارتا بھگاتا جمیر کی طرف ہانکے لیے جا رہا تھا۔

حماد اپنے لشکر کے ساتھ جب جمیر پہنچا تو ہیراج نے شہر سے باہر نکل کر حماد سے
جنگ کی لیکن بڑی طرح شکست کھائی اور دہلی کی طرف بھاگ نکلا۔ اس نے بھی یہی سوچا
تھا کہ پھترائے کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے انہیں شکست دوں گا۔ اب ایک طرف
قطب الدین جو پھترائے کو بھگاتا لا رہا تھا تو دوسری طرف حماد ہیراج کے لشکر پر ناقابل
برداشت ضربیں لگاتا اپنے آگے آگے ہانک رہا تھا۔ دونوں لشکر دہلی اور جمیر کے درمیان
ایک دوسرے سے ملے اور جب دونوں کو اپنی اپنی مجبوری اور لاجاری کا احساس ہوا تو مجبوراً
جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ جنگل کے اندر گھمسان کا دن پڑا۔ جس میں ہیراج قطب الدین کے ہاتھوں
اور پھترائے حماد کے ہاتھوں مارا گیا۔ ان کے لشکر کا زیادہ حصہ جنگ میں کام آگیا اور
بچے کچھے سپاہی تارکی کا سہارا لیکر اپنے زخم چاٹتے ہوئے نہر والا کی طرف بھاگ کھڑے
ہوئے۔

جیم دیو راجہ نہر والا کو جب راجپوتوں کی اس شکست کا علم ہوا تو اس نے اپنے نامور
جرنیل جیتوان اور ارجن کو ان کی مدد کو روانہ کیا۔ نہر والا کے قریب ہی ایک بار پھر راجپوتوں
نے قطب الدین سے جنگ کی جس میں ہند کا عظیم سپہ سالار جیتوان ایک گناہم مسلمان
سپاہی کے ہاتھوں مارا گیا اور یقیناً سیف لشکر کو لے کر ارجن نہر والا کی طرف بھاگ گیا۔
قطب الدین اور حماد دہلی کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

قطب الدین نے دہلی میں کچھ عرصہ ہی قیام کیا تھا کہ اسے اطلاع ملی ہندوستان کے
ب راجپوت راجہ نہر والا کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ راجہ نے ارجن کو اپنا سپہ سالار بنالیا تھا اور
مسلمانوں کو برباد کرنے کے لیے اس نے پیشہ دار جنگجو راجپوتوں کا ایک زبردست لشکر تیار
رہا تھا۔ ایسا طاقت ور اور ہر لشکر اس سے قبل قطب الدین سے جنگ کرنے کے لیے کسی
بھی راجہ کے پاس جمع نہ ہوا تھا۔ یہ لشکر نہر والا سے نکلا اور جمیر کی طرف روانہ ہوا۔ انہوں نے
نہر کھائی تھی کہ جمیر کو فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کریں گے اور ہر صورت میں اسے
نہروں کے تسلط سے آزاد کرانے کریں گے۔

قطب الدین اور حماد بھی اپنے لشکروں کو لے کر نکلے اور جمیر سے دُور ہی انہوں
نے دشمن کا راستہ روک لیا۔ راجپوتوں کے ساتھ گھمسان کا دن پڑا تھا۔ بد قسمتی سے جب
جگ اپنے عروج پر تھی۔ قطب الدین کا گھوڑا زخمی ہو کر گر پڑا اور قطب الدین بُری طرح زخمی
ہو گیا تھا۔ زمین پر گرنے کے بعد قطب الدین اٹھ نہ سکا تھا۔ مسلمان سپاہیوں نے سمجھا شاید
ان کے امیر جنگ میں کام آچکے ہیں۔ لہذا ان کی ہمت جواب دے گئی اور وہ پسپا ہونا
شروع ہو گئے۔

حماد بھی قطب الدین کے قریب ہی جنگ کر رہا تھا۔ اس نے قطب الدین کو زخمی
نات میں گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ برق کے شرارے کی مانند پک کر
گے بڑھا اور قطب الدین کو اٹھا کر اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور اسے دشمن کے حلقے سے
اُپر نکال کر لے گیا۔ حماد جس وقت زخمی قطب الدین کو لیکر ہندوؤں کے زور سے دُور سے
بادھا تھا۔ ارجن اس کی طرف بڑھا اور اسے لٹکا رہے ہوئے کہا۔ میں نے سنا ہے تم ہی
نابین خلدون ہو۔ سنو امیرا نام ارجن ہے اور میں رتنا کا منگیتہ ہوں اگر تم میں جرات اور
ہمت ہے تو آؤ میرے ساتھ مقابلہ کرو۔ یاد رکھو تم نے رتنا کو نیشا پور لیجا کر جو گناہ کیا ہے۔
اب نہیں اس کی مضر ضرور دوں گا۔

حماد نے ارجن کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور نہ ہی وہ اس کے مقابلے پر آیا کیونکہ
ان کے سامنے اول کام زخمی قطب الدین کو میدان جنگ سے باہر نکال لیجانا تھا۔ لہذا وہ

اپنے گھوڑے کو سر پیٹ دوڑاتا ہوا دوڑ چلا گیا۔ ارجن نے اسے حماد کی بزدلی جانا اور زیادہ قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اہتر صورت حال کو دیکھ کر حماد نے اپنے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دیا اور بھاگ کر اجمیر شہر میں قلعہ بند ہو گیا۔ ارجن اس کا تعاقب کرتا ہوا آیا اور اجمیر کا محاصرہ کر کے بیٹھ گیا۔

غزنی میں سلطان شہاب الدین کو جب قطب الدین کے زخمی، حماد کی مجبوری اور ہندوستان میں مسلمانوں کے لشکر کی اتر حالت کی خبر پہنچی تو اس نے اپنے نامود جرنیلوں، اسد الدین، ارسلان خلج، اسلام خان، نصر الدین حسین، اعز الدین مزیدار و شرف الدین کی گولگی میں ایک زبردست لشکر حماد کی مدد کے لیے روانہ ہو گیا اور یہ جان باز جرنیل سرانگی کلیف سردی کی پرواہ کیے بغیر تند بگولوں کی طرح اجمیر کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

اجمیر میں چند ماہ محصور رہنے کے بعد حماد نے اپنے لشکر کی حالت کو درست کر لیا۔ اس عرصے میں قطب الدین کے زخم بھی مندمل ہو گئے تھے اور جب انہیں اطلاع ہوئی کہ غزنی سے ایک لشکر ان کی مدد کے لیے آکر اجمیر سے باہر خیمہ زن ہو چکا ہے تو انہیں اور زیادہ تقویت ملی اور انہوں نے شہر سے باہر نکل کر کھلے میدان میں دشمن سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

راچپوتوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے غزنی سے بھی ایک لشکر آن پہنچا ہے تو انہوں نے ارجن کو سمجھا یا کہ ہمیں اجمیر کا محاصرہ اٹھا کر پسپا ہو جانا چاہیے ایسا نہ ہو ہندوستان میں ہمدردی رہی ہو قوت کا خاتمہ ہو جائے۔ ایک تجربہ کار راچپوت نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جس لشکر کے ساتھ ہم نے اجمیر کا محاصرہ کر رکھا ہے اسے قطب الدین اور حماد جب چاہیں شکست دے سکتے ہیں۔ لیکن وہ کسی مصیحت کے تحت۔ اجمیر شہر میں محصور ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ راچپوتوں کا وہ لشکر قطب الدین اور حماد کے سامنے کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ وہ اسے میدان جنگ میں ہی شکست دے چکے ہوتے۔ اگر قطب الدین کے زخمی ہو کر گرنے کے باعث مسلمان لشکر میں اتری کے آثار پیدا نہ ہو جائے۔

ارجن نے اپنے کسی سردار کی بات نہ مانی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ مسلمانوں کو غرور

لست دے گا۔ اس کا ارادہ تھا۔ غزنی سے آنے والے لشکر پر فی الفور حملہ کر کے یہاں سے ہٹا دیا جائے اور پھر قطب الدین اور حماد کا محاصرہ کر کے انہیں ذلت آمیز شرائط قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس مقصد کے تحت ارجن راچپوتوں کو لے کر غزنی سے آنے والے لشکر کے سامنے صف آرا ہو گیا۔

ابھی جنگ کا آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ قطب الدین اور حماد شہر سے نکلے اور راچپوتوں پر مار کر دیا۔ یہ حملہ ایسا سخت اور چڑکا دینے والا تھا کہ راچپوت اپنے قدم نہ جما سکے اور شکست کھا کر بھاگ نکلے غزنی سے آنے والے لشکر کو جنگ میں حصہ لینے کا موقع ہی ملا تھا اور ارجن ذلت آمیز شکست اٹھانے کے بعد نہروالا کی طرف بھاگ گیا تھا۔

قطب اور حماد جب غزنی سے آنے والے لشکر میں آکر اپنے جرنیلوں سے مل رہے تھے تو کسی نے پیچھے سے حماد کو پکارتے ہوئے کہا۔ انخی! انخی! حماد!۔ حماد نے جب مڑ کر دیکھا تو حسن اسے پکار رہا تھا اور حارث اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ حماد اور قطب الدین دونوں ان کی طرف بڑھے پہلے وہ ان سے بغلیکے ہوئے پھر حماد نے حارث کو مخاطب کر کے کہا۔ میں اُمید بھی نہ کر سکتا تھا کہ غزنی سے آنے والے اس لشکر میں تم دونوں بھائی بھی شامل ہو گے۔ کیا یہاں سے جانے کے بعد تم گھر گئے تھے۔

حارث کچھ کہنے والا تھا کہ حسن پہلے ہی بول پڑا۔ انخی! ہندوستان سے سلطان کے ساتھ غزنی جانے کے بعد ہم چند دن کے لیے گھر گئے تھے۔ امی اور ابی آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ قطب الدین نے حماد کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ حماد تم حارث اور حسن سے باتیں کرو میں لشکر کے شہر کی طرف کوچ کرنے کے انتظامات کرتا ہوں۔

قطب الدین جب وہاں سے چلا گیا تو حارث نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے ٹکایا تھا۔ انخی! یہ حسن مجھے بہت تنگ کرتا ہے۔ رات کو میرے جوتوں میں پانی بھر دیتا ہے۔ ہم دونوں بھائی جب گھر ملنے گئے تو پانی نے مجھے نیشا پور سے ایک نئی تودہ خرید کر دی تھی۔ میری پہلی زدہ بوسیدہ ہو چکی تھی۔ گھر سے جب ہم واپس غزنی گئے تو پہلی ہی رات جب میں نے سوتے وقت اپنی زدہ اتار کر دکھی تو اس نے میری زدہ پر قبضہ کر لیا۔ اب

یہ میری زمرہ نہیں لوثاتا۔

رتنا نے تو حسن کے متعلق کچھ بھی نہیں سمجھا جس نے کاٹ کھانے والی آواز میں کہا۔ میری بہن کوئی حادثہ بھائی کی طرح غیبت گر تھوڑی ہی ہے۔ انہی حادثات بھائی نے آپ کو بہن کا خط دیا ہے۔ تو میں آپ کے لیے کھانے کی ایسی ایسی مزیدار چیزیں لایا ہوں کہ آپ یاد ہی کرینگے یہ آپ کے لیے ماں اور رتنا بہن نے تیار کی تھیں

حسن بولتے بولتے رگ گیا کیونکہ لشکر شہر کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ حماد نے حادثہ اور حسن سے کہا۔ آؤ میرے ساتھ باقی باتیں اور شکایتیں پھر ہونگی۔ تینوں بھائی لشکر کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ قطب الدین اور حماد نے اس متحدہ لشکر کے ساتھ چند روز تک اجیر شہر میں قیام کیا۔ پھر اجیر میں ان کی قلعہ بندی کے دوران مختلف شہروں کے اندر جن ہندو راجاؤں اور سرداروں نے علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ ان کی سرکوبی کے لیے لشکر کے کئی حصے کیے گئے اور انہیں مختلف جرنیلوں کے تحت ان بغاوتوں کو کچلنے کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ خود قطب الدین اجیر میں ہی مقیم رہا جبکہ حماد اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کے ارد گرد کی علاقوں کو فرو کرنے کے لیے دہلی روانہ ہو گیا تھا۔ حادثہ اور حسن اسلامانہ حلیے کے ماتحت دیوانے سرسوتی اور اس کے جنوبی علاقوں کی طرف روانہ کر دیئے گئے تھے۔



ایک روز جبکہ بدری ناٹھ، سادتری اور بھلا کٹھے بیٹھے اپنے کسی گھر پر۔ وہ موقع پر گفتگو کر رہے تھے۔ جوہلی کے بیرونی دروازے پر کسی نے دستک دی۔ تینوں اٹھ کر باہر آئے۔ سورج مغرب کی طرف جھکتا ہوا اپنی ہستی کی فنا گاہوں کی طرف رواں تھا اور گیان اپنے کمرے سے نکل کر جوہلی کے بیرونی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

گیان نے جب دروازہ کھولا تو دروازے کے قریب ہی حادثہ اور حسن اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے کھڑے تھے۔ گیان چند لمحوں تک دونوں بھائیوں کو غور سے دیکھتا رہا پھر اس نے حسن اور حادثہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اگر میں غلطی پر نہیں اور میں نے تم دونوں کے چہروں سے غلط اندازہ نہیں لگایا تو تم دونوں کے نام حادثہ اور حسن ہو سکتے ہیں۔

حماد نے تیز لنگاہوں سے حسن کو گھورتے ہوئے کہا۔ حسن! بڑے بھائی کو اس طرح تنگ کرتے ہیں۔ حادثہ کی زمرہ لوثا دو۔ میں تمہیں آج ہی اجیر سے نئی زمرہ خرید دوں گا۔ آئندہ مجھے شکایت ملی کہ تم حادثہ کے جوڑوں میں پانی بھر دیتے ہو تو میں تمہیں مار دوں گا۔ حادثہ نے پھر شکایت لگاتے ہوئے کہا۔ انہی ایہ گھر جا کر رتنا بہن کو بھی تنگ کرتا ہے۔ اس بار جب یہ میرے ساتھ گھر گیا تو اس وقت جبکہ رتنا بہن کھانا تیار کر رہی تھیں اس نے مٹھی بھر نمک ہانڈی میں ڈال دیا۔ لیکن ماں! اسے دیکھ رہی تھی اس نے اسے موقع پر ہی کان سے پکڑ لیا اور ابی سے شکایت کی۔ ابی نے اسے اس روز خوب سنائی پر اس چپنے پتھر پر کوئی اثر ہی نہیں ہے انہی!

حماد حسن کی شرارتیں سن کر ہنسنے لگا تھا جس نے منہ لبورتے ہوئے کہا۔ انہی! یہ کوئی عقلمندی ہے کہ اپنے گھر کی باتیں یوں سرعام کی جاتیں۔ حماد نے اسی طرح ہنستے ہوئے کہا۔ تو تم شرارتیں کرتے ہی کیوں ہو۔ کیا تمہارا کھانا مضمین نہیں ہوتا جس نے غصیلی انگلیوں سے حادثہ کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔ کچھ اور ہو تو وہ بھی کہہ لو۔ حادثہ نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ دو اور بھی شکایتیں ہیں وہ بھی کہہ دوں گا۔ حسن نے ڈھیٹ ہو کر کہا۔ کہہ لو کہہ لو۔

حادثہ نے پھر حماد سے کہا۔ انہی اس نے رتنا بہن سے دو اور شرارتیں بھی کہیں۔ ایک روز وہ سو رہی تھی اس کا منہ ذرا سا کھلا تھا کہ اس نے اس کے منہ میں ربڑ ڈال دی جب بہن بولکھلا کر اٹھی تو یہ وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ ایک روز بہن کھانا پکا رہی تھی کہ اسے پھر کوئی شرارت سوجھی اس نے اپنے کمرے میں بھاگ دوڑ کر کے ایک چھپکلی پکڑی پھر دروازے کی اوٹ میں ہو کر بہن کے پاؤں پر چھپکلی چھینک دی۔ بہن ایسی خوفزدہ ہوئی کہ چیخیں مارتی ہوئی باورچی خانے سے باہر بھاگ گئی۔ اس روز بھی ماں نے اسے خوب سنائی تھیں۔

پھر حادثہ نے جبیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ ماں انہی! میرے پاس آپ کے لیے زنا بہن کا خط بھی ہے۔ اس نے خط میں بھی اس کی شرارتوں کا ذکر کیا ہوگا۔ حادثہ نے خط حماد کو دکھا دیا اور وہ کھول کر پڑھنے لگا۔ پھر خط نہ کرتے ہوئے اس نے حادثہ سے کہا۔

ہاں مجھے معلوم نہیں تم دونوں میں سے حادث کون اور حسن کون ہے۔

حادث کچھ کہنے والا تھا کہ حسن کو کوئی شرارت سوچھی اور اس نے گیان سے کہا یقیناً تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے اور تمہارا اندازہ درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہم دونوں میں سے نہ کوئی حادث اور نہ ہی حسن ہے تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ ہم حادث اور حسن ہیں۔ گیان نے پریشان کا اظہار کرتے ہوئے کہا حیرت ہے تم دونوں کے چہروں کے نقوش میں آقا حماد کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

حادث غصے سے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حسن نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا اور گیان سے کہا۔ ایک نجی کام کے سلسلے میں ہم دونوں بدری ناتھ سے ملنا چاہتے ہیں یہیں ان کے پاس لے چلو۔ گیان نے حویلی سے باہر سادری اور بلال کے ساتھ کھڑے بدری ناتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ وہ سامنے کھڑے ہیں۔ آپ میرے ساتھ آئیے۔

گیان جب آگے بڑھنے لگا تو حادث نے اسے روکنے ہوئے پوچھا بھائی تمہارا نام کیا ہے۔ گیان نے مڑ کر کہا۔ نام تو گیان چند ہے۔ پر لوگ مجھے صرف گیان ہی کہتے ہیں۔ حادث نے غفلت کی حالت میں حسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گیان سے کہا بسو گیان! میرا نام حادث ہے اور یہ میرا چھوٹا بھائی حسن ہے۔ اس کی طبیعت شرارتی اور مزاحیہ ہے۔ اس نے تم سے مذاق کیا ہے کہ ہمارا حماد سے تعلق نہیں ہم دونوں حماد کے چھوٹے بھائی۔ نیشاپور سے بہن رتنا کا ایک پیغام لے کر آئے ہیں۔ اس کے علاوہ حماد بھائی بھی ملے تھے وہ تم سب کو سلام کہتے تھے۔

گیان مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور دونوں سے ان کے گھوڑوں کی باگیں لیتے ہوئے کہا جب آپ حادث اور حسن ہیں تو پھر اجنبیوں کی طرح باہر کیوں کھڑے ہیں۔ اندر آجائیں یہ حویلی آپ کی اپنی ہے۔ گیان دونوں کو لے کر آگے بڑھا اور حسن میں گراں نے بدری ناتھ سے کہا۔ یہ حادث اور حسن ہیں۔ آقا حماد کے چھوٹے بھائی۔ بدری ناتھ نے آگے بڑھ کر دونوں سے بغلیں کرتے ہوئے کہا۔ تم دونوں اس حویلی کے بیٹے ہو۔ یوں اجنبیوں کی طرح

باہر کیوں کھڑے رہے۔ حادث نے اپنی جیب سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکال کر بدری ناتھ کو دکھاتے ہوئے کہا۔ یہ آپ کے نام رتنا بہن کا خط ہے۔ بدری ناتھ۔ سادری اور بلال تینوں پڑھنے لگے۔ ان کے چہروں پر خوشی کی لہریں بکھر گئی تھیں۔ جب وہ خط پڑھ چکے تو بدری ناتھ نے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ اللہ تیرا شکر ہے کہ وہ نیشاپور میں سلامت اور خوش ہے۔

بدری ناتھ کے اس جملے پر حادث اور حسن چونک سے پڑے۔ بدری ناتھ نے اب دونوں کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ آئیے اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔ آپ دونوں بھائی آتے ہیں تو کچھ روز ضرور اس حویلی میں رہیں۔ حادث نے فضاؤں میں بھیلی تادیکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ہمارا نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم پہلے نماز پڑھ لیں۔ بدری ناتھ نے انہیں اندر لے چکے ہوئے کہا سب کچھ حویلی کے اندر ہی ہو جائے گا تم دونوں بھائی میرے ساتھ آؤ وہ دونوں اس کے ساتھ ہو لیے۔

گیان بھی اصطبل میں گھوڑے باندھ کر حویلی میں آگیا تھا پہلے چادروں نے مل کر مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر وہ اکٹھے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے تھے۔ سادری اور بلال سوئی میں کھانا پکانے لگ گئی تھیں۔

پوچھا۔ کون آیا ہے بابا!۔ خلدون نے بڑی ہنجیدگی سے کہا۔ تم خود ہی اندر جا کر دیکھ تو تمہارے کوئی رشتہ دار ہی ہیں۔ تم اندر جاؤ۔ میں کھیت سے ان کے لیے سیب توڑ کر لاتا ہوں۔ رتنا بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ پر خلدون کھیت کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے ذہن میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ کیا آنے والا ہمان میرا حما نہیں ہے۔ اگر وہ نہیں ہیں تو پھر یہ کون میرے رشتہ دار ہیں۔ اس کے ذہن نے ایک مہر لوہڑھو کر لگائی۔ اس بھرے سنسار میں حما کے علاوہ کون ہے جو تیرا رشتہ دار ہے پھر اس نے خود ہی اپنے دل کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ بابا نے مجھے تنگ کرنے کی خاطر کہا ہو گا۔ ضرور حما وہی گھر آتے ہوں گے۔

بڑی تیزی سے وہ گھر کی طرف بڑھی۔ پانی کا برتن اس نے رکھا اور زبیب کے پاس آئی۔ وہ باورچی خانے میں کھانا پکا رہی تھی۔ رتنا نے بتائی سے پوچھا۔ کون آیا ہے اماں۔ زبیب نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ میں نہیں جانتی کون ہیں بیٹی۔ وہ دس بارہ ہیں تمہارے بابا ہی سے انہوں نے کچھ کہا ہے۔ میں ان کے لیے کھانا تیار کر رہی ہوں۔ جاؤ ملوان سے اور دیکھ لو کون ہیں۔ وہ دیوان خانے میں بیٹھے ہیں۔

رتنا دیوان خانے سے ملحقہ اس کمرے میں آئی جو حما کا تھا اور اب اس کے استعمال میں تھا۔ دونوں کمروں کے درمیان مصری سوت کے لٹکتے ہوئے پردے کو ذرا ہٹا کر جب اس نے اندر دیکھا تو وہاں ارجن اپنے دس بارہ ساتھیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ارجن نے بھی رتنا کو اندر جھانکنے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

رتنا فوراً پیچھے ہٹ گئی اور نہ جانے کن سوچوں میں کھو گئی تھی۔ ارجن فوراً لپٹا اور دوسرے کمرے میں داخل ہوا جہاں رتنا اب ایک پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ گہری سوچوں میں کسوٹی ہوئی تھی جیسے اپنے گم گشتہ ماضی کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ ارجن رتنا کو دیکھ کر دنگ سا رہ گیا تھا۔ نیشا پورا کر وہ اور زیادہ حسین اور پرکشش ہو گئی تھی۔ اس کا رنگ پہلے سے نازہ تازہ اور نازخی شعلے جیسا ہو گیا تھا۔ اس بے خود اور سرور کر دینے والے حسن میں بہار کے گلابوں کی پیکٹھریوں جیسا اس تھا۔ اس کے چہرے کی رنگ آمیزیاں اور جسم کی نقش طرازیں کہیں زیادہ دلربا اور جاذب نظر ہو گئی تھیں۔

دن بھر کے رماش رنگ کے بعد سورج غروب ہونے کے لیے مغربی کوہستانوں کے پیچھے قرار دل کی خاطر مجنونانہ تب و تاب کے ساتھ چھپنا جا رہا تھا۔ کائنات کی ہر چیز نظارہ گستر ہو گئی تھی۔ رتنا کوہستانوں کے دامن میں چشمنے کے قریب جمع ہو جانے والے شفاف نیلے پانی میں ٹانگیں ڈبوئے اپنا وہی گیت گارہی تھی۔ وہی گیت جس میں مبہم وصل اور دھند کی امید تھی۔ سرسری طرب اور سطحی مسرت کے چشمنے تھے۔ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر وہ اپنے محبوب کے انتظار میں پورے ذوق و حرارت سے گارہی تھی اور اس کی سرخ و سفید اور گوشت سے بھر پور ٹانگیں پانی کو چپکا چونکر رہی تھیں۔ اس کے انداز بیان میں ایک غم اور آس تھی اور کوہستانی دامن میں اس کے لفظوں کی چاندنی دور دور تک بکھر رہی تھی۔ چشمنے کے کنارے وہ اداس بیٹھی تھی اس بہن کی طرح۔ اس آہو کی مانند جس کا نافرمانی مشک کہیں کھو گیا ہو۔ اس کے ہاتھوں میں دو پھول تھے اور اس کے سر کے بال پریشان ہو کر اڑ رہے تھے۔ اچانک رتنا کے کانوں میں کسی کی آواز پڑی رتنا! رتنا! رتنا فوراً کھڑی ہو گئی اور پہاڑ کی یلندی کی طرح دیکھا۔ پورے خلدون اوپر کھڑا اسے پکار رہا تھا۔ رتنا نے فوراً نیچے جھک کر پانی سے بھر ہوا برتن اٹھا لیا۔ خلدون کی آواز پھر اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ جلد گھبراؤ بیٹی! ہمان آئے ہیں۔ رتنا پانی کا برتن لے کر کسی شائق اور خواص کی سی پھرتی کے ساتھ پہاڑ پر چڑھنے لگی۔ اسے یقین تھا کہ آنے والا ہمان اس کا حما وہی گا۔

پہاڑ کے اوپر اگر اس نے اپنی پیار بھری آواز میں طائر خوش نوا کی طرح چبکتے ہوئے

ابن میں نے ابھی شادی نہیں کی لیکن بہت جلد ان سے میری شادی ہو جائے گی۔ ابن کی آواز کہیں دُور سے سنائی دی۔ وہ کون ہے جس سے تمہارا بیاہ ہوگا۔ رتنا نے جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ میرا مہتر، میرا سوامی، میرا ناتھ۔ اور میرا سہاگ ہیں۔ ان کی محبت نے میری زندگی کے چار کھونٹ اجالا کر دیا ہے۔ میں ان کے ساتھ جیون بنانے کا پرتین (ارادہ) کر چکی ہوں۔ میں اپنے آپ کو ان کے چرنوں کی کھڑاؤں سمجھتی ہوں۔ ان کے بدلے مجھے کوئی راج پاٹ دے تو بھی نہوں اس لیے کہ ان کے چرنوں میں ہی میری شادی اور آسودگی ہے۔ وہی میرے دھرم کرم کے مالک ہیں۔

ابن نے جلتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ کیا وہ مجھ سے بھی زیادہ کوہیل، بلونت اور مہابی ہے۔ رتنا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ سنو ابن، تم ان کے چرنوں کی دھول کے برابر بھی نہیں ہو۔ تیرا ان کا فرق وہی ہے۔ جو راجہ اور بھکاری میں ہے۔ وہ تجھ سے اسی طرح نمایاں ہے جس طرح مندر میں کا تیری، سناروں میں چاند روشن کروں میں سورج اور آدمیوں میں راجہ ہے۔ ابن نے بڑی امید و آس میں کہا۔ رتنا! رتنا یہ مسلمانوں جیسی دھج بنا کر کیا تو میرا مذاق اڑا رہی ہے یا تو دلیسے ہی نروید (ہندوؤں کی دیدوں کو نہ ماننے والا) ہو گئی ہے۔ بتا یہ تو نے اپنی کیا دشا پناہی ہے۔ رتنا نے تیز لہجے میں کہا۔ میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہی میں اب مسلمان ہوں۔ یہ گھرا بھرا اپنا گھر ہے۔ اس گھر میں میرا ہونے والا ٹوہرا اور میرے ماں باپ ہیں اور یاد رکھو شوہر سر کا تاج، ماں زمین سے بھاری اور باپ آگاش سے بھی اُونچا ہوتا ہے۔

ابن نے جھنکا کر کہا۔ کیا تو نہیں جانتی۔ مجھ سے تیری سگائی ہے۔ تم نے میری اجازت کے بغیر یہاں آکر پیاب اور گناہ کیا ہے۔ رتنا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ میں کسی سگائی کو نہیں جانتی بچپن میں اگر ہم دونوں کے والدین نے ہمیں ایک دوسرے سے منسوب کر دیا تھا تو یہاں کی غلطی ہے۔ یاد رکھو ابن! میں یہاں ادھل کر آیا اور ہر گز نہیں آتی نہ ہی میں یہاں کسی کی دھریل اور داشتہ ہوں۔ یہ گھر حماد بن خلدون کا ہے جن سے میں پریم کرتی ہوں ان ملے سے اب یہ گھر میرا اپنا گھر ہے۔ اس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک پتھر سے

ابن جب دوسرے کمرے میں آیا تو رتنا کو دیکھ کر اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے برسوں سراب کے اندر بھٹکتا ہوا مسافر پانی کی حسین اور شفاف ندی کنارے کھڑا ہو ابن چند لمحوں تک بڑے شوق و جذب اور دار فتگی و تمنّا کی حالت میں کھڑا رتنا کو دیکھتا رہا پھر اس نے اسے پکارا۔ رتنا! رتنا! رتنا نے سڑاٹھا کہ ابن کو دیکھا بالکل ایسی حالت گویا سرفروہ اندھیروں میں کسی پہریدار کی نیند اچاٹ ہو گئی ہو۔ وہ کھڑی ہو گئی اور بیزار سے لہجے میں کہا۔

تم یہاں کیا کرنے آتے ہو۔ رتنا کی آواز ایسی تھی جیسے مردہ لفظوں کی زنجیریں اس کے گلے کا پھندہ بن رہی ہوں۔ ابن آگے بڑھتا ہوا بولا۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ رتنا نے عجیب سے طنز و قہر لیں میں کہا۔ میں اب کہیں نہیں جاسکتی۔ ابن پھر بولا۔ میں تمہاری خاطر کس قدر طویل سفر طے کر کے آیا ہوں میں تمہیں اپنے ساتھ ہندوستان لے کر جاتا ہوں۔

رتنا اب کافی حد تک مبھل چکی تھی اپنے الفاظ میں اس نے زور پیدا کرتے ہوئے کہا میرا گھر ہندوستان نہیں نیشاپور ہے۔ اس سرزمین سے میرا کوئی تعلق واسطہ، کوئی لگاؤ بندھن اور کوئی رباط و انکاؤ نہیں ہے۔ میں اس سرزمین کو بھول چکی ہوں۔ جہاں سنگ اور گھڑیاں بکتے ہیں۔ جہاں ہری کرشن ہری رام کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ میں کسی کے ساؤ جنگلوں، کھٹوں، اترائیوں اور ندیوں کو پار کر کے یہاں آئی ہوں۔ یہ وہی بستی ہے جس کی گائی گلیوں، جس کے دامنوں اور کوہ سادوں کے میں نے خواب دیکھے تھے۔ میں اس دھرم کو بھول چکی ہوں اس دیس کو فراموش کر چکی ہوں۔

ابن نے تیز نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ تو کیا تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم ہندو دھرم چھوڑ چکی ہو۔ رتنا اپنے سرمست عالم میں پھر لوہی۔ تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں اب ہند نہیں مسلمان ہوں۔ میرا خدا بڑا قادر ہے اور میں اس نبی پر ایمان رکھتی ہوں جو اس کائنات ہی نہیں۔ دونوں جہانوں کے لیے رحمت حق کا نذرانہ ہیں مجھے فخر ہے کہ محمد اللہ میں مسلمان ہوں۔ ابن نے تیز لہجے میں پوچھا کیا تم نے یہاں آکر کسی سے شادی کر لی ہے۔

ہوں کے حلقے کے اندر سے بھی زخمی قطب الدین کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ تو نے انہیں وقت مقابلے کے لیے لٹکا دیا تھا جب وہ قطب الدین کو خطرے سے باہر نکال لے ناچاہتے تھے۔ اس وقت بھلا وہ کیوں تیرے سامنے آتے کیوں تیری جنگی پکار کا جواب دیتے۔ اس لیے کہ ان کے سامنے ایک اہم مقصد تھا۔

رتنا تھوٹ نکلتے کوڑی بھر کسی تیز دھارے کی طرح بہتی چلی گئی اور گرے میں اس کی سچ دار آواز بلند ہوئی۔ سنوارجن! حماد بن خلدون ایک ایسا نوجوان ہے جو جابر کے ظلم ظالم کی مطلق العنانی کی پرواہ کیے بغیر اپنے فرائض کی انجام دہی کرتا ہے۔ اگر تم کسی اور موقع میں جنگ کرنے کو لٹکا دیتے تو وہ تمہیں ہی سزا اور جزا دیتے کہ مجھ ناکامی کے تمہارے حصے دانا وہ وہ تمہیں تمہاری بغاوتوں اور سازشوں سمیت تمہیں پالوس زمین کر دیتے۔

شکر کردار جن تم ان کا سامنا کرنے سے بچ گئے ہو ورنہ نیشاپور کا وہ ادب آموز بدبیلہ کا گھوڑا وہ بن کر تمہارے فکر و نظر، مکرو فریب، منافق و بغض اور تمہارے ظلم کی بوزی اور تمدن کی بے راست روی کو ابھر کے نواح میں دفن کر کے رکھ دیتا۔ قسم مجھے نے رب عظیم کی وہ تمہیں اٹھ چلائے ہاتھ کی طرح جنگ میں گھماتے اور گڈھے ہوتے علی طرح تمہیں اپنا مطیع بنا کر رکھ دیتے۔ میرا اللہ انہیں ہر میدان اور ہر فن میں کامیاب بنائے یہی میرا ایمان اور یہی میرا عقیدہ ہے۔

جاؤ ارجن یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ ہندوستان کا قصبہ بھیم سین نہیں ہے۔ نیشاپور کی بستی آباد ہے۔ میں نے جن سے افق اور تری دنیا کی جستجو کی تھی۔ یہ بستی وہی افق اور وہی دنیا ہے۔ راجن چلے جاؤ یہاں سے۔ تمہاری باتیں شہزاد کا شاخسانہ ہیں۔ مجھے ایک گھر مل رہا ہے جس میں میرے لیے روشنی ہی روشنی ہے۔ اب میں یہاں سے جانے کے لیے سوچ بھی نہیں سکتی۔

ارجن نے اور زیادہ بھنکا کر کہا۔ رتنا انم اپنی حدود سے تجاوز کر کے مجھ سے ہم کلام ہو نا تو تم نے میری اجازت کے بغیر یہاں آکر پاپ کیا ہے اور اس پاپ کی تجھے سزا ضرور ملے گی میں تمہیں بھیم سین چچا بدری ناتھ کے ہاں لے کر جاؤں گا اور وہیں ان کے سامنے تمہیں

مجھے لگاؤ اور پابست ہے۔ اگر تم اس نظریے سے مجھے لینے آئے ہو کہ میری تمہاری لگائی ہے تو یہاں سے چلے جاؤ۔ تمہارے ساتھ میرا کوئی رشتہ نہیں۔ میں نہیں جانتی تم کون ہو۔ ارجن نے غصناک لنگا ہوں سے رتنا کو گھورتے ہوئے کہا۔ کس حماد بن خلدون کی بات کرتی ہو۔ اس بزدل کی جوا بھر سے باہر میدان جنگ میں مجھ سے مقابلہ کرتے ہوئے جی چوڑا تھا۔ میں نے اسے پکار کر کہا تھا کہ تم نے رتنا کو نیشاپور لے جا کر جو گناہ کیا ہے اس کی سزا مجھے ضرور ملے گی۔ میں نے اسے مقابلے کی دعوت دی لیکن وہ بھاگ گیا۔ ورنہ میرا ارادہ تھا۔ میں اس کی گردن کاٹ کر تیرے سامنے پیش کرتا۔ پھر تو خود فیصلہ کرتی کہ ہم دونوں میں کون بلونت اور مہا بھر ہے۔

رتنا نے جل کر کہا۔ تو جھوٹ کہتا ہے۔ وہ رن بھومی کے نیلے لگن ہیں۔ تو اگر انہیں میدان جنگ اور رن بھومی میں مقابلے کے لیے لٹکا دیتا تو وہ وہیں تیرا کیا کر م کر دیتے۔ سن لوگ پن کے بدلے میں سو کر اور پاپ کے بدلے میں نرگ جاتے ہیں اور حماد بن خلدون تجھے تیری بزدلی کی وجہ سے نرگ سے بھی کمی سچ و ادنیٰ مقام پر پہنچا دیتے۔ کوئی جبر کوئی ظلم انہیں دبا نہیں سکتا۔ وہ اپنے راستے کے ہر پتھر کو نابود کرنا جانتے ہیں۔ سن تو نے ایسے نوجوان پر بزدلی کی ہمت لگائی ہے جس کا نام میرے خون میں دھڑکتا ہے جو چاہے تو پھر پٹانیں کاٹ دے۔

ارجن نے کہا۔ کیا تو سمجھتی ہے میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ مجھے بھگوان کی سوگند میرے ساتھ مقابلہ کرنے سے کئی کئی گنا تھا۔ رتنا نے بکھلاتے ہوئے پوچھا۔ کیا تیرا ان کا سامنا ہوا تھا۔ نہیں وہ میرے سپاہیوں کے حلقے سے اپنے سالار کو نکال کر بھاگ رہا تھا کہ میں نے اسے مقابلے کے لیے لٹکا دیا تھا۔ رتنا نے پریشان ہو کر پوچھا۔ وہ اپنے کون سے سالار کو لے کر بھاگے تھے۔ ارجن نے بڑے غر سے کہا۔ قطب الدین ایک کو جب میرے سپاہیوں نے اسے اور اس کے گھوڑے کو زخمی کر دیا تھا وہ زمین پر گر گیا تھا اور حماد بن خلدون اسے اٹھا کر بھاگ نکلا تھا۔

رتنا نے دبی ہوئی چنگاری کی طرح بھڑکتے ہوئے کہا۔ پھر تو کیسے کہتا ہے وہ تیرے ساتھ مقابلے کرنے سے کتر گئے تھے۔ تو داد دے ان کی جرات اور شجاعت کی کہ وہ تمہارے

ایسی زچ دونگا کہ تم ہندوستان سے نیشاپور کی طرف آنے والی سادی راہوں کو بھول جاؤ گی
 زننا نے فقہان ہمدردی اور بے ذوق دہے حرارت انداز میں کہا۔ گناہوں کا نشانہ
 تو خدا ہے۔ وہ جانتا ہے کون نیک کون بد ہے۔ بہر حال میرا تمہارے ساتھ کوئی سبب نہیں
 ہے۔ اور میں تمہارے ساتھ ماموں بدری ناتھ کے ہاں بھیج دینا جانے سے انکار کرتی ہوں
 ابن آگے بڑھا اور زننا کا حسین بازو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ دیکھتا ہوں تم میرے
 ساتھ کیسے نہیں جاتی ہو۔ وہ زننا کو کھینچ کر دوسرے کمرے کی طرف لیجانے لگا۔

ایک جھگڑے کے ساتھ زننا نے اپنا بازو چھڑا لیا اور گونج دار آواز میں کہا۔ اپنے آپ
 کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ جاؤ دور ہو یہاں سے۔ ابن پھر آگے بڑھ کر زننا کو پکڑ لینا چاہتا تھا
 زبیب اپنی لبائیں لٹکیتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور قہر مان انداز میں ابن کی طرف دیکھ
 ہوئے کہا میں زننا اور تمہارے درمیان ساری گفتگو سن چکی ہو۔ اگر کبھی اس سے تمہارے
 لگائی تھی تو اس کے انکار پر وہ آپ سے آپ ختم ہو چکی ہے۔ جاؤ امن کے ساتھ ایک
 مہمان کی طرح یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ زننا یہاں سے نہیں جائے گی۔ یہ اس گھر کی بیٹی
 ہے۔ میری بہن اور میرے شیر دل بیٹے! اماں کی امانت و حرمت ہے۔ جا یہاں سے چلاؤ
 زننا بچاری زبیب کے پیچھے چھپ کر کھڑی تھی۔ ابن آگے بڑھا ایک زوردار دھڑکے

سے اس نے زبیب کو ایک طرف گرا دیا۔ زبیب بچاری کی بیسیا کھیاں اس کے ہاتھ سے
 نکل گئیں اور وہ بڑی بے بسی کے عالم میں فرش پر گر گئی۔ عجیب سے جذبے میں زبیب
 اپنی بیسیا کھیاں سنبھال کر دوبارہ کھڑی ہو گئی اور اپنی ایک بیسیا کھی کی نوک ابن کے پیٹ
 پر رکھتے ہوئے کہا۔ دور ہو میری بیٹی سے شیطان!۔ کاش اس وقت میرے بیٹوں نے
 سے کوئی یہاں ہوتا تو تمہیں بتاتا کہ ان کی ماں کو فرش پر گرانے کی کیسی بھاری قیمت ادا کر
 پڑتی ہے۔ ابن نے زبیب کی بیسیا کھی اپنے سینے سے ہٹائی اور آگے بڑھ کر اس نے ایک
 زوردار طمانچہ زبیب کے منہ پر مارے ہوئے کہا۔ پیچھے ہٹ ذلیل بڑھیا زننا کو اپنے ساتھ
 لیجانے سے مجھے کو کوئی روک نہیں سکتا۔

زبیب بے بس ہو کر پھر فرش پر گر گئی۔ زننا زخمی شیرنی کی طرح پھرتی ہوئی ابن کا
 کھیت سے سیب توڑ کر خلدون جب اپنے گھر داخل ہوا تو اس نے دیکھا گھر میں
 سکوت اور زندگی کی بے رونق تھی۔ اس نے باورچی خانے میں دیکھا وہاں
 میا زننا میں سے کسی کو نہ پا کر اس نے دھیمی آوازیں پکارا۔ زبیب اب کہاں ہو
 زبیب کی طرف سے کوئی جواب نہ سن کر خلدون نے پھر پکارا۔ زننا! زننا! میری
 اہال ہو ۹ تم دونوں ماں بیٹی کا گھر ہو ۹
 خلدون کھرمند ہو گیا۔ اپنے علمے میں بندھے ہوئے سیب اس نے باورچی خانے



ہٹک کر رہ گیا۔ سامنے والے کمرے میں دیوار کے ساتھ زبیب خون میں
چند لمحے خاموش رہ کر زبیب پھر لوبی۔ میری اس ٹوٹ رہی ہے کاش جس وقت
ناکولی جانے والے لیٹرے آئے تھے میرا حماد گھر ہوتا۔ اور اپنے ظلم کے عصا اور جبر کی
ٹٹی سے ان لیٹروں کی سعی کو نامعلوم کر کے انہیں ملتہب دوزخ بخش کے مرکز اور
یت کے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیتا۔ آہ! امیرا بٹیا! میری زندگی کی طراوت اس وقت
جانے کہاں ہوگا۔ وہ بھیڑیئے نامعلوم زنا سے کیا سلوک کریں گے۔ آہ حماد! کاش
ہاں ہوتا اور دیکھتا کہ دشمن تیری ماں کو کس طرح سکتہ و برباد کر کے اس کے چہرے
دت کی داستانوں کے طویل نقوش چھوڑ گئے ہیں۔

زبیب چند لمحوں تک پھر خاموش رہی۔ خلدون بیتاب ہو کر اسے پکارتے
زبیب! زبیب! خاموش رہی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہوتی
ن۔ دوبارہ لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے زبیب نے اپنی نحیف اور اکھڑتی
میں پھر کہا۔ حماد! تو کہاں ہے میرے بچے! آہ حادث! آہ حزن! تم سب کہاں
ہرے فرزندو! تمہاری ماں تم سے ملے بغیر ہی رخصت ہو رہی ہے آہ! یہ سفاک
پرکس طرح میرے گھر میں داخل ہوئی ہے۔ حماد! کاش تو یہاں ہوتا اور زنا کو
نار قوجب اپنے بھاری گرز کے وار اور جنگی کلہاڑے کے گھاؤ سے دشمنوں کو
لڑکے ان سے ان کی آخرت و عاقبت اور حشمت و شوکت چھینتا اور ان کے خلعت
ت کو تار تار کر ان پر لدی ہوئی بدکرداری دھو ڈالتا۔ تو میرا دل کیا خوش ہوتا اور
فرخ سے بلند ہو جاتا۔

میرے بیٹے! میرا رب تیری راحت کے چشموں کو بحال رکھے۔ اور
بہ خاموش ہو گئی اور اس کا سر ایک طرف ڈھک گیا۔ خلدون نے اس کی
انکھی وہ مچکی تھی۔ خلدون کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ زبیب کی لاش کو
روہ باہر لایا۔ حویلی کے صحن میں ہی اس کی تجہیز و تکفین کر دی۔ پھر وہ حویلی میں آکر
ہوا۔ اصطبل سے گھوڑا کھول کر اس پر زین ڈالی اور حویلی سے باہر نکل گیا۔ یہ

کے فرش پر ڈال دیئے۔ اپنا عامہ اس نے سر پر باندھا اور حویلی کے اندر داخل ہوا۔ ایک دم
لت پت پڑی تھی۔ خلدون بھاگ کر آگے بڑھا اور زبیب کا لہو لہان چہرہ اپنے
ہاتھوں میں لیتے ہوئے پکارا۔ زبیب! زبیب! تمہیں کیا ہوا۔ میری غیر موجودگی میں یہ
ہمارے گھر میں کیا آفت آن پڑی۔ زبیب کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر خلدون نے زبیب
کا خون آلود سراپسی گود میں رکھتے ہوئے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ نبض چل رہی تھی جس کا
مطلب تھا وہ زندہ تھی۔

زبیب کو چھوڑ کر خلدون اٹھا اور بھاگتا ہوا اس کمرے میں آیا جس میں وہ ارجن اور
اس کے ساتھیوں کو بٹھا کر گیا تھا۔ لیکن وہ کمرہ خالی تھا اور بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ شام
کی دہلیز پر اب شب کے سائے گہرے ہو گئے تھے۔ اور تاریکی نے ہر چیز کو نگل لیا تھا۔
خلدون اس کمرے سے نکلا۔ بھاگ کر صحن میں آیا اور زور زور سے پکارنے لگا۔ زنا! زنا!
تم کہاں ہو میری بیٹی!

صحن میں خلدون کی آواز اپنی بازگشت کے ساتھ رات کے تنک مزاج اندھیروں
میں بکھر کر رہ گئی تھی۔ خلدون کو کھلا سا لگا تھا۔ پانی کے ایک گڑھے سے اس نے ایک
پیالہ بھرا اور وہ زبیب کے پاس آیا۔ اس کے سر کو دوبارہ اپنی گود میں لیا اور اس کے منہ پر
پانی چھڑکنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد زبیب نے آنکھیں کھولیں۔ اور بڑی حسرت سے خلدون
کی طرف دیکھنے لگی۔ خلدون نے بدحواس ہو کر پوچھا زبیب! زبیب! تمہیں کیا ہوا۔
کس نے تمہیں زخمی کیا ہے۔ وہ مہمان کدھر گئے جو ہمارے گھر آئے تھے اور میری بیٹی زنا
کہاں ہے۔

زبیب نے بڑی تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے۔ وہ مہمان دھوکے باز
تھے۔ ان میں سے ایک جس کا نام ارجن تھا کبھی زنا کا منگیتر تھا وہ زنا کو زبردستی
اٹھا کر لے گئے ہیں۔ وہ بچاری چیخنی چلائی پر اس کی کسی نے نہ سنی۔ میں نے
ان کی راہ روکی اور وہ مجھے زخمی کر کے زنا کو لے گئے۔ وہ قصبہ جیم سین زنا کے لہا
بدردی ناتھ کے گھر جائیں گے۔

ایک خان کا گھوڑا تھا جس پر تینا بیٹھ کر ہندوستان سے نیشاپور آئی تھی۔ خلدون نے
جوبلی کو باہر سے تالا لگایا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ایڑھ لگا دی۔ تھوڑی دیر
بعد وہ نیشاپور سے ہرات جانے والی شاہراہ پر اپنے گھوڑے کو سر پٹ
دوڑا رہا تھا۔

حارث اور حسن دودن بدری ناتھ کے ہاں ٹھہرنے کے بعد اپنے لشکر میں واپس
پانچکے تھے۔ ان کا لشکر ان دنوں بھنڈہ سے چالیس میل شمال مشرق کی طرف پڑاؤ کئے ہوئے
فاد۔ اس لشکر کا سردار ارسلان خلیج تھا اور اس نے بھنڈہ اور اسے نواح میں اٹھنے والے
کرش اور باغی عناصر کو چند ہی دنوں میں کچل کر قطب الدین ایک کا مطیع و فرمانبردار بنا
یا تھا۔ اور اب بھنڈہ کا مسلمان حاکم اس قدر استطاعت رکھتا تھا کہ اپنے ارد گرد سو میل
س کی مسافت میں اٹھنے والی بغاوت کو دبا سکے۔ اس لیے کہ ارسلان خلیج نے اپنے لشکر کا
بہتہ حاکم بھنڈہ کے حوالے کر دیا تھا۔

ایک روز جبکہ شام کی تاریکیاں کالی بھیانک رات میں بدل چکی تھیں ارسلان خلیج
لے لشکر میں ایک نیچے کے اندر حارث اور حسن دودن بھائی گہری نیند سوئے تھے۔ آسمان
ان تھا اور ستارے جھللاتے ٹٹٹاتے روشنی و نور کی خاطر بے نیاز قدرت کے سامنے
مالی و دیو نہ گری کر رہے تھے۔ زمین پر بنیم کے آبدار موتی ستاروں کے اس عمل پر
مردہ و حیران تھے کہ وہ بھی اپنی زندگی کے چند لمحات کو بڑھانے کی خاطر کس کے سامنے
بت اُمید بلند کریں۔ مشرق سے چاند طلوع ہونے کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔
نیچے کے اندر ایک دم حارث اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی حالت ایسی ہو گئی تھی۔ جیسے
انے کوئی خواب دیکھا ہو۔ بھیانک اور طاعونی خواب جس نے اس کے حواس کو باختہ کر
اور وہ بھی بھی ادا میں کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ باہر بالکل سکوت اور خاموشی

تھی گویا کائنات کے سارے اس وجہ کو سانپ سو نگھ گیا ہو۔ اور ہر کوئی اپنے سحر بدن کے اندر مقید اور اسیر ہو کر رہ گیا ہو۔

ایک دم حارث کے کان کھڑے ہو گئے۔ فضا کے اندر مدھم مدھم نافوس کی آواز بلند ہوئی تھی۔ حارث نے غم و اندوہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ آہ! نافوس کی یہ آواز کیسی ہے۔ یہ آواز میرے باپ کے نافوس کی ہے۔ کیا اس پر کوئی مصیبت آئی ہے۔ اس سے آگے حارث کچھ نہ سوچ سکا۔ کیونکہ نافوس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ حارث نے اوپر لی ہوئی چادر ایک طرف پھینک دی اور اپنے قریب ہی ہوئے ہوئے حسن کا شانہ بری طرح جھنجھوٹتے ہوئے اسے پکارا۔

حسن! اٹھو میرے بھائی! ہم پر کوئی مصیبت آن پڑی ہے۔ حسن بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور حارث کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا کیا ہوا اخی! حارث نے ہلکی ہوئی آواز میں کہا۔ حسن! میرے بھائی۔ ابھی ابھی میں نے نافوس کی آواز سنی ہے۔ اور یہ آواز یقیناً ہمارے باپ کے نافوس کی تھی۔ آدھی رات کو وہ ہمیں کیوں پکار رہا ہے۔ وہ نیشاپور سے یہاں کیوں آیا ہے۔ کیا ہم پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔ کیا میری ماں۔۔۔۔۔ آہ میرے باپ کا یہاں آنا ہمارے لیے کیا ہولناک ہے۔

حسن نے حارث کو تسلی دینے کی خاطر کیا۔ یا اخی! آپ نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔ رات کے اس وقت ہمارے باپ کا یہاں کیا کام۔ اگر تم نے نافوس کی آواز سنی ہے تو پھر یہ آواز حماد بھائی کے نافوس کی ہوگی۔ پراںہوں نے بھی نافوس کیوں بھونکا انہیں آدھی رات کو نافوس بھونکنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ ویسے ہی ہمارے لشکر میں آسکتے تھے۔ آخر وہ طلباء کے جرنیل ہیں وہ سیدھے ارسلان خلیج کے پاس آکر ہمارا پوچھ سکتے تھے۔ یقیناً۔ ارسلان خلیج ان کی ایسی ہی تکویم و تعظیم کرتا جیسی وہ قطب الدین کی کرتا ہے۔ اس لیے کہ قطب الدین کے بعد وہ سب سے زیادہ ذی حرمت جرنیل ہیں۔ اے میرے بھائی تم نے نافوس کی آواز نہ سنی ہوگی۔ یہ روایا و خواب ہوگا اگر نہیں تو پھر یہ تمہاری حیات کا دھوکہ اور فریب ہوگا۔ حارث نے اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ نہیں نہیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں نے خود رات

لی اس چپ میں نافوس کی آواز سنی تم کو اور انتظار کرو اگر ہمارے باپ یا بھائی میں سے کوئی ہے تو نافوس کی آواز پھر آئے گی۔

حسن فوراً خاموش ہو گیا کیونکہ نافوس کی آواز پھر فضاؤں کے اندر ابھری تھی۔ حارث نے چورکتے ہوئے کہا سنو! سنو حسن! کیا یہ نافوس کی آواز نہیں ہے۔ کیا یہ میرا نفس سماعت ہے حسن نے بیتاب ہو کر کہا نہیں میرے بھائی یہ تمہارے نفس سماعت نہیں ہے۔ یقیناً یہ نافوس کی آواز ہے اور سنو! میرے بھائی نافوس کی اس آواز میں کیا کرب، کیا سوزہ، کیا جانگدازدس اور کیسی دل فکھار پکار ہے۔ سن! اس میں میرے بھائی اس نافوس کی آواز کو غور سے سنو یہ آواز میرے باپ کے نافوس کی ہے۔ یقیناً وہ کسی دکھ میں ہے۔ اسے کسی نے تکلیف دی ہے اور وہ ہمیں پکار رہا ہے۔

حارث تیزی سے چھن اٹھانے والے زخمی سانپ کی طرح کھڑا ہوتا ہوا حسن سے غائب ہوا حسن! حسن! اٹھو میرے بھائی اپنا نافوس سنبھالو اور دونوں بھائی اپنے نافوس کا کمر اپنے بزرگ و برتر باپ کی پکار کا جواب دیں۔ اٹھو اپنے باپ سے ملیں اور اس سے پھیں۔ اسے کس نے دکھ دیا ہے کہ وہ نیشاپور سے یہاں آنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اٹھا اس سے پوچھیں ہماری ماں کہاں ہے۔ اٹھا اس سے یہ جانیں ہماری بہن رتنا کہاں ہے۔

حسن فوراً کھڑا ہو گیا۔ پہلے دونوں نے اپنے آپ کو مسلح کیا۔ اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈالیں۔ اپنے نیچے کے سامنے وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ دونوں نے ایک ساتھ اپنے آؤس منہ سے لگاٹے اور انہیں بھونک دیا۔ تھوڑی دیر تک فضا میں ان کے نافوس کی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ پھر جب انہوں نے نافوس اپنے منہ سے علیحدہ کیے تو فضا میں دم مدھم ایک اور نافوس کی آواز بلند ہوئی۔

اس نافوس کی آواز چونکہ شمال مغرب کی طرف سے آتی تھی لہذا وہ دونوں بھائی اس رخ پر اپنے گھوڑوں کو سرپرٹ دوڑانے لگے تھے۔ دور مشرق سے اب چاند اپنی پوری آب و تاب سے طلوع ہو رہا تھا اور سفید چاندنی بڑی تیزی سے کائنات کی ہر چیز سے لگے ملے کر بھونکنے اور گنگناہٹنے لگی تھی۔

لشکر سے باہر نکل کر حادثہ اور حسن نے ایک بار پھر اپنے ناقوس چھونک دیتے اور ان کے جواب میں اب اس ناقوس کی آوازاں کے بائیں ہاتھ چٹانوں کے اوپر سے سنائی دی تھی۔ دونوں بھائی اس سمت اپنے گھوڑوں کو دوڑانے لگے۔ تھوڑی دور آگے جا کر پتہ پانڈ کی لمحہ بہ لمحہ تیز رفتاری میں انہوں نے دیکھا چٹانوں کے اوپر ایک گھوڑا سوار منتظر کھڑا تھا۔ دونوں بھائیوں نے اپنے گھوڑوں کو اٹھ بھنگائی اور ان کے گھوڑے نہناتے اس چٹان کے اوپر چڑھنے لگے تھے۔

اس پہاڑ کے اوپر جا کر انہوں نے دیکھا۔ وہ گھوڑا سوار ان کا بوڑھا باپ خلدون تھا۔ جب وہ نزدیک گئے تو خلدون اپنے گھوڑے سے اتر گیا۔ وہ دونوں بھائی بھی اپنے گھوڑوں سے اترے اور آگے بڑھ کر وہ بادی بادی اپنے باپ سے گلے ملنے لگے تھے۔ جب وہ علیحدہ ہوئے تو خلدون نے بڑے انہماک و غور سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میرے فرزندو! کیا تمہیں خبر ہے حماد کہاں ہے۔ میں بڑی دشواری اور تکلیف دہ سفر کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔ بھٹنڈا شہر سے مجھے خبر ہوئی تھی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر بھٹنڈہ سے ہم میل شمال مشرق کی طرف پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ میں نے سوچا تھا۔ حماد بھی اس لشکر میں شامل ہو گا لیکن تمہارے ساتھ اسے نہ دیکھ مجھے دکھ اور مایوسی ہوئی کاش وہ تم دونوں بھائیوں کے ساتھ یہاں ہوتا اور دیکھتا کہ آج اس کا باپ جے وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا تھا کیسا پرانگندہ حال اور فرومایہ دست ہو گیا ہے۔ بوڑھے خلدون نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے غم گزیدہ آوازیں کہا۔

آہ! میں کیسا بدبخت انسان ہوں۔ مفید پرواؤں نے میرا گھر لوٹ لیا۔ کاش یہیں تمہارے ساتھ میری ملاقات حماد سے بھی ہو جاتی اور میں اسے وہ روح فرسا خبر سنا تا جس سے میرا سینہ چھٹا بخار ہا ہے اور یہ خبر کون کر قیئنا وہ شکرے سرباب کی طرح اڑتے ہوئے اپنے دشمنوں کی اعمال کو جا کر کے رکھ دیتا۔ آہ! مجھے کیسے منحوس دن کا سامنا کرنا پڑا۔ کیسی بدترین اور مسخاں تقدیر چپکے سے میرے گھر داخل ہوئی اور شور مچتی ہوئی نکل گئی۔

حادثہ آگے بڑھا اور خلدون کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا۔ اے میرے باپ کس

نے تمہیں دکھ دیا۔ کس حادثے نے تمہیں نیشاپور سے یہاں آنے پر مجبور کیا۔ اے میرے باپ تمہارے کپڑے کیوں خون آلود ہیں۔ تمہارا چہرہ اداس اور تمہاری پلکیں کیوں غمناک ہیں پھر حادثہ نے نیچے جھک کر خلدون کے کپڑوں پر گئے ہوئے خون کو سونگھتے ہوئے کہا۔ آہ! میرے باپ یہ خون جو تمہارے کپڑوں کو لگا ہے۔ اس سے کیسی اپنایت کی لواتی کیا محی نے تم پر حملہ کر کے تمہیں زخمی کیا ہے۔

خلدون نے آنکھیں بند کر لیں اور بڑے کرب سے کہا۔ نہیں یہ خون میرا نہیں ہے اس بار حسن چپٹ پڑا تو پھر یہ خون کس کا ہے۔ اے میرے باپ! بتائیے میری ماں کہاں ہے۔ ہماری بہن زتنا کہاں ہے۔ آپ کیوں اکیلے ہندوستان آئے ہیں۔ آپ چپ کیوں ہیں بولتے نا۔ ہماری ماں کہاں۔ ہماری بہن کہاں ہے اگر آپ اسی طرح چپ رہتے تو میں پاگل ہو جاؤ لگا۔

بوڑھے خلدون نے اپنی بند آنکھیں کھولیں اور غم کے کڑوے گھونٹ نلگتے ہوئے کہا۔ پہلے مجھے حماد کے پاس لے چلو پھر تباؤ لگا۔ مجھ پر کیا بدعتی! تمہاری ماں کیاں اور تمہاری بہن کدھر ہے۔ چلو میرے بیٹو! مجھے حماد کے پاس لے چلو۔ خلدون پھر خاموش ہو گیا گویا وہ گہرے دریاے فکر میں غرق ہو گیا ہو۔ اس کے چہرے سے غم اور آنکھوں سے انتقام کا قہر لپک رہا تھا۔

حسن نے پھٹ پھڑاتی آوازیں کہا۔ آہ! میرے باپ! انھی حماد اس وقت دہلی میں ہیں جو یہاں سے کئی میلوں کی مسافت پر ہے۔ جو بات آپ انھی حماد سے کہنا چاہتے ہیں وہ ہم سے کہیے کیا ہم دونوں آپ کے بیٹے نہیں ہیں۔ کیا ہم نے ایک ماں کا دودھ نہیں پیا۔ کیا ہم تینوں نے ایک ہی برتن میں کھایا پیا نہیں ہے۔ پھر آپ ہم دونوں پر بھروسہ کیوں نہیں کر رہے۔ پھر آپ کیوں نہیں بتاتے کہ آپ پر کیسی افتاد گری ہے جس نے آپ کو یہاں آنے پر مجبور کیا ہے۔

خلدون نے دکھ سے کہا۔ آہ! کیسی مجبوری ہے۔ میں چاہتا تھا حماد میں اپنی بہن قرب سے دشمن کا مسرسانپ کی طرح کچل دے۔ میرے بیٹو! اگر تم مجبور کرتے ہو

تو سنو تمہاری ماں قتل ہو گئی۔ حارث نے سلگتی ہوئی آواز میں کہا۔ اے میرے باپ کی کسی دل فگار خبر ہے۔ کاش اس خبر کی سماعت سے قبل صور بھونک دیا گیا ہوتا۔ اور محشر برپا ہو جاتا۔ بتائیے کس نے میری ماں کو قتل کیا۔ خلدون نے انہیں ڈھاکس دیتے ہوئے کہا۔ پہلے میری پوری بات سنو تمہارا ماں قتل ہو گئی اور تمہاری بہن زتنا کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ حسن نے چیختے ہوئے کہا۔ کیا۔ یا بھیکیا کہا میرے باپ! ہماری ماں قتل ہو گئی۔ ہماری بہن اغوا ہو گئی۔ یہ کیسے ہوا کہ ہم پر یہ ظلم ڈھایا۔

خلدون پھر لولا بسو اسنو مجھے غور سے سنو! اک مرد آزاد، ایک دست گلچین اک نطفہ اسفہا ہندوستان سے گیا۔ اس نے تمہاری ماں کو قتل کر دیا اور زتنا کو اغوا کر کے یہاں لے آیا۔ سنو میرے بچو سنو! زتنا کے ماموں بدری ناتھ کے بڑے بھائی کا لڑکا ارجن جو کبھی زتنا کا منگیتر تھا۔ اپنے دس بارہ چوالوں کے ساتھ ہمارے ماں گے میں انہیں دیوان خانے میں بٹھا کر ان کی بہانہ لٹائی کرنے کے لیے کھیت سے سیدہ لینے گیا۔

جب میں واپس لوٹا تو تمہاری ماں گھر کے اندر خون میں لت پت پڑی تھی اور ارجن تمہاری بہن کو لیکر وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ میں جب واپس آیا تو تمہاری ماں نے مجھے بتایا کہ ارجن زتنا کو اٹھا کر بدری ناتھ کے گھر لے گیا اور وہاں وہ اس سے زبردستی بیاہ کر گا پھر تمہاری ماں میرے ہاتھوں ہی میں مر گئی اور میں اسے گھر کے صحن میں دفن کر کے ادھ چلا آیا۔ بتاؤ میرے بچو! اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

حارث نے کھولتی آواز میں کہا۔ اے میرے باپ آئیے۔ ہم بدری ناتھ کے گھر چلیں اور ارجن کو تباہیں کر جس کو وہ اغوا کر کے لایا ہے اس کے بھائی اس سے کیسا اتنا لپٹے ہیں۔ جسے وہ قتل کر کے آیا ہے اس کے بیٹے اسے کیسے عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔ حسن نے بھی پر زور تاکید کرتے ہوئے کہا۔ ماں ابی! چلئے قبل اس کے کہ تمہاری بہن سے زبردستی بیاہ کرے۔ قبل اس کے کہ وہ ہمارے بھائی کی عزت کو لے لو۔

مردے ہمیں فوراً اپنی بہن کی بد کو پہنچنا چاہیے۔

خلدون نے اس بار پرسکون آواز میں کہا۔ میرے فرزندو! میں تم دونوں سے اتفاق کرتا ہوں۔ چلو میرے راہنمائی کرو کہ میں نہجیم سین دیکھا ہے اور نہ بدری ناتھ کا گھر۔ تینوں نے اپنے گھوڑوں کو اس پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اتارا پھر وہ اس پگڑنڈی پر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے جو مشرق کے رخ پر دریائے سرسوتی کی طرف جاتی تھی۔

پنچھی کی مانند جسے اس کے گھونسے سے اٹھا کر اسے پر بیدہ کر کے لوہے کے قفس میں بند کر دیا گیا ہو۔

بیڑھیاں چڑھتے ہوئے رتنا ایک دم بھاگی اور آگے بڑھ کر بددی ناتھ سے پٹتے ہوئے کہا۔ ماموں! ماموں! مجھے اس بھیڑیتے سے بچاؤ۔ اس وحشی درندے کے چنگل سے مجھے آزاد کرادو۔ یہ مکینہ ہے۔ بیچ اور گھٹیا ہے۔ میں کسی کی امانت ہوں۔ اس نے میرے بدن کو کیوں ہاتھ لگایا ہے۔ اس نے مجھے نیشاپور سے اغوا کر لیا۔ آہ ماموں! میری ماں کو اس نے قتل کر دیا۔ ہاتے جیٹ! میرا باپ جب کھیت سے اس وحشی اور اس کے ساتھیوں کی مہاندار کے لیے سیب لے کر آیا ہوگا اور — اور جب اس نے میری ماں کی لاش دیکھی ہوگی تو اس پر کیا بیٹی ہوگی۔ آہ! اس نے صحن کے اندر بھاگ دوڑ کر مجھے آوازیں دی ہوں گی مجھے زور زور سے پکارا ہوگا۔ لیکن جب اسے اس کی پکار کا جواب نہ ملا ہوگا۔ تو اس پر کیا بیٹی ہوگی۔ وہ بچا رہے ہوں گے۔ اسے کس طرح خبر ہوگی کہ یہ بھیڑیا مجھے اٹھا لیا ہے۔

رتنا علیحدہ ہوئی اور اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے بددی ناتھ سے کہا۔ ماموں مجھ پر دیا کرو۔ خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ اور حماد کو اطلاع کرادو کہ اس کی عزت کو نیشاپور سے یہ درندہ اٹھا کر زبردستی بھیجیں لے آیا ہے۔ بددی ناتھ نے رتنا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تم نے جس ماں کا ذکر کیا ہے کیا وہ حماد بن خلدون کی ماں ہے۔ ماں ماموں وہ حماد کی ماں نہیں ہے اس نے مجھے میری سگی ماں سے بھی بڑھ کر پیار دیا تھا۔ خدا کے لیے حماد کو اطلاع کر دو۔

ارجن نے غصے میں ریچھ کی سی مکر وہ خنجر اہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا تم بار بار کس خدا کا ذکر کر رہی ہو۔ اپنے ذہن سے یہ بات نکال دو کہ تم مسلمان ہو اور نیشاپور کی رہنے والی ہو۔ سنو! اس سرزمین میں تمہارا جہنم ہوا اور اسی میں تمہارا مرگ ہوگا۔ تمہیں اپنے دھرم کی طرف واپس لوٹنا ہوگا۔ رتنا نے چیخے ہوئے کہا۔ نہیں نہیں نہیں۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمان رہو گی۔ چاہے مجھے سولی پر چڑھا دیا جائے۔ چاہے چتا میں ڈال کر جھسم کر دیا جائے۔

دودھ مشرق کے گنام کو ہستانوں کے پیچھے سے سورج طلوع ہو کر کائنات کی ہر چیز کو بیداری اور زندگی کی حرارت بخشنے لگا تھا۔ فضاؤں میں پرندے اور زمین پر جانور اپنے آشیانوں اور کھوؤں سے نکل کر رزق کی تلاش میں پھل پڑے تھے۔ رات بھر کا تاریک و گہرا سناٹا ختم ہو گیا تھا اور فضاؤں میں کائنات کی ہر تخلیق کے خطاب و حکم کی آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ ارجن اپنے دس بارہ ساتھیوں کے ساتھ رتنا کو لے کر بددی ناتھ کی حویلی میں داخل ہوا تھا۔

ارجن نے رتنا کو اپنے آگے بٹھا رکھا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ارجن اپنے سارے ساتھیوں کے ساتھ اصطبل کے سامنے رک گیا۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سن کر گجبان اور اس کے دوسرے ملازم ساتھی اپنے کمروں سے باہر نکل آئے تھے۔ حویلی کے اندر سے بددی ناتھ، سادڑی اور بلابھی نکل کر بیڑھیاں پر کھڑے ہو گئے۔ اور حیرت و استعجاب سے اصطبل کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ ان تینوں کی نظر جب ارجن اور رتنا پر پڑی تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گئے۔

بددی ناتھ بیڑھیاں اُتر کر ارجن اور رتنا کی طرف بڑھنا چاہتا تھا کہ وہ وہیں ٹک گیا کیونکہ ارجن نے رتنا کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر نیچے اتارا۔ پشت پر بندھے ہوئے اس کے ہاتھوں کی رسیاں اس نے کاٹ دیں اور اسے ساتھ لیکر وہ بددی ناتھ کی طرف بڑھا تھا۔ رتنا کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ وہ پریشان اور افسردہ تھی۔ اس طائر کی طرح اس

اپنے مذہب کو میں کسی بھی حالت میں چھوڑ نہیں سکتی۔

ارجن آگے بڑھا غصے میں وہ ایک بھر پور طائر بن کر رتنا کے منہ پر مارنا چاہتا تھا۔ لیکن بدری ناتھ نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ہوش میں رہو ارجن! تم کیا سمجھتے ہو اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ پاس کھڑی ساویری نے بھی کھولتی ہوئی آواز میں کہا۔ ارجن نے اسے نیشاپور سے لاکر اپنی موت کو آواز دی ہے۔ ساویری کی بات کاٹنے ہوئے بلا بھی بول پڑی۔ کسی کی عزت کو یوں رسوا کرنا کوئی مذاح اور ٹھٹھہ ہے۔ حماد بھاؤ کو جب خبر ہوگی وہ طوفان کھڑا کر دیں گے۔

ارجن کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بدری ناتھ نے غصیلی آواز میں پوچھا۔ ارجن میرے چند سوا ل کا جواب دو۔ ارجن نے غور سے بدری ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پوچھو چچا! کیا تم نے حماد کی ماں کو قتل کیا ہے۔ ثبات میں سر ہلاتے دتے ارجن نے کہا۔ ہاں وہ رتنا کو روک رہی تھی اس لیے میرے ہاتھوں ماری گئی جس وقت تم رتنا کو وہاں سے اٹھا کر لا رہے تھے۔ اس وقت اس گھر میں کون کون تھا؟ رتنا اور حماد کی بوڑھی ماں۔

بدری ناتھ نے غصیلی آواز میں کہا۔ یہ کس قدر شرم کی بات ہے ارجن تم نے رتنا کو اس وقت اٹھایا جبکہ اس کا محافظ گھر پر نہ تھا۔ یہ بے ایمانی ہے۔ اور جانتے ہو لاچر پاپ اور بے ایمانی مصیبت کا دروازہ ہیں۔ غم نے اپنے دھرم کی اچھا کے خلاف حرکت کی ہے مگر دھرم کی رکشا سے برکت آتی ہے اور پھر یہ زندگی چند روزہ ہے۔ اگر نیکی نہیں کر سکتا تو پاپ کیوں کرتا ہے۔ کیا تم نے وید نہیں پڑھے اور کیا تمہیں دیوتاؤں کے اس اپدیش کی خبر نہیں کہ اگیان سے سکھ ملتا ہے۔ کیا تو جانتا ہے رتنا حماد بن خلدون سے محبت کرتی ہے۔ یہ اسے اپنا پران پتی (روح و دل کا مالک) جانتی ہے۔ یہ اپنی خواہش اور اپنی مرضی سے نیشاپور گئی تھی۔ کسی نے اس پر جبر نہ کیا تھا۔

ارجن ارجن لپکے! جو مزہ لوگ میں ہے دنیا داری میں نہیں جیکہ تو جانتا تھا۔ رتنا کی کی امانت ہے۔ پھر تو کیوں اسے اپنی بھوک، پلاس اور عیش و عشرت کے لیے اٹھا لیا۔ ارجن نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ چچا! رتنا حماد کی نہیں میری امانت ہے۔ کیا اس

سے میری سگائی نہ تھی۔ پھر یہ کیوں یہاں سے نیشاپور چلی گئی۔ بدری ناتھ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ تمہاری اس سے سگائی ہی تھی نا۔ وہ بھی بچپن کی اور اس کی مرضی کے بغیر اب یہ جوان ہے اپنا بڑا بھلا سوچ سکتی ہے۔ جب یہ تمہیں ناپسند کر چکی ہے تو پھر کیوں تم اسے زبردستی اپنی مرضی اور خواہش کا قائل کرنا چاہتے ہو۔ اسے یہیں رہنے دو اور جاؤ یہاں سے چلے جاؤ۔

ارجن نے غصے میں چنچتے ہوئے کہا۔ چچا! اس وہم میں نہ رہنا کہ تم اپنے آدمیوں کی مدد سے رتنا کو مجھ سے چھڑا لو گے۔ میں اسے اس لیے تمہارے پاس لایا ہوں کہ تم خود میرا اس کا بیاہ رچا دو۔ ہمارے خاندان میں صرف تم ہی ایک بزرگ رہ گئے ہو۔ میں چاہتا ہوں یہ کام تمہارے ہی ہاتھوں انجام پائے۔ چچا یہ بات بھی اپنے ذہن میں رکھنا کہ میرے ساتھی صرف یہی نہیں جو اصطل میں دس بارہ کھڑے ہیں۔ میرے ساتھ دوسو چمیدہ چمیدہ سپاہی ہیں جو تمہاری حویلی ہی نہیں اس پوری بستی کو بھی اپنے گھرے میں لیے ہوئے ہیں اور وہ اس وقت تک یہیں رہیں گے جب تک میری رتنا کی شادی نہیں ہوتی۔ میں اپنے ان ساتھیوں کے لیے ایک ماہ کی خوراک کا انتظام اپنے گھر میں کر چکا ہوں۔ بدری ناتھ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ارجن! اگر حماد کو خبر ہو گئی کہ تم اس کی ماں کو قتل کر کے رتنا کو اٹھا لائے ہو تو تمہارے لیے ہلاکت خیز ثابت ہو گا۔ اگر وہ بھی اپنے لشکر کا ایک حصہ لیکر ادھر آ گیا تو سوچو۔ تمہارا انجام کیا ہو گا۔ کون تمہیں اس کے ہاتھوں سے بچائے گا۔ میری مانو تو اسی میں تمہاری بہتری اور سلامتی ہے کہ تم رتنا کا خیال دل سے نکال دو۔

ارجن نے بڑی خوفناکی سے کہا۔ تم لوگ بار بار حماد کا نام لیکر کیا مجھ پر اثر انداز ہونا چاہتے ہو۔ اگر تم سب کو حماد کی طاقت اور شد و زوری پر ایسا ہی بھروسہ ہے تو اسے بلاؤ وہ میرے ساتھ مقابلہ کرے اور اگر اس میں ہمت ہے تو رتنا کو مجھ سے چھڑا کر لے جاتے بدری ناتھ نے فوراً بیچ میں بولتے ہوئے کہا۔ تو پھر میرے ساتھ وعدہ کرو کہ تم حماد کا انتظام کرو گے۔ اور اس کے آنے سے قبل رتنا سے شادی پر اصرار نہ کرو گے

تھے۔ رتنا فوراً انہیں پہچان گئی۔ خلدون، حادثہ اور حسن تھے۔ بدری نامتھ نے گہری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے رتنا سے کہا۔ رتنا! رتنا یہ حادثہ اور حسن کے ساتھ بڑھا کون ہے جس کے کپڑے خون آلود ہیں۔

رتنا نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا میرے دونوں بھائیوں کے ساتھ میرا باپ ہے۔ بدری نامتھ نے دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ آہ! حماد کا باپ اس کی حالت کیسی ہے۔ اس کے کپڑے خون آلود ہیں۔ چہرہ اُترا ہوا ہے۔ یوں لگتا ہے یہ کسی بہت بڑے طوفان سے نکل کر رہا ہے۔ جب وہ نزدیک آکر تینوں اپنے گھوڑوں سے اترے تو رتنا بھاگ کر آگے بڑھی اور خلدون سے لپٹ گئی۔ پھر اس نے بڑے پیار سے خلدون کو مخاطب کر کے کہا۔ اے میرے باپ! بتاؤ میری ماں پر کیا بیٹی۔ وہ کہاں ہے؟

خلدون کی گردن جھک گئی اور اس نے دُکھ سے زخمی آواز میں کہا۔ میری بیٹی! تیری ماں مر گئی ہے۔ مرنے سے قبل وہ تجھے بہت یاد کرتی تھی۔ میں جب کھیت سے سب لے کر آیا تو وہ کمرے میں لہو لہاں پڑی تھی وہ بے ہوش تھی۔ میں نے پورے گھر میں بھاگ باگ کر تمہیں پکارا لیکن تمہاری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ ناچار میں تمہاری ماں کو ہوش میں لایا۔ اس نے بتایا کہ مہمان میری بیٹی رتنا کو اٹھا کر لے گئے۔ وہ باتیں کرتی کرتی میری لود میں دم توڑ گئی۔ میں نے اسے گھر کے صحن میں ہی دفن کر دیا اور ہندوستان کا رخ کیا میں مادو کو ساتھ لے کر یہاں آنا چاہتا تھا۔ لیکن راستے میں میری ملاقات حادثہ اور حسن سے ہو گئی اور یہ دونوں مجھے یہاں لے آئے۔ زریب کی موت کا سن کر رتنا خلدون سے لپٹ رو دھاریں مارا مگر رونے لگی تھی۔ خلدون نے رتنا کے سر پر پیار اور شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ نہ رومیری بیٹی۔ تیرے دونوں بھائی تیرا اور تیری ماں کا انتقام لینے کی خاطر تیرے پاس آگئے ہیں۔

ارجن نے فوراً اشارے سے اصطبل کے پاس کھڑے اپنے سارے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اچانک خلدون کی نگاہ جب ارجن پر پڑی تو اس نے رتنا کو مخاطب کر کے پوچھا۔ میری بیٹی! کیا یہ وہی بیٹی یا نہیں جس نے تمہاری ماں کو قتل کیا اور تمہیں اٹھا

اگر حماد یہاں آکر تم سے مات کھا گیا، تو تم اپنی مرضی کے مالک ہو گے جو چاہے کرنا۔ یہاں کوئی بھی تمہاری راہ میں حائل نہ ہوگا۔

ارجن نے گہری نگاہوں سے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پہلے رتنا سے بھی پوچھ لیں کیا اسے یہ شرط منظور ہے۔ بدری نامتھ نے رتنا کو آنکھ کا اشارہ کیا اور اس نے فوراً کہہ دیا۔ مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔ اگر تم حماد کو ہرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں اپنی خوشی سے تمہارے ساتھ شادی کر لوں گی۔

ارجن نے مطمئن انداز میں کہا۔ مجھے یہ شرط منظور ہے۔ میں حماد کا انتظار کروں گا لیکن اس کے ساتھ میری بھی ایک شرط ہے کہ وہ یہاں اکیلا آئے گا۔ اگر وہ مجھ سے جنگ کرتے ہوئے جیت گیا تو رتنا اس کی ہونگی میں کوئی اعتراض نہ کروں گا اور اگر میں جیت گیا تو آپ خود رتنا کا بیاہ مجھ سے کر دیں گے۔ حماد کے آنے تک رتنا آپ کی سوجیلی میں رہے گی۔ اور میرے یہ بارہ ساتھی بھی یہاں میرے ساتھ رہیں گے تاکہ وہ رتنا پر نظر رکھیں کہ وہ یہاں سے بھاگ نہ جائے۔

رتنا نے کھا جانے والی نگاہوں سے ارجن کی طرف دیکھتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا تم دہم نہ کرو۔ میں یہاں سے بھاگوں گی نہیں میں حماد کا انتظار کروں گی جس کے ہاتھوں تمہاری موت لکھی جا چکی ہے۔ ارجن کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ بدری نامتھ پکارنے لگا۔ گیان! گیان! ادھر میرے پاس آؤ۔ گیان بھاگتا ہوا جب بدری نامتھ کے پاس آیا تو بدری نامتھ نے کہا۔ گیان! ابھی اور اسی وقت یہاں سے روانہ ہو جاؤ اور حماد کو ڈھونڈ کر لاؤ۔ زیادہ امکان اس کا ہے کہ وہ دہلی یا اجمیر میں ہوگا۔ پر نہیں تم نہ دہلی جاؤ۔ نہ اجمیر پہلے یہ کسی سے یہ پوچھنا کہ قطب الدین ایک اپنے لشکر کے ساتھ کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ جہاں قطب الدین ہوگا وہیں حماد بھی ہوگا۔ تم تیار ہو کر وہیں تمہارے لیے راستے کے اخراجات کے لیے نقدی کا بندوبست کرنا ہے۔

گیان اپنے کمرے کے دروازے پر آکر رتنا سے ملا، سادہ دھاری اور مہلا کے ساتھ سوجیلی کے اندر جا کر ہاکہ سب اپنی جگہ رک گئے۔ تین گھوڑے سوار سوجیلی میں داخل ہوتے

کہ یہاں لے آیا۔ بتا کیا یہی ابن جن ہے نا؟۔ رتنا خلدون سے علیحدہ ہوئی اور اپنے آئندہ پونچھتے ہوئے کہا۔ ماں بابا ایسی وہ بد معاش ہے۔ خلدون نے ابن جن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حارث اور حسن کو مخاطب کر کے کہا۔ میرے بچو! یہ جوان جو تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ اس کا نام ابن جن ہے یہی تمہاری ماں کا قاتل ہے اور یہی تمہاری بہن کو نیشا پور سے یہاں لایا ہے حارث اور حسن دونوں بھائیوں نے ایک ساتھ تلواریں کھینچ لیں۔ پھر حارث نے غراتے ہوئے کہا میں اپنی ماں کے اس قاتل کو ذلیل و رسوا کر کے مار دوں گا۔ جب حارث اور حسن اپنی تلواں سونٹے آگے بڑھے تو ابن جن نے بھی اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے کہا۔ وہیں رک جاؤ۔ پہلے میری بات سنو اس کے بعد فیصلہ ہوگا اگر تم میری بات سننے بغیر مجھ پر حملہ آور ہوتے تو یاد رکھو میرے یہ بارہ ساتھی میرے ایک ہی اشارے پر تمہارے جسموں کے اندر تمہاری آتما اور تمہارے پران کو کھینچ لیں گے۔

حارث اور حسن اپنی جگہ رک گئے۔ ابن جن نے کہا۔ تمہاری آمد سے تھوڑی دیر قبل میرے اور رتنا کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اور وہ یہ کہ سب سے پہلے تمہارے بھائی حماد کو یہاں بلایا جائے گا۔ میرا اس کا مقابلہ ہوگا اگر وہ جیت گیا تو رتنا اس کی اور اگر میں جیت گیا تو رتنا سے میری شادی ہوگی۔ اگر حماد کے یہاں آنے سے قبل ہی تم دونوں بھی مجھ سے زور آزمائی کرنا چاہو تو تمہیں اس کی اجازت ہے۔ تم دونوں بادی بادی میرے مقابلے پر آؤ۔ اگر تم دونوں میں سے بھی کوئی مجھ سے جیت گیا تو میں رتنا سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ اب تم دونوں مل کر فیصلہ کرو اور آؤ میرے مقابلے پر کون آتا ہے۔

حارث آگے بڑھتا ہوا بولا۔ میرے سامنے آؤ میں تمہیں مقابلے دعوت دیتا ہوں۔ حسن نے فوراً حارث کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ اے میرے بھائی میں چھوٹا ہوں تو مجھے حکم دے کہ میں آگے بڑھ کر اس کی گردن کاٹ دوں۔ حارث نے اپنا بازو پھیراتے ہوئے کہا حسن تم ابی اور بہن کے پاس کھڑے رہو۔ حماد بھائی کے بعد میرا حق بنتا ہے کہ اس بھیڑیے سے میں مقابلہ کروں تو مطمئن رہو حسن! مجھے اُمید ہے میں تمہیں۔ ابی اور اپنی بہن کو بالواس نہ کروں گا۔

حارث دوبارہ جب آگے بڑھا تو ابن جن نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے زان! تلوار کے بجائے اپنا گرز سنبھال کر میں دیکھوں تو میرے گرز کا واروکنے کی کس قدر تطاعت رکھتا ہے۔ حارث نے تلوار نیام میں کر لی وہ واپس مڑا اپنے گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا اپنا گرز نکھول کر پھر ابن جن کی طرف بڑھا۔ اب اس کے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے میں گرز تھا۔ دوسری طرف ابن جن بھی اپنے آپ کو گرز اور ڈھال سے مسلح کر چکا تھا۔ اب لوگ پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے تھے جبکہ ابن جن اور حارث کسی مناسب سمت سے اب دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے بیڑھوں کے قریب ایک دوسرے کے گرد اڑی منوں کی طرح چکر لگانے لگے تھے۔

ایک دم ابن جن کسی درندے کی طرح پھیر گیا۔ ایک جست کے ساتھ وہ آگے بڑھا اور بنے بھادی گرز کا وار حارث پر کیا۔ حارث نے اس کا وار اپنی ڈھال پر روکا۔ لیکن ابن جن کا اس قدر زور دار اور طاقت ور تھا کہ ایک بار سر سے پاؤں تک حارث کا نپ اور رگیا تھا اور اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کے دشمن کی ضرب ایسی ہے جسے وہ زیادہ تک برداشت نہ کر سکے گا۔ تاہم حارث نے اپنے آپ میں خود اعتمادی اور استقلال برالیا۔ وہ جوابی حملہ کیا۔ اس نے اپنا گرز گھمایا اور ناک کر ابن جن کے سر پر مارنا چاہا لیکن ابن نے اس کے وار کو اپنے سر سے دور ہی فضا میں روک کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ با دونوں ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہونے لگے تھے۔

بوڑھا خلدون شاید حارث کے لڑنے اور جنگ کرنے کے انداز پر مطمئن نہ تھا۔ ایسے مانے چلا کر کہا۔ حارث! حارث کیا کر رہے ہو میرے بیٹے! اپنی ڈھال کو اپنے دائیں نئے کے سامنے رکھو۔ اور گرز کو بائیں شانے کے اوپر سے گھما کر پوری قوت سے رب لگاؤ۔ یہ تمہاری عام ضروریوں سے کہیں زیادہ زور دار اور خطرناک ثابت ہوگی۔ نے لڑتے حارث ذہنی اور فکری انتشار کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی ہر سعی مذموم دہر حوصلہ نپا اور رسوا ہونا جا رہا تھا۔

خلدون نے پھر چلا کر کہا۔ اپنی ڈھال اپنے دائیں شانے کے سامنے رکھو اور بائیں

شانے کے اوپر سے گزر گھما کر مارا۔ لیکن حادثہ میں خود اعتمادی اور استقلال نہ رہا تھا۔ اور ابن اس پر سوار ہوتا جا رہا تھا۔ خلدون پھر چلا یا۔ گزرنے سے کیوں گھماتے ہو۔ گزرائیں شانے سے اوپر گھما کر مارا اور اپنے دشمن پر اضمحلال اور مانگی طاری کر دے۔ حادثہ اپنی پوری استطاعت کے مطابق خلدون کی ہدایات پمیل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن ابن اس پر ایسے بے نائل اور چکرا دینے والے طاقت ور وار کر رہا تھا کہ وہ لمحہ بہ لمحہ حادثہ کی جان اور قوت بے حال کرتا ہوا اسے ایک شیریں و نرے قلمہ جان کر چبا جانے کی کوشش کرتا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ حادثہ کے حملوں میں اضمحلال اور پشردگی چھانے لگی تھی جبکہ ابن اس کے حملوں کی تپش ریزی اور شرر بینی بڑھتی جا رہی تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ پھر سے ہوئے طوفان کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ خلدون حادثہ کی حالت پر یوں اداس تھا جیسے کسی نے اس سے سب کچھ چھین کر اس کے ہاتھ مشکول گدایا نہ تھا دیا ہو۔ زتنا مغموں اور حسرت زدہ ہو رہی تھی۔ اس کے پھر لے پر غم انجام کا گہرا ابر چھاتا جا رہا تھا۔ حادثہ کی لمحہ بہ لمحہ ابتر ہوتی حالت پر ابن اس نے ہونٹ چار رہا تھا جیسے کسی نے اسے زبردستی کڑوہ اور تنک مشروب پلا دیا ہو۔ ہمدی ناتھ کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک لمبی اور کٹھن مسافت بھاگنے کے بعد رکا ہے اور چند اونچے اونچے سانس لینے کے بعد اسے پھر بھاگنے پر مجبور کیا جانا ہو۔ ابن اس نے اپنے اندر بے حجت و چالاک کو یکجا کر کے ایک ایسا وار کیا کہ حادثہ جو پہلے ہی لوٹ کھٹی حالت پر پہنچ چکا تھا اس وار کا پوری طرح دفاع نہ کر سکا اور ابن اس کا بھادی گزرائیں شانے سے پھسلتا ہوا اس کے شانے پر گر رہا تھا۔ حادثہ درد کی شدت سے کراہ اٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ سے اپنا گز گر گیا تھا۔ اور وہ بے بسی کی حالت میں میٹر جیوں کے اوپر گر گیا تھا۔ ابن اس کے اوپر کھڑا ہو گیا اور اپنی بائیں بازو سے آواز میں اس نے حکمانہ انداز میں کہا۔ اٹھ اپنا گز اٹھا اور ایک بار پھر میرے مقابلے پر آ۔ حادثہ اٹھا اور جب اس نے نیچے جھک کر اپنا گز اٹھانا چاہا تو ابن اس نے اپنا گز نپک چھپکنے میں ایک خاص نرا ویسے سے گھمایا اور گز کی ضرب اس نے حادثہ کے پیٹ پر لگائی۔

حادثہ بری طرح کراہ اٹھا تھا اور ہوا میں اچھلتا ہوا وہ ایک بار پھر میٹر جیوں پر گر گیا تھا۔ اس کے منہ سے خون چشنے کی صورت میں بہہ نکلا تھا۔ اپنے بھائی کی خونی حالت دیکھ کر حسن سے نہ رہا گیا۔ اس نے اپنی تلوار سونہی اور ابن اس کی طرف بڑھا۔ لیکن ابن اس نے ہاتھی درمیان میں حاصل ہو گئے اور انہوں نے حسن کو دھڑی روک دیا تھا۔ ابن اس نے اپنے گز کی ایک اور ضرب حادثہ پر لگائی اور حادثہ بے سدھ ہو کر گرہ گیا تھا۔ ابن اس نے ڈنگا تے حادثہ کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اس کی پیٹھ پر ایک زوردار ٹھوک لگاتے ہوئے اس نے حادثہ کو خلدون کے قدموں میں پھینکے ہوئے کہا۔

کیا تم اپنے ایسے بیٹوں کے سہارے مجھ سے مقابلہ کرنے آتے تھے۔ ایسے جوان اپنی موت تک مجھ سے رتنا کو چھین لینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اسے اٹھاؤ اور لے جاؤ یہاں سے اب یہ چند گھڑیوں کا مہمان ہے۔ اگر تم اپنے بیٹوں کو ایک ساتھ مجھ سے مقابلے کرنے کے لیے لگاتے تو میں دونوں کی ایسی ہی حالت کر دیتا۔ اب میں تمہارے قہرے بیٹے کا انتظار کروں گا اور یاد رکھو تمہارے اس بیٹے کی حالت میں اس حادثہ سے بدتر کرد ونگا کردہ رتنا کا دعویٰ رہتا ہے۔ اپنے اس بیٹے کو بھیج کہ وہ حماد کو بلا کر لاتے جب تک وہ نہیں آتا۔ رتنا کے ساتھ تم بھی اس سویلی کے اندر مجوس اور اسیر رہو گے۔

ابن اس بار ہمدی ناتھ کو مخاطب کر کے بولا۔ چچا! مجھے اپنی سویلی کا ایک کمرہ دے دو۔ میں اس میں رہوں گا جبکہ میرے ساتھی تمہارے ملازموں کے کمروں میں رہیں گے اسلئے میں تم پر زیادہ بوجھ نہیں بنانا چاہتا۔ میرا اور میرے سب ساتھیوں کا کھانا میرے گھر سے لے گا۔ ایک بات اور یاد رکھنا۔ چچا میرے کئی ساتھی تمہارے سویلی کے باہر پہرہ دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ میرے یہ ساتھی بھی بادی بادی سویلی کے اندر دفن تھے میں پہرہ دے گا اور تم لوگوں میں سے کسی نے بھی یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو یہ اس کی گردن اٹھانے میں نال نہ کریں گے۔ ہاں یہ جوان جس کا نام حسن ہے اسے تم ابھی یہ کہتے ہو کہ اپنے مائی حماد کو بلا لائے۔ میں اس کی روانگی کے متعلق اپنے ساتھیوں کو آگاہ کر دوں گا۔ ابن اس نے انہوں کو لے کر ملازموں کے کمروں کی طرف چلا گیا تھا۔

حادثہ خاموش ہو گیا۔ قریب کھڑی رتنانے روتے ہوئے حسن سے کہا۔
حسن! حسن بھائی کو اٹھا کر اندر لے چلو۔ حسن خاموشی سے آگے بڑھا اور حادثہ کو اس نے
اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا اور سب کے ساتھ وہ چلی میں داخل ہوا۔ بلانے بھاگ
کر ایک بستر درست کر دیا اور حادثہ کو اس پر لٹا دیا گیا تھا۔ پھر خلدون نے حسن کو غلاب
کر کے کہا۔ حسن بیٹے! تم ابھی یہاں سے کوچ کر جاؤ اور حماد کو لیکر آؤ۔ ورنہ کرنا میرے بچے
جلدی لوٹ آنا۔ حماد کو اور کچھ مت کہنا اسے صرف یہی کہنا کہ تمہارا باپ ہندوستان
میں ہے اور سخت مصیبت میں پھنسا ہوا ہے اس کی مدد کرو۔ تم دیکھنا تمہاری یہ باتیں
اس کے خون میں آگ لگا دیں گی اور وہ برق کی سی نیزی کے ساتھ اس طرف آئیں گے۔

حسن جب باہر نکلنے لگا تو رتنانہ پھر اس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ حسن! حسن! میری بات
سنو! حسن رُک گیا اور رتنانہ اسے راز داری سے کہا۔ سو حسن! اپنے بھائی سے کہنا
کہ اپنے ساتھ کم از کم ایک ہزار مسلح جوان لے کر آئے۔ اس کے ساتھ بھی مسلح جوان ہیں
جنہوں نے اس بستی کا گھیراؤ کر رکھا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جب حماد اس سے مقابلہ جیت
جائے تو اس کے ساتھی اس پر حملہ کر دیں حسن نے رتنا کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ میری
ہن تم فکر نہ کرو میں پورا انتظام کر کے آؤں گا۔

حسن جب باہر نکلنے لگا تو سرے میں خلدون کی کپکپاتی اور روتی ہوئی آواز سنائی
دی۔ حسن! حسن! اُدک جاؤ بیٹے! اب تھوڑی دیر بعد یہاں سے رخصت ہونا تمہارا بھائی
تم توڑ چکا ہے حسن بھاگ کر لوٹا اور حادثہ کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔ حادثہ ختم ہو چکا تھا
من وہیں بیٹھ کر رونے لگا۔ رتنا بچا دی بد حال ہو کر حادثہ کے قدموں پر گر گئی اور اس
کے پاؤں چومتے ہوئے دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔ بدری نا تھا، سادہ تری اور
ملا بھی آسو بہا رہے تھے۔ اسی روز حادثہ کی شہریت کو کھین سے فارغ ہونے کے بعد
حسن حماد کو لائے ہسٹنلا پور کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

خلدون نے حادثہ کا سراپنی گود میں لیتے ہوئے کہا۔ سنبھلو میرے بچے! ہوش
میں آؤ۔ حادثہ کے منہ سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے آنکھیں
کھولیں اور خلدون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آہ! میرے باپ اس جنگ میں تمہیں میں
نے یار پس کیا ہے۔ یہ جوان یقیناً مجھ سے اور حسن دونوں ہی سے طاقت ور اور زیادہ بہتر
جہازت رکھتا ہے۔ یا ابی! اکاش میں آپ کے سامنے اسے ذبح کر سکتا لیکن میں ناکام رہا ہوں
اور اس نے مجھے اپنی طاقت اور شجاعت کا پابند کر دیا ہے۔

اے میرے باپ! حسن کر بھیجو کہ وہ انہی حماد کو ہلا کر لائے۔ اس کی ضرب کا جواب
صرف میرا بھائی ہی دے سکتا ہے وہ اس مکار کی اولاد کو ذبح کر کے ہماری سادی فروگزاشتوں
کا کفارہ ادا کر دیگا۔ وہ اس پر ظلمت سحرماں کی چادر تان دے گا اور صنم سگی اور بت آذر
جان کر توڑ دے گا۔ وہ اسے میری رسوائی کے انتقام کا بیجانہ ادا کرے گا اور اسے بے برگ
بے اثر کر دے گا۔

خلدون نے روتے ہوئے دکھ سے کہا۔ میرے بچو! اکاش تم دونوں نے مجھے مجبور
کر کے یہاں نہ لایا ہوتا۔ کاش میں حماد کو ساتھ لے کر آتا۔ تو مجھے یہ وقت دیکھنا نصیب نہ ہوتا
کہ تم خون آلود ہو کر اپنی ماں کی طرح میرے گود میں پڑے ہوئے ہو۔ آہ! میں کیسی بھوٹی
آس کی چھتری تلے یہاں آگیا ہوں۔ کاش تو یہاں خون آلود نہ ہوتا۔ آہ! میں کیا کروں۔

حادثہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ یا ابی! مجھ پر میری حالت پر جریع فزع نہ
کرو۔ میرا خاں آئیں گا اور اپنی توفیق عافیت بینی سے ہمارے اس دشمن کے جسم پر اپنی
ضربوں سے نقش بدیع کی منبت کاری کر لیگا۔ اے میرے باپ! اپنے سالنوں کی دھک
کی پکاد میں آپ کے سامنے میں التجا کرتا ہوں کہ غم نہ کریں۔ میرا بھائی اپنے غیظ و غضب
میں اور اپنی اقبال مندی میں اس جوان کو مہر موم کی طرح توڑ دیگا۔ اسے بلاؤ میرے
ابی اسے بلاؤ اس کے حملے یقیناً تیری جان کو مرغوب و مانوس ہوں گے۔ میرا بھو میرے بھائی
کو اس کی شکست اور بربادی کی بشارت دے گا اور اس کے آنے پر اس گھر میں افغان و
غوغہ بلند ہو گا۔

اپنے پاس بلا کر یقیناً کسی نئی مہم کا آغاز کرے گا۔ اس کی جنگجو طبیعت اسے بیکار نہ بیٹھنے دے گی۔ اس کے علاوہ اس نے قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے چاہا اور زندگی نے وفا کی تو وہ پورے ہندوستان میں اسلام پھیلا کر رہے گا۔

عزالدین نے التجا کے لہجے میں کہا کہی نئی جنگ کی صورت میں مجھے اپنے لشکر کے ساتھ ہی رکھئے۔ آپ کی ہمارے میں دشمن سے جنگ کرتے ہوئے ایک نیا دلولہ اور نئے تدلیسی گرمیتے ہیں۔ آپ وعدہ کریں۔ عزالدین کہتے کہتے رگ گیا۔ کیونکہ خیمے کے باہر کھڑا ہو کر پہرہ دینے والا سپاہی اندر آیا اور حماد سے کہا۔ یا امیر! آپ کا بھائی حسن آیا ہے۔ حماد اپنی جگہ پر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ اسے اندر بھیج دو باہر کیوں روکا ہے سپاہی نے بڑی عاجزی سے کہا۔ یا امیر! میں نے نہیں روکا۔ وہ خود ہی اندر نہیں آ رہا ہے وہ شاید علیحدگی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔

حماد باہر آیا خیمے سے باہر جلتی ہوئی مشعل کی روشنی میں اس نے دیکھا حسن نے خیمے کی طناب کے ساتھ اپنے گھوڑے کو باندھ رکھا تھا۔ اور وہ وہیں کھڑا اپنے گھوڑے کی گردن ہٹا رہا تھا۔ حماد آگے بڑھا اور حسن کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ حسن! حسن! تم جنہوں کی طرح باہر کیوں کھڑے ہو گئے کیا حادثہ کی طرح میرے ساتھ بھی کوئی شہرارت کر رہا ارادہ ہے۔ حادثہ کا نام سن کر حسن اکیدم بچھ گیا اور اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

حماد نے بیتاب ہو کر کہا۔ حسن! حسن! تمہاری آنکھوں میں آنسو؟ حسن نے سسکتے ہوئے کہا۔ ابی ہندوستان اگر ایک مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ ایک ہندو جوان نے انہیں اپنا قیدی اور اسیر بنا رکھا ہے اور وہ آپ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ حماد نے کھولتی ہوئی آوازیں کہا۔ میرے ابی نیشاپور سے ہندوستان آگئے ہیں؟ وہ نیشاپور سے ہندوستان کب اور کیوں آئے؟ ماں اور رتنا کہاں ہیں اور تمہاری ملاقات ابی سے کس طرح ہوئی۔ حادثہ کدھر ہے؟ حماد نے حسن کو کندھوں سے پکڑ کر بری طرح بھینچوڑ ڈالا۔ میرے سب سوالوں کا جواب دو حسن! تم چپ کیوں ہو تم نے اپنی زبان بند کیوں کر لی۔ ہے حسن نے سفھلتے ہوئے کہا۔ ابی نے کہا تھا۔ اپنے بھائی سے اس کے

حماد اپنے ترک بنریل عزالدین مجید کے ساتھ دہلی کی جامع مسجد میں مغرب کی نماز پڑھ کر نکلا اور دونوں پہلو پہلو چلتے ہوئے منظر کی طرف چل دیتے تھے۔ اپنے خیمے کے قریب آ کر حماد نے عزالدین سے کہا۔ عزالدین! میرے خیمے میں ہی آ جاؤ۔ دونوں یہیں کھانا کھا لیتے ہیں۔ عزالدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا تو ایک سعادت ہے۔ پھر میں اس سے کیوں محروم رہوں۔ حماد نے باہر کھڑے سپاہی کو کھانے لانے کے لیے کہا۔ اور خود عزالدین کا ہاتھ پکڑ کر وہ اپنے خیمے میں داخل ہو گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ سپاہی کھانا لے آیا۔ اور دونوں چٹائی پر آمنے سامنے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے جب سپاہی کھانے کے خالی برتن اٹھا کر لے گیا تو حماد نے عزالدین سے کہا۔ عزالدین شاید چند سہفتوں تک ہمیں یہاں سے کوئی کرنا پڑے۔ عزالدین نے چوکتے ہوئے پوچھا۔ کیا آپ کے پاس کوئی اطلاع آتی ہے حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اطلاع تو نہیں آتی پر تم دیکھتے ہو۔ وقتی طور پر ہندوستان میں ہمارے خلاف جو بغاوت اور سرکشی کی لہر اٹھ رہی تھی اسے ہم نے کچل دیا ہے۔ اب ہر طرف امن و امان ہے۔ اور مختلف شہروں میں بکھرے ہوئے لشکر کے حصے بیکار پڑے ہیں۔ میں قطب الدین کی فطرت کو جانتا ہوں۔ وہ بیکار بیٹھنا لگا سمجھتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے وہ لشکر کے کچھ حصے مفتوحہ شہروں میں اسیر قائم رکھنے کی خاطر رکھے گا۔ جبکہ بقیہ لشکر کو وہ

اسے قتل کر کے رتنا کو اغوا کر لیا ہے۔ واللہ! حسن یہ تم کیسی ہولناک خبر لاتے ہو۔ اس خبر سے میرے لیے عشر برپا ہو گیا ہے۔ جن نے کپکپاتے ہونٹوں سے کہا۔ شاید ہمارے باپ نے اسی مصلحت کے تحت آپ کو پوری بات نہ کہنے کو کہا تھا کہ آپ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر نہ رہ جائیں۔ تو سنو میرے بھائی۔ ارجن اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب ہمارے گھر گیا تو ابی ان کی تواضع کے لیے اپنے کھیتوں سے سیب لینے چلے گئے ان کی غیر موجودگی ارجن ماں کو قتل کر کے رتنا بہن کو اٹھا لایا۔ ابی بھی اس کے پیچھے ہندوستان میں داخل ہو گئے۔

ہمارا لشکر اس وقت بھنڈہ شہر سے چالیس میل شمال مشرق میں پہڑاؤ کیسے ہوتے تھا۔ وہاں ابی نے ہم سے ملاقات کی اور پورے حالات ہمیں سنائے ہم اپنی بہن کو چھڑانے اور ارجن سے انتقام لینے کی خاطر بھیم سین گئے تو ہمارے وہاں پہنچنے سے قبل ہی ارجن اور بدری ناتھ میں یہ طے پا چکا تھا کہ سب سے پہلے حماد کو یہاں بلایا جائے اگر آپ جیت گئے تو رتنا بہن آپ کی اور اگر ارجن جیت گیا تو رتنا بہن کی شادی ارجن سے ہوگی۔ جب ہم ابی کے ساتھ بدری ناتھ کی حویلی میں پہنچے تو ارجن نے ہم دونوں بھائیوں کو جنگ کی دعوت دی جسے، حادث بھائی نے قبول کر لیا۔ پرآہ! انہی حادث بھائی ارجن کا مقابلہ نہ کر سکے اور ارجن کے ہاتھوں مارے گئے میں انہیں دفن کر کے سیدھا آپ کی طرف چلا آیا ہوں۔

حماد نے عجیب سی دردناک و دلسوز آوازیں کہا۔ آہ حسن! یہ دوسری خبر ہے جو میرے دل میں زہریلے تیر کی طرح پیوست ہوئی ہے۔ قسم ہے مجھے دونوں جہاں کے رب کی میں ارجن سے ایسا انتقام لوں گا۔ جو کبھی اس کے تصور سے بھی نہ گزرا ہو گا۔ حسن نے پھر کہا۔ یا انہی! بدری ناتھ کی حویلی میں ارجن نے ابی اور رتنا بہن کو اپنا اسیر بنا رکھا ہے اور وہ اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتے جب تک آپ وہاں جا کر ارجن کو زیر نہیں کرتے۔

حماد نے تھوٹتی آوازیں کہا۔ میری ماں قتل ہو گئی۔ بھاتی مارا گیا۔ باپ اور رتنا

علاوہ کچھ نہ کہنا۔ رتنا بہن بھی ابی کے ساتھ قید میں ہے۔ آپ کے نام اس کا بھی ایک پیغام ہے۔ اس نے کہا تھا۔ اپنے بھائی سے کہنا اپنے ساتھ ایک ہزار مسلح جوان لے کر آئے کیونکہ جس ہندو جوان نے انہیں قید کر رکھا ہے اس کے ساتھ کافی مسلح جوان ہیں۔ حماد بڑی تیزی اور خوشخواری سے مڑا اور پکارنے لگا۔ عز الدین، عز الدین، عز الدین نیچے کے اندر بیٹھا ہوا عز الدین بھاگ کر باہر آیا اور حماد سے پوچھا۔ یا امیر آپ نے مجھے طلب کیا ہے۔ حماد نے سخت ہلچل میں کہا۔ فوراً ایک ہزار سپاہیوں کو میرے ساتھ جا۔ نے کے لیے تیار کرو۔ میں چند دن کے لیے لشکر سے باہر رہوں گا۔ میرے بعد خیال رکھنا اور قطب الدین کا کوئی پیغام آئے تو معذرت سے کہہ دیتا کہ ناگزیر یہ حالات کی بنا پر مجھے لشکر سے جانا پڑ گیا تھا۔

عز الدین جب چلا گیا۔ تو حماد نے حسن کا ہاتھ پکڑا اور اسے خیمے میں لیجا کر اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔ میں تمہارے لیے کھانا منگواتا ہوں اتنی دیر تک تم مجھے پورے حالات کھل کر بیان کر دو حسن نے حماد کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ آپ بیٹھے رہیں انہی! مجھے قطعاً بھوک نہیں ہے۔ حماد نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔ تو پھر مجھے پوری داستان سناؤ۔ ابی نیشاپور سے ہندوستان کیوں آئے۔ ماں رتنا اور حادث کہاں ہیں اور ہمارے باپ کو کس نے قید کر رکھا ہے۔

حسن نے بڑی بچاؤگی سے کہا۔ پر ابی نے یہ سب باتیں بتانے سے مجھے منع کر دیا تھا۔ حماد نے اسے سچا کرتے ہوئے کہا۔ تم بتاؤ۔ تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ ابی نہیں کچھ نہ کہیں گے حسن نے سلگتی ہوئی آوازیں کہا۔ یا انہی! آپ مجبور کرتے ہیں تو سنئے۔ بدری ناتھ کے بھائی کا لڑکا ارجن جو کبھی رتنا بہن کا منیکتر تھے اپنے دس بارہ ساتھیوں کو لے کر نیشاپور گیا۔ وہاں وہ رتنا بہن کو زبردستی اٹھا لایا۔ جب ہماری ماں نے مزاحمت کی اور رتنا بہن کو اغوا ہونے سے بچانا چاہا تو اس دوندے نے ہماری ماں کو قتل کر دیا اور رتنا بہن کو زبردستی اٹھا لایا۔

حماد نے چنگاڑتے ہوئے پوچھا کیا کہا، میری ماں قتل ہو گئی ہے۔ ارجن نے

دنگا لیکن چپا تیرا یہ وہم ہے کہ میں اس کے سامنے مجبور اور لاجپاد ہو جاؤں گا۔ میں اسے کشت (عذاب) دوں گا کہ وہ رتنا کا نام تک بھول جائے گا۔ اس بار رتنا نے زہر کی آواز میں کہا تو انہیں کیا کشت دے گا۔ جب وہ یہاں آئیں گے تو تو اپنے آپ کو بلا کی تلوار تلے کھڑا پائیگا۔ تیری ساری خواہشیں پھڑپھڑاتی رہ جائیں گی اور تیری حالت ڈٹے ہوئے برتن سے بھی برتر ہوگی۔

ارجن طیش کھا گیا۔ آگے بڑھا اور ایک زوردار طمانچہ اس نے رتنا کے منہ پر اترتے ہوئے کہا۔ تو چپ رہ۔ تو کیوں اس کی طرف داری میں بولتی ہے۔ جبکہ ہمارے درمیان طے ہے کہ تو اس کی ہوگی جو جیتے گا پھر تیرا جانبدار ہونا کیسا۔ اب تو نے ایک لفظ بھی اس کے حق میں کیا۔ تو میں اس کا انتظار کیسے بغیر ابھی پٹت کو بلا کر تیرے ساتھ پھیرے کروں گا اور تجھے اپنی بیوی بناؤں گا۔ پھر دیکھوں گا تو کیسے میری آگیا سے باہر ہو کر پلتی ہے۔

اس بار خلدون نے سخت ہلچے میں کہا۔ تجھے میری بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کی بھاری نیت ادا کرنا ہوگی جس کی ہمدردی سے چڑھ کر تو نے اسے مارا ہے۔ جب وہ یہاں لے گا۔ تو تو اپنے شہر کا حدود اربعہ اور محل وقوع تک بھول جائے گا اور وہ تیری زندگی کے دنوں کو المناک اور خوفناکوں میں بدل دے گا۔ انتظار کر۔ کچھ دن اور رک پھر دیکھ لیا بنتا ہے۔ تیرے خرم حیات کو جلانے دیا گیا۔ اس زمین کو تیرا قبرستان نہ بنا دیا گیا۔ تیرے سینے کی شئی گھنڈ کی چنگاریوں کو بجھانے دیا گیا اور تیری حالت سوکھے پتوں کے ڈھیر جیسی نہ ہو جاتی تو تجھے خلدون مت کہنا۔

ارجن نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا جو کچھ تیرے پہلے بیٹے نے میرے خلاف کیا ہے ابھی کچھ آنے والا کرے گا۔ خلدون نے دانت پلٹے ہوئے کہا حادثہ اور حماد پر بند شریفین ہے۔ حماد میرے قہر کی لاشی اور میرا برج دار قلعہ ہے سن ارجن سن! اس حادثہ کیجیے جائیں تو ایک حماد بنتا ہے۔ جب وہ تیرے ساتھ ٹکرائیگا تو تیری کوئی لہر و تذبذب، کوئی جتن فکر اور کوئی حیلہ و عیاری تیرے کام نہ آئے گی۔

ارجن کی قید میں ہیں۔ یہ کیسی انہونی ہم پر نازل ہو گئی۔ پر تم — تم حوصلہ رکھو میرے بھائی۔ ارجن کو اب زمین بھی نکل جائے تو وہ مجھ سے بچ نہ سکیگا۔ میں موت کا سایہ بن کر اس پر سوار ہوں گا اور اس کے جسم کے سب اعضا کو علیحدہ علیحدہ کر کے رکھ دوں گا۔ حماد اٹھا پہلے وہ خود مسلح ہوا پھر اپنے گھوڑے کو تیار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد عبداللہ بن ایک ہزار سواروں کو لے آیا۔ اور حماد، حسن کے ساتھ ان ایک ہزار سواروں کو لیکر آندھی اور طوفان کی طرح جھیم سین کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

ایک روز رتنا، خلدون، بدری ناٹھ، سادتری اور بلایک کمرے میں اکٹھے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ موضوع حماد کی آمد کا تھا۔ رتنا بے حد اس اور پریشان ہو رہی تھی کہ اس کمرے میں ارجن داخل ہوا۔ تھوڑی دیر تک وہ بڑی گہری نگاہوں سے رتنا کو دیکھتا رہا پھر طنز کرتے ہوئے کہا۔ کسی وچار میں ہلکان ہو رہی رتنا! جس کے کارن نم بیاگل ہو وہ نہیں آئے گا۔ حسن نے اسے جا کر جب سب کچھ کہا ہوگا۔ اور اسے خبر ہوئی ہوگی کہ اس کی ماں اور بھائی مارے گئے ہیں وہ کبھی بھی ادھر کا رخ کر کے اپنے آپ کو کھٹنایوں میں نہ ڈالے گا۔

بدری ناٹھ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ارجن! مو رکھوں جیسی باتیں نہ کرو۔ وہ آئے گا۔ ضرور آئے گا۔ بلکہ یوں کہو وہ اندھکار اور طوفان بن کر آئیگا اور سب آئیگا کہ تو اس کے سامنے لاجپاد ہو کر اپنے لیے موت کی پرارتھنا کر رہا ہوگا۔ مجھے یقین ہے میں وہ سمجھ بھی دیکھوں گا جب تو اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر بیٹھ کرے گا کہ مہاراج مجھے شکا کر دو۔ یہ چنتا نہ کر کہ وہ نہ آئے گا۔ اپنے من سے سنا کے ایسے سارے وچار نکال دو۔ جھگوان کی سوگند وہ آئے گا اور ضرور آئیگا اور جب وہ یہاں آکر تیرے ساتھ ٹکرائے گا تو تو جنم مرن سب کچھ بھول جائیگا۔ ارجن نے کھا جانے والے ہلچے میں کہا۔ جب وہ آئیگا تو میں تمہیں دعا دے گا۔

خلدون کہتے کہتے رک گیا۔ یوں جیسے وہ کوئی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا ہو پھر وہ چلا اٹھا۔ بدری نامتھ! میرا بیٹا آگیا ہے۔ میرا حماد آگیا ہے۔ سنو! اس آواز کو غور سے سنو کیا تمہارے کانوں میں ناقوس کی آواز نہیں پڑی۔ سب نے سنا تھا میں ناؤں کی تیز آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ خلدون بھی چلا اٹھا۔ رتنا! رتنا! میری سچی اٹھ میرا ناقوس لا۔ میرا بیٹا مجھے پکار رہا ہے میں اس کی پکار کا جواب دوں۔ وہ پوچھ رہا ہے۔ اس جہاز میں کوئی دھوکہ اور قریب تو نہیں۔ جلدی کر میری بیٹی! میرا ناقوس لاکہ میں اسے کہوں کہ وہ بلا جھجک اس جہاز میں آئے۔

رتنا جب خلدون کا ناقوس لانے باہر چلی گئی تو خلدون نے ارجن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جا ارجن! اپنی تیاری کر اور اپنے ہتھیار سنبھال کر میرا بیٹا آگیا۔ اور میں تجھے اس کی شہرت اور فطرت بتاؤں کہ وہ آتے ہی تجھ سے ٹکرائیگا اور دم لینا پسند نہ کرے گا۔ جلدی جا کر اپنے آپ کو مسلح کرے ایسا نہ ہو کہ حماد طوفان کی طرح اس جہاز میں داخل ہوا اور جب اسے خبر ہو کہ تم نے اس کی ماں اور بھائی کو مار دیا ہے تو کہیں تمہیں غیر مسلح حالت میں ہی مار دینے پر مجبور نہ ہو جائے۔

ارجن بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ فوراً اپنے آپ کو مسلح کیا۔ اپنے گھوڑے پر زین ڈالی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر وہ جہاز کے کھلے صحن میں آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ رتنا بھاگتی ہوئی پھر اس کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ خلدون کا ناقوس دھونڈھلائی تھی۔ خلدون نے آگے بڑھ کر اپنا ناقوس لے لیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ رتنا۔ بدری نامتھ، ساوتری اور بلا بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ خلدون میٹرھیوں کے پاس رک کر سب سے اوپر والی میٹرھی پر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ ناقوس منہ سے لگایا اور اپنے پیچھے ٹول کی پوری قوت سے اسے چھونک دیا۔ چند لمحوں تک خلدون لگتا ناقوس چھونکتا رہا یوں لگتا تھا حماد کو کوئی پیغام پہنچا رہا ہو۔ جب خلدون نے ناقوس چھونکنا بند کیا تو جواب میں دور کا طرف سے چند لمحوں تک ناقوس کی آواز گونجتی رہی پھر خاموشی اور سکوت چھا گیا تھا۔ خلدون سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور بڑی بنیانی سے جہاز کے بیرونی دروازے

کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ ارجن بھی جو پوری طرح مسلح ہو چکا تھا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے قریب آکھڑا ہوا تھا اور اسکے بارہ ساتھی بھی مسلح ہو کر اس کے پیچھے اپنے گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے۔ اتنے میں ایک جوان اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا وہ ارجن کا آدمی لگتا تھا۔ کیونکہ وہ سیدھا ارجن کے پاس آیا اور بعد اس آواز میں کہا۔ مہاراج! ظلم ہو گیا۔ ارجن نے منہ منہ لہجے میں پوچھا۔ کیوں کیا ہوا؟

آنے والے نے بوکھلاہٹ میں کہا۔ ابھی ابھی مسلمانوں کے کچھ دستے آئے ہیں در انہوں نے اس بستی کا گھیراؤ کر لیا ہے۔ ہمارے ساتھیوں نے ان کا راستہ روک کر ان سے جنگ کی لیکن انہوں نے ان کی آن میں ہمارے سارے ساتھیوں کو تیرخ کر دیا۔ ہمارے ساتھیوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکا۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر آپ کے پاس آسکا ہوں۔

اسی وقت گیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اصطبل کی طرف سے آکر خلدون کے قریب کھڑا ہو گیا تھا۔ ارجن غصے اور غضب کی حالت میں رتنا کو مخاطب کر کے نام نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ حماد اکیلا نہیں آیا۔ اپنے تھا اپنے لشکر کا ایک حصہ بھی لیکر آیا ہے۔ لیکن میں بھی تم سب کو اس دھوکے کی سزا دوں گا اور اس کے یہاں آنے سے قبل ہی میں تم سب کی گردنیں کاٹ دوں گا۔ بن اپنے گھوڑے سے اترنے ہی لگا تھا کہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ کیونکہ حماد اپنے ڈرے کو دوڑاتا جہاز میں داخل ہوا تھا اس کے ساتھ حسن تھا اور پیچھے کچھ مسلح سوار تھے۔

ارجن اپنے گھوڑے پر سیدھا بیٹھ گیا اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا زاپے بھاری گرز کے اوپر جاڑ کا تھا۔ حماد نے میٹرھیوں کے سامنے اپنے ڈرے کو روکا۔ قبل اس کے وہ کچھ پوچھتا حسن نے اپنی چلاتی آواز میں کہا۔ ارجن! ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ اگر تم بھی جنگ میں حصہ لینا چاہتے تو یہیں کھڑے اگر تم جانبداری کا ارادہ رکھتے ہو تو یہاں سے ہٹ کر اصطبل کے سامنے جا کر

دیتا ہوں۔

حماد نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو کیسا جاہل اور احمق ہے۔ یاد رکھ تیرے
اوتیرے گھنڈ کی جو دیگ جویش مار رہی ہے میں اسے ٹھنڈا کر دوں گا۔ تیرے غرور و
کے قلعے کو توڑ دوں گا۔ تیری نبض روک دوں گا اور تم پر ایسی موت طاری کروں گا۔
میں کوئی دھند نہ ہوں جس میں کوئی شک و ابہام نہ ہو۔ سن غلیظ بھیڑیے تیرا یوم حساب
آپے میں تیرے ضمیر کو اعلیٰ و اندھا اور تیرے حواس کو بہرہ و منجھ کر دوں گا۔ اپنا گرز
ال کہ میں تم پر حملہ آور ہونے لگا ہوں۔

ارجن نے فوراً اپنا گرز اور ڈھال سنبھال لیے۔ حماد نے باتیں ہاتھ میں ڈھال سنبھال
پنے دائیں ہاتھ میں وہ اپنے بھادی گرز کو توڑنے لگا تھا۔ ارجن نے خلدون کو مخاطب
کہا۔ ہمیں اجازت ہے۔ جس طرح تو پہلے بیٹے کو جنگ کے دوران ہدایت دیتا
سے بھی ہدایت دے سکتا ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ کیونکہ میں نے تو اسے
میں تمہارے پہلے بیٹے کی طرح ختم کر دیتا ہے۔ خلدون نے پر جوش آواز میں کہا
فوشاد کا لقمہ چرب امیر ایہ بیٹا ہر جبر سے محاذ آرا ہونے کا فن جانتا ہے۔ اسے
ایت و راہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ تو انتظار کر اس کی ایک ہی ضرب تجھ پر پڑنے
اسرار الزارین۔ تیری دروغ گوئی تیرا خطاط اخلاق اور تیرا گھنڈ جاتا رہے گا۔

حماد نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی۔ گھوڑا ہنہناتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ
دو ڈھال کو اپنے جسم کے دائیں حصے کے سامنے لے گیا اور گرز کو اپنے بائیں شانے
پر خوب بلند کر کے لہرا لیا تھا۔ ارجن کے قریب جا کر حماد نے ایسی آواز میں تکبیر بلند
ایک ساتھ پہاڑوں کی ٹھٹی غاریں گونج اٹھی ہوں "اللہ اکبر" ساتھ ہی حماد نے خوب
رفت سے گرز لہرا کر ارجن کو مارا۔ لوہے سے لوہا بچ کر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔
لڑاس قوت و طاقت سے ارجن کی ڈھال پر پڑا تھا کہ ارجن کی ڈھال دریاں
چپک گئی تھی اور خود ارجن بھی سر سے پاؤں تک اس ضرب کی قوت سے
ما تھا۔

کھڑے ہو جاؤ۔ یاد رکھو۔ بستی کے گرد پہرہ دینے والے تمہارے سب سا
ختم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ تمہارے ساتھی وہاں کھڑے ہیں۔ میں تم سب کو یہ یقین
دلاتا ہوں کہ ارجن سے میرا بھائی اکیلا ہی مقابلہ کر لے گا۔ ارجن کے ساتھیوں نے خاموشی
ساتھ اپنے گھوڑوں کو موڑا اور اضطیل کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کی جگہ ارجن
حماد کے ساتھ آنے والے سواروں نے لے لی تھی۔

رتنا کی حالت عجیب سی ہو گئی تھی۔ حماد کی آمد کے مشرورہ پر جہاں اس کے چہرے
ماضی کی نقاب میں دکھ اور غم کے باعث اس کی حالت زرد و روکھیت جیسی تھی۔ وہا
اب دہر کے سارے خوش کن نظاروں کی کچی کا دی تھی اور صدف تشبہ کے بجائے ار
وہ جتن چراغاں کا سماں پیش کر رہی تھی۔ اس کا حسین چہرہ زعفرانی پنبے اور دھڑکی ہو
گلابی رنگ کی روئی وطن اور سنبھل کے ڈھیر جیسا ہو گیا تھا۔ وہ ایسے میٹھے اور ہنسنا
انڈا میں حماد کی طرف دیکھے جا رہی تھی گویا وہ اپنی لامحدود مٹناؤں اور اپنے جسم کی پور
شیرنی رس کے ساتھ مائل بہ کرم ہو کر حماد پر قربان اور تیار ہو جانا چاہتی ہو۔

حماد اپنے گھوڑے پر بھی سوار رہا اور خلدون کو مخاطب کر کے کہا۔ اسے میرا
باپ کس نے میری ماں کو قتل کیا۔ کون میرے بھائی کا قاتل اور کون رتنا کو نیشا پور سے
یہاں لانے والا ہے۔ یا ابی اس کی طرف اشارہ کیجئے۔ اس کی طرف ہاتھ اٹھائیے جس
مجھے مقابلے کی دعوت دی۔ اس کی نشاندہی کیجئے جس نے آپ اور رتنا کو اس حویلی کا
اندر اسیر اور محبوس رکھا ہے۔

خلدون نے اپنے ناقوس سے ارجن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میرے بیٹے
یہ ہے وہ ابلیس جس نے تیری ماں کو مارا، رتنا کو اغوا کیا اور تیرے بھائی کو قتل کیا۔ جا
نے اس بااثر ارجن کی طرف دیکھتے ہو کہا اسے حراف و مکار! اسے مجھ سے میری ماں
اور بھائی کو پھیننے والے کیا تیرا ہی نام ارجن ہے۔ ارجن بڑے غرور و گھنڈ کا مظاہرہ
کرتے ہوئے کہا۔ میں ہی ارجن ہوں۔ ذرا تو آگے تو بڑھ اور دیکھ میں تجھے کس طرح مون
کا ایندھن بناتا ہوں۔ مجھ سے مقابلہ کرو پھر دیکھنا کس طرح میں تمہارے جسم کو قلم کی طرہ

سے پر حسرتیں اور نوہ سے بکھر گئے تھے اور اس کا جسم حاد کے حملوں پر کٹھ پتلی کی ہانچ اٹھاتا تھا۔

حماد جب پانچویں بار ارجن پر اپنا گم زبر سانسے لگا۔ تو ارجن نے فوراً اپنا گرز پھینک دیا اور گھوڑے سے نیچے کود کر اس نے اپنی تلوار نکال لی تھی۔ حماد بھی فوراً نیچے کود گیا۔ اس نے بھی گرز پھینک دیا اور تلوار سنبھال لی۔ حماد نے ایک بار غور سے ارجن کو دیکھا تو اس سے کہا: حسن! حسن! ارجن! کو اپنی ڈھال دو اس کی ڈھال بچھٹ جائے گی۔ اسے لڑنے کا پورا موقع دینا چاہتا ہوں جس نے دُور ہی سے ڈھال ارجن کے سامنے پھینک دی۔ ارجن آگے بڑھتا ہیچے جھکا پر ڈھال اٹھاتے۔ وہ خوفزدہ ہو رہا تھا کہ مبادہ ڈھال اٹھانے کے دوران حماد اس پر حملہ ہی نہ کرے۔

حماد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: آرام سے بے خوف ہو کر اپنی ڈھال اٹھاؤ۔ عو کے سے تم پر حملہ نہ کرو ونگا ارجن نے بے دھرمک ہو کر ڈھال اٹھالی۔ حماد اس کی بڑھتے ہوئے پھر عزایا۔ ارجن! تیری حالت میں جیتے شکتے برہنہ پا چڑا ہے لی کے کھڑے کی خاطر لوگوں کے ریوڑ چرانے والے چوپان جیسی کر دو ونگا۔ تھوڑی بہر وقت آنے والا ہے کہ میں تیری زندگی کے سفر کو جامد کر دو ونگا۔ سن ارجن جب میں درخت زیادہ ہو جائیں تو انہیں کاٹ کر کم کرنا پڑھتا ہے۔ تجھ پر بھی بدلیوں زیادہ ہو گیا ہے۔ اس لیے تیرے کاٹنے کا وقت آ گیا ہے۔

حماد اس کہنے مشق شیر کی طرح حملہ آور ہوا جو بے جھجک ہاتھیوں کے جھنڈ میں جانے کا فن جانتا ہو۔ حماد پر فتح کا نشہ ہوا اور ہو گیا تھا اور وہ اپنی چوڑے پھل رکتے تیر توڑ اور انتہائی خطرناک حملے کرتا ہوا بڑی تیزی سے ارجن کو اپنے آگے بگانے لگا تھا۔ ارجن کی حالت نازک ہو رہی تھی اس کا سارا غرور و تکبر، بغاوت و مارد طعن و تشنج اس کے جسم سے نکل کر پسینے کی طرح بہہ گئے تھے۔ حماد کے حملوں کو بے برگ کر دینے والے طوفانوں کی سی تندہی آگئی تھی۔

بوڑھے خلدون نے خوش ہوتے ہوئے حماد سے کہا: شاہنشاہ میرے بیٹے تو نے اپنے گرز کا وار بالکل میری خواہش کے مطابق کیا۔ ایسا ہی حملہ کرنے کی ہدایت میں حادث کو کرتا رہا تھا۔ دیکھ میرے بیٹے تیرے دشمن کی ڈھال بول اٹھی ہے۔ ارجن نے فوراً اپنی ڈھال علیحدہ کر کے حماد پر جوابی حملہ کیا جسے حماد بڑی آسانی کے ساتھ اپنی ڈھال پر روک گیا۔

حماد نے اپنے گھوڑے کی باگیں ایک سخت جھکے سے کھینچیں اور گھوڑا طوفانی انداز میں اپنی دونوں ٹانگیں اٹھا کر زور سے ہنپایا۔ ارجن عجیب سے انداز میں اپنی ڈھال کو دیکھ رہا تھا۔ حماد نے طنز کرتے ہوئے کہا: میں دیکھ چکا ہوں تیری ڈھال درمیان سے بچک گئی ہے۔ پرغم نہ کھا اگر تمہاری ڈھال بیکار ہو گئی تو میں نہیں اور ڈھال مہیا کرو ونگا۔ بے غم رہو ارجن میں تمہاری موت تک تمہیں ہتھیار بدل بدل کر دیتا ہوں ونگا۔

حماد نے دوبارہ گھوڑے کو آگے بڑھا کر حملہ کیا تھا۔ اس بار اس کا گرز اس قوت سے ارجن کی ڈھال پر پڑا تھا کہ ارجن کی ڈھال درمیان سے پھٹ گئی۔ خود ارجن کا وہ ہاتھ ڈھرا ہو گیا تھا جس میں اس نے ڈھال سنبھال رکھی تھی اور اس کی ڈھال کھٹ سے اس کے خود پیرا کر گئی تھی۔ اب حماد ارجن کو حملہ کرنے کا موقع ہی نہ دے رہا تھا وہ مختلف زاویوں سے بھیر بھیر کر ارجن پر حملہ آور ہونے لگا تھا اور ارجن اپنی چھٹی ہوئی ڈھال کے ساتھ بڑی مشکل سے اپنا دفاع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ارجن کی حالت قابل دید ہو گئی تھی۔ اس کی کوئی تذبذب و تغیر برادر کوئی جلد و جتن اس کے کام نہ آ رہا تھا۔ اس کی زبان پر کانٹے پڑ گئے تھے۔ جلت میں پھندہ لگ گیا تھا۔ اور انھیں باہر نکل آتی تھیں۔ حماد اس کے ساتھ آگ و آہن کا کھیل شروع کر چکا تھا۔ فضا میں اس کی بھیروں سے دھواں دھار ہو گئی تھیں۔ ارجن یوں محسوس کر رہا تھا۔ گویا وہ حماد کے سامنے آگ کی لپٹوں کے گورکھ دندے میں پھنس گیا ہو۔ اس کے

بدری نامتھ نے اونچی آواز میں ارجن کو مخاطب کر کے کہا۔ ارجن! جہاد کے آنے سے قبل تم جو پہاڑوں کی ساختہ بندی کر رہے تھے۔ زمین آسمان کے قلابے ملا رہے وہ کدھر گئے۔ اپنے پرانے رے بالظوں کو استوار کرو اور اپنے ننگ و ناموس کو بحال کرو میں دیکھتا ہوں تم کتنی دیر تک جہاد کا سامنا کر سکتے ہو۔ ارجن نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کیا۔ سن چھا! جب تک اس بدھکا انتم پر نیام نہ دیکھ لوں اس وقت تک اپنے پرانے تیاگوں کا۔ (جب تک اس جنگ کی انتہا نہ دیکھ لوں اپنی جان نہ ہار دوں گا) بدری نامتھ نے پھر زہری آواز میں کہا۔ تیرا مقابلہ آج ایسے منہ سے ہے جس کے چاروں طرف پرماتما ہی پرماتما ہے۔ تیرا آخری وقت آگیا ہے۔ سن ارجن تجھ پر میں آج ایک نیا انکشاف کرتا ہوں میں ہندو نہیں مسلمان ہوں اور میرا نام بدری نامتھ نہیں ابوالفتح ہے۔ میری بیٹی اور بیوی بھی مسلمان ہیں۔ آج میں سرے عام اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہوں کہ تو ختم ہونے والا ہے اور میری بستی کے آدھے سے زیادہ لوگ پہلے ہی مسلمان ہو چکے ہیں۔ اب مجھے کوئی خدشہ نہیں ہے۔ سن ارجن تیرے باپ کا پیالہ بسر نہ ہو گیا تھا اور یہ پیالہ آج ٹوٹنے والا ہے۔ بول ارجن تو چپ کیوں ہے۔ وہ تیری دشنام طرازیوں اور تیری صورت حمیر جیسی اونچی اور گلا چھاڑ کر بھلنے والی آواز کدھر گئی۔

ارجن کو اپنے آگے آگے جھگاتے ہوئے جہاد نے چلا کر کہا۔ ارجن سنبھلو تمہاری تلوار گئی۔ ارجن بوکھلا گیا۔ اسی لمحہ جہاد نے اس قوت سے ارجن کی تلوار پر اپنی تلوار ماری کہ ارجن کی تلوار کٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ جہاد نے خوب زور سے ارجن کے منہ پر اپنی ڈھال دے ماری اور ارجن بے بس سا ہو کر بیڑھیوں پر گر گیا تھا۔ اور اپنے چہرے پر اس نے اپنی ڈھال کر لی تھی۔

جہاد کی فتح پر رتنا ایسی خوشی کا اظہار کر رہی تھی گویا اس کی بیجا ہڈیوں کو شفا مل گئی ہو۔ اس کے منکینہ سنو جیسے جسم میں خوشیاں بھر گئی تھیں۔ اس کا دل پہلے ہی جھاکٹے وقت دعا تھا اور اب وہ ایسے پیارے اور دل پسند انداز میں جہاد کو دیکھ رہی تھی، جیسے وہ اس کے ساتھ تجدید نوازش کر رہی ہو۔ وہ شب تعریس کی طرح پرکشش اور

حین ہو گئی تھی۔ ایک دم رتنا کو نہ جانے کیا ہوا۔ بھاگتی ہوئی وہ آگے بڑھی۔ جہاد کے کندھے پر اپنا ناک اور حین و گداز ہاتھ رکھ کر اس نے جہاد کے کان میں کچھ کہا جسے سن کر جہاد غصے میں سرخ ہو گیا تھا اور رتنا اپنی تمام جاگتی تمناؤں کے ساتھ شمع خواباں کی مانند جہاد کے قریب ہی کھڑی ہو گئی تھی۔

جہاد ارجن کی طرف بڑھا اور اس کی ران پر اپنے پاؤں کی ٹھوکہ مارتے ہوئے کہا۔ اٹھ اپنا گداز اٹھا اور میرے ساتھ پھر مقابلہ کر۔ ارجن نے منت کرتے ہوئے کہا۔ ہمارا ج! میں آپ کا سیوک (غلام) ہوں مجھے شاکر دیں۔ رتنا آگے بڑھی اور ارجن کے چہرے پر لگانا کچی طاپنچے مارتے ہوئے کہا۔ جہاد کے آنے سے قبل تو کیسے سختی کے ساتھ تجھ پر ہاتھ اٹھاتا تھا۔ اب شاکر کا سہ گداز کیا۔ اٹھ پرماتما نے جو کچھ تیری قسمت میں رہا ہے آج تجھے مل کر رہیگا۔ تو ہمارے دکھوں کی جڑ ہے۔ تو نے اس گھر کو بدہ زار۔ درم گاہ اور جنگ کا میدان بنایا ہے۔ تیرا انجام آج اسی گھر کے صحن میں ہو گا۔

ارجن نے جہاد کی طرف دیکھتے ہوئے پھر کہا۔ بڑی دیا ہوگی۔ ہمارا ج آپ کی شاکر دیں۔ جہاد نے اس بار سخت ٹھوکہ لگائی۔ اٹھ اپنا گداز سنبھال اور میرا مقابلہ کر۔ تو کیوں تذلیل و بچاؤ کی کٹکا رہو رہا ہے۔ تیری خاندانی شجاعت کو نگہداشت میں کیوں بدل رہی ہے۔ اٹھ تو کٹھری سے شودر کیوں بن رہا ہے۔ جہاد کے چہرے پر جذبات کی بوقلمونی کی رنگا رنگی تھی اور قریب ہی کھڑا خلدون اسے اس شفقت و پیاد سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کا بڑا بیٹا اس کے لیے مژدہ تسکین اور نواتے خیر و برکت لایا ہو۔

اس بار بدری نامتھ نے بھی کہا۔ اٹھ جاؤ ارجن اس طرح تمہارے گناہوں کا پرست (مغفارہ) ادا نہ ہو گا۔ ارجن پھر معافی مانگنے لگا۔ جہاد نے اس بار سخت برہمی اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اٹھ اپنی ڈھال اٹھا اور مجھ سے پھر مقابلہ کر۔ ورنہ میں تمہیں یہیں لیٹے شجر خبیثہ جان کر اپنی تلوار سے کئی ٹکڑوں میں کاٹ دوں گا۔

ارجن اٹھ کھڑا ہوا۔ جہاد نے بھی تلوار نیام میں کر کے اپنا گداز سنبھال لیا تھا۔ ارجن جو نہی جھک کر اپنا گداز اٹھانے لگا تھا۔ جہاد نے اپنا گداز اس کے پیٹ پر دے مارا اور

ہوتے کہا۔ میرے بیٹے! تو نے اپنے باپ کا دل خوش اور ضمیر مطمئن کر دیا ہے۔ میرے
نے تم سے جو امیدیں لگا رکھی تھیں تم نے اپنے آپ کو ان سے بھی کہیں آگے اور
بلند ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ پھر خلدون نے بدری ناٹھ کو پکارتے ہوئے کہا۔

بدری ناٹھ! بدری ناٹھ نے کہا معاف کیجئے میں احتجاج کرتا ہوں۔ میں اب مسلمان
ہونے کا اعلان کر چکا ہوں۔ اب میرا نام بدری نہیں ابوالفتح ہے۔ میری بیوی کا نام عائشہ
اور بیٹی کا نام سعدیہ ہے۔ خلدون حماد سے علیحدہ ہو کر پھر لولا۔ ابوالفتح میں تم سے
کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ یاؤں سمجھ لو میں تم سے اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ میری
مرضی ہے آج ہی حماد اور رتنا کا نکاح ہو جائے۔ آج سورج غروب ہونے سے پہلے
میں انہیں میاں بیوی کے رشتے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ رتنا بچاوی شرم و خوشی
سے سمٹ کر عائشہ کے پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔

خلدون جب خاموش ہوا تو ابوالفتح نے کہا۔ ایسی ہی ایک بات میں بھی
آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میں اپنی بیٹی سعدیہ بھی حسن کے لیے آپ کو دینا
چاہتا ہوں کیا آپ اس رشتے کو قبول کریں گے۔ خلدون نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے
کہا۔ یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ سعدیہ سے بڑھ کر مجھے اور کون سی اچھی بیٹی مل سکتی ہے۔
آج شام سے پہلے پہلے ان چاروں کی شادی ہو جائے۔ ابوالفتح نے پھر پوچھا نکاح
کون پڑھائے گا۔ خلدون نے چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ میں خود نکاح پڑھاؤں گا۔

ابوالفتح کچھ اور کہنے والا تھا کہ حماد نے گیان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ گیان! گیان!
میری بات سنو! گیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مالک! اب جیکہ بڑے مالک بدری ناٹھ
سے ابوالفتح ہو گئے ہیں تو آپ مجھے گیان کیوں پکار رہے ہیں میرا نام شرف الدین
ہے۔ حماد نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اچھا شرف الدین، وہ اصطبل کے
پاس ارجن کے جو ساتھی کھڑے ہیں انہیں میرے پاس بلا کر لاؤ۔ شرف الدین اصطبل
کی طرف گیا اور ان سب کو بلا لایا۔ وہ جب حماد کے سامنے آکر کھڑے ہوئے تو حماد
نے ان سے کہا۔ ارجن کی لاٹھ اٹھاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میرے ساتھی تمہیں

ارجن کٹی مانتے ہو! میں اوبرا چھلتا ہوا زمین پر گر اٹھا اس کے منہ سے خون بہہ نکلا تھا۔
شاید رتنا نے حماد کے کان میں یہی کہا تھا کہ ارجن نے حادث کے پیٹ میں اس وقت
پگڑ مارا تھا جب وہ اپنا گرواٹھا کر مقابلے کے لیے تیار ہونے لگا تھا اور اب وہ وحشی
رجن کر ارجن سے اپنے بھائی کا انتقام لے رہا تھا۔ ارجن زمین پر لیٹ گیا تھا اور اس کے
منہ سے بے ربط پچکیوں کا ایک سلسلہ چل نکلا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ ساکن اور بے حرکت
ہو کر اس طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ کر زمین پر لیٹ گیا۔ جیسے اس کے خون اور سانس کا سفر
ختم کر جا رہا ہو گیا ہو۔

گیان آگے بڑھا اور ارجن کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ وہ مچکا تھا گیان سیدھا
کھڑا ہوا اور حماد سے کہا مالک! یہ ختم ہو چکا ہے۔ پھر گیان نے بے پناہ خوشی کا اظہار
کرتے ہوئے کہا۔ دھنیہ (مبارک) سو مہاراج آپ نے اس بھنگ و اثر و دھاک کی ساری
محنت کو اکار دیا اور اسے ختم کر دیا۔ مالک! اس شبہ (اچھی) گھڑی میں آپ کو دعا
بدھائی دیتا ہوں۔ آپ نے ایسے سائڈ اور جنگی جھینسے پر قابو پایا ہے جو آپ کے
یہاں آنے سے قبل ہم سے ایسے لہجے ایسے انداز میں باتیں کرتا ہوں جیسے اس کے
منہ سے الفاظ نہیں پاؤں۔ ونگ برس رہے ہوں۔ اس نے اپنے من میں میل اور
لو بھ بھ لیے تھے۔

رتنا کچھ ایسے پیار سے حماد کو دیکھے جا رہی تھی جیسے کوئی پتی وزنا دشوہ سے محبت
کرنے والی عورت دیکھتی ہے۔ بدری ناٹھ تیزی سے آگے بڑھا اور حماد کو اپنے ساتھ
چینکاتے ہوئے کہا۔ میرے بیٹے! تم نے جنگی مہارست کے کیسے اعلیٰ مدارج کا نمونہ
پیش کیا ہے۔ ارجن اس حویلی میں مرنے میل کی مانند رانجنا پھر تا تھا۔ اگر یہ اکیلا ہوتا
تو میں اپنے ملازموں سے کہہ کر اس کی گردن اڑا دیتا لیکن اس کے ساتھ اس کے
اتنے ساتھی تھے کہ میرا کوئی بس ہی نہ چلتا تھا۔

بدری ناٹھ جب حماد سے علیحدہ ہوا تو خلدون نے قریب آکر اپنے بازو پھیلا
دیتے اور حماد بھاگ کر اپنے باپ سے پیٹ گیا۔ خلدون نے اس کی پیشانی چومتے

بھی ختم کر دیں گے میری تمہارے ساتھ کوئی عداوت اور دشمنی نہیں اس لیے میں تم پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتا۔ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو۔

ان میں سے دو سواریچے اترے۔ ابن جن کی لاش اٹھالی اور اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ وہ جوہلی سے باہر نکل گئے۔ حماد نے اپنے ساتھ آنے والے ساتھیوں میں سے ایک کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور کہا۔ نجم الدین! لشکر کی اب یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ تم سب جو انوں کو لے کر واپس چلے جاؤ۔ نجم الدین نے سوال کیفیت میں حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یا امیر! عز الدین اگر آپ کے متعلق پوچھے تو میں اسے کیا جواب لوں۔ اسے کہنا میں دو چار روز تک پہنچ جائیگا۔

نجم الدین جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا گیا تو شرف الدین حماد اور حسن کے گھوڑوں کو پکڑ کر اصطبل کی طرف لے گیا تھا۔ سب لوگ جوہلی کے اندر چلے گئے تھے اور اسی روز حماد و زننا اور حسن و سعدیہ کی شادی ہو گئی تھی۔

فجر کی نماز کے بعد حماد اپنے بستر پر اکڑ بیٹھا ہی تھا کہ زننا کمرے میں داخل ہوئی اور بڑے پیار سے پوچھا۔ آپ نماز پڑھ چکے؟ حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں تو پڑھ چکا ہوں اور تم۔ میں بھی عمامی اور سعدیہ کے ساتھ نماز ادا کر چکی ہوں۔ عمامی کھانا تیار کر چکی ہیں۔ وہ تھوڑی دیر بعد تک سب کو کھانے پر بلانے ہی والی ہیں۔ میں آپ سے ایک بات پوچھنے آئی ہوں۔ زننا حماد کے قریب اکھڑی ہوئی تھی۔ حماد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے سہلاتے ہوئے کہا۔ پوچھو کیا پوچھنا ہے۔

آپ کا قیام کب تک یہاں ہو گا۔ حماد نے مذاق کرتے ہوئے کہا۔ کہتی نہیں تو آج ہی چلا جاتا ہوں۔ زننا نے روٹھنے کے انداز میں کہا۔ مذاق چھوڑ دیجئے یا تو کچھ عرصہ یہاں قیام کیجئے یا مجھے بھی اپنے ساتھ لے کر چلے میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔ حماد کو کوئی شرارت نہ تھی اور زننا سے کہا ذرا اپنا کان نزدیک کر تو نہیں ایک خوش خبری سنا تا ہوں۔ زننا نے جھک کر جب اپنا کان حماد کے قریب کیا تو حماد نے اس کا نازک کان پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹنگ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ تو میری بیوی بننے کے بعد تم ضد بھی کرنے لگی ہو۔ زننا نے کان پھڑپھڑاتے ہوئے کہا۔ آپ میرے شوہر ہیں اپنے شوہر کے ساتھ ضد نہ کرؤ گی تو ادھر میرا کون ہے؟ حماد نے زننا کا کان چھوڑتے ہوئے کہا۔ میں تو آج ہی یہاں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ زننا نے بوکھلاہٹ میں کہا۔ کیا کیا؟ آپ آج ہی رخصت ہو رہے ہیں میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ میں کافی عرصہ آپ سے جدا رہی ہوں۔ اب آپ سے میں علیحدہ

نہ رہو گی۔ حماد نے بڑی خجیدگی سے کہا۔ زتنا! میں مذاق نہیں کر رہا۔ میں آج ہی یہاں سے رخصت ہو رہا ہوں۔ زتنا سچا رہی دو پڑی۔ میں آپ کو آج نہیں جانے دوں گی۔ حماد نے اس کی آنکھوں سے بہہ نکلنے والے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ پہلے یہ تو پوچھ لو کہاں جا رہا ہوں زتنا نے روتی مگر دھڑکتی آواز میں پوچھا۔ کہاں جا رہے ہیں۔ ابو بکر اور اسمعیل سے ملنے ان کی بستی سدا میر جا رہا ہوں۔ زتنا نے چلتے ہوئے کہا۔ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی تو کس نے کہا میں نہیں نہیں لے جا رہا تم بھی چلو گی اور اگر حسن اور سعدیہ کی مرضی ہوئی تو ان دونوں کو بھی ساتھ لے چلیں گے ایک رات وہاں رہیں گے اور کل لوٹ آئیں۔ اس کے بعد میں چند دن اور یہاں روکو لنگا پھر ہستنا پورا اپنے لشکر کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ زتنا نے شوخی سے پوچھا۔ کیا ہستنا پور بھی میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔

حماد نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ نہیں ابھی تم میرے ساتھ نہ جاسکو گی۔ اس معاملے میں ابی کے ساتھ میری گفتگو ہو چکی ہے۔ میں یہاں سے جانے کے بعد پہلے ہستنا پور میں مکان کا بندوبست کروں گا۔ پھر اگر تمہیں ابی، حسن اور سعدیہ کو لے جاؤں گا۔ ہم پانچوں وہاں اکٹھے رہیں گے۔ زتنا یہ نہ سمجھنا کہ مجھے کوئی حرص نہیں ہے۔ تم نے ذرا کیلا رہنا اب خود میرے لیے بھی مشکل اور تکلیف دہ ہو گا۔ زتنا نے اپنا سر حماد کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔ میں نے کب کہا آپ کو مجھ سے حرص نہیں ہے۔

حماد نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مکرے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی اپنے گھوڑے کی خرچین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اچھا اٹھو! اور وہ میری خرچین اٹھا کر لاؤ۔ زتنا اٹھی اور جب اس نے خرچین لا کر حماد کو ہتھائی تو کمرے میں سعدیہ داخل ہوئی اور حماد سے کہا۔ حماد بھائی اٹھئے کھانا کھائیے۔ امی آپ کو بلا رہی ہیں۔ حماد نے زتنا سے خرچین لے کر اپنے پاؤں کے قریب رکھتے ہوئے کہا۔ سعدیہ! احسن کہاں ہے۔ سعدیہ نے شرارتے ہوئے کہا۔ وہ امی کے پاس بیٹھی ہے۔ اسے یہاں بلا کر لاؤ اور سو تم خود بھی اس کے ساتھ آؤ۔

سعدیہ جب لوٹ گئی تو حماد نے اپنے گھوڑے کی خرچین سے نقدی کے تین

بڑے بڑے توڑنے نکالے اور رتنا کے سامنے رکھتے ہوئے کہا انہیں سنبھالو زتنا!۔ رتنا نے نقدی کے توڑے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ آبی کو دیکھئے۔ گھر کے بڑے ہونے کے ناطے سے ہمارا سارا اثاثہ سنبھال کر رکھنا۔ ان کا کام ہے۔ حماد نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ شام میں نے ابی سے بات کی تھی وہ کہتے تھے گھر کی مالک اب زتنا ہے۔ یہ نقدی وہی سنبھالے گی۔

رتنا نقدی کے توڑے اوپر نیچے رکھ کر سنبھالنے لگی تھی کہ حسن اور سعدیہ کمرے میں داخل ہوئے حماد کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ آ جاؤ آ جاؤ میں تم دونوں کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ حسن جب نزدیک آیا تو حماد نے کہا۔ حسن! تمہارے پاس نقدی ہے حسن نے اپنی پٹی کے ساتھ بندھی ہوئی اپنی نقدی کی قبضی کو تھامتے ہوئے کہا۔ میرے پاس نقدی ہے اخی! آپ کو ضرورت ہو تو لے لیں۔

حماد نے نقدی کے توڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ مجھے نقدی کی ضرورت نہیں بلکہ میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اگر تمہیں رقم کی ضرورت ہو تو میں نے رتنا کو نقدی کی یہ قبضیاں دی ہیں۔ جتنی رقم چاہو ان سے نکال لو۔ سعدیہ! تم بھی سنو! اپنی ضرورت کے مطابق رقم رتنا سے لے لیا کرنا۔ اگر یہ انکار کرے تو مجھے بتانا میں اس کا بندوبست کروں گا۔ سعدیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ زتنا کا بندوبست کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی بھائی جان! رتنا کنجوس نہیں ہے اس سے جو مانگو اس سے دگنا دے دیتی ہے۔

حماد کو کوئی بات یاد آگئی اور اس نے زتنا سے پوچھا۔ زتنا! ابی کہاں ہیں۔ رتنا نے قبضیاں اٹھا کر پلنگ کے نیچے کرتے ہوئے کہا ابی اور مامل آج فجر کی نماز پڑھنے بستی کی مسجد میں گئے ہیں مامل کہہ رہے تھے کہ آئندہ وہ بستی کی مسجد میں جا کر نماز پڑھا کریں گے۔ تاکہ لوگوں کو خبر ہو کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اس طرح نو مسلموں کو میرے مسلمان ہونے کا علم ہو گا تو انہیں تقویت ملے گی۔

حماد خاموش رہا پھر اس نے حسن سے کہا۔ احسن! میں ابی سے اجازت لے

چکا ہوں میں اور تنہا ابھی کھانا کھانے کے بعد اپنے کچھ جاننے والوں سے ملنے کے لیے سدا نیر جاتیں گے۔ یہ بستی شمال میں دریا تے سرسوتی کے کنارے یہاں سے تین کوس کے فاصلے پر ہے۔ تم اور سعدیہ بھی اگر جانا چاہو تو کھانے کے بعد تیار ہو جانا حسن کچھ کہنے والا تھا کہ دروازے پر خلدون اور ابوالفتح نمودار ہوئے۔ ابوالفتح نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میرے بچو! تمہاری ماں تمہیں آوازیں دے رہی ہے۔ شاید وہ تمہیں کھانے پر بلا رہی ہے۔ آؤ سب مل کر کھانا کھائیں۔ حماد جب تنہا کے ساتھ کمرے سے باہر نکلنے لگا تو حسن نے دھیمی سی آوازیں کہا۔ انی! میں اور سعدیہ بھی آپ کے ساتھ سدا نیر چلیں گے۔

چاروں کمرے سے باہر نکل گئے۔ پہلے سب نے مل کر کھانا کھایا پھر حماد اور رتنا حسن اور سعدیہ کے ساتھ سدا نیر کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

حماد، رتنا، حسن اور سعدیہ کے ساتھ جب سدا نیر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ بستی کے اندر جہاں کبھی ایک مسجد بھی نہ تھی۔ وہاں کئی مسجدوں کے بلند اور پر عظمت مینار دکھائی دے رہے تھے جب وہ اسماعیل کے گھر کے سامنے سے گزرتے تو وہ گلی میں بندھے ہوئے اپنے بیلوں کے آگے چارہ ڈال رہا تھا۔ اس نے حماد اور اس کے ساتھیوں کو نہ دیکھا تھا۔ گھوڑا روک کر حماد نے اسے پکارا۔ اسماعیل! اسماعیل! اسماعیل نے جب حماد کو دیکھا تو وہ بیلوں کا چارہ چھوڑ کر اس کی طرف بھاگا۔ حماد بھی گھوڑے سے پھلانگ گیا اور پھر دونوں ایک دوسرے سے بغلیسر ہو رہے تھے۔

اسماعیل نے حماد کو اپنے گھر کی طرف بھیجتے ہوئے کہا۔ آئیے۔ پھر جب اس کی نگاہ رتنا پر پڑی تو اس نے اور زیادہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اوہ! اہادی بہن رتنا بھی ساتھ ہے۔ حماد نے حسن اور سعدیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ میرا بھائی حسن ہے اور اس کے ساتھ اس کی بیوی سعدیہ ہے۔ اسماعیل جب حسن کی طرف بڑھا تو حسن بھی گھوڑے سے کود گیا اور اسماعیل سے مصافحہ کیا۔ حماد نے پھر اسماعیل سے کہا۔ اسماعیل مجھے تمہارے ہاں قیام کرنے پر کوئی اعتراض نہیں پر کیا ہی اچھا ہوا اگر تم بھی میرے ساتھ چلو اور اکٹھے مل کر ابوبکر کے ہاں بیٹھیں۔

اسماعیل نے اپنے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ چلئے اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ اسماعیل نے آواز دے کر اپنے گھر میں تھوڑی دیر بعد آنے کی اطلاع کی اور ان کے ساتھ ہویا۔ راستے میں حماد نے اسماعیل سے پوچھا۔ اس بستی میں تو کبھی ایک مسجد بھی نہ تھی اور اب اس میں ایک چھوڑی مسجدوں کے مینار دکھائی دیتے ہیں۔

اسماعیل نے خوشی اور سکون کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ جب آپ نے شیرنی کو مارا تھا اور اس کی لاش ہم نے بستی کے اندر پھرائی تھی۔ تو اس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور چند روز کے اندر ہی اندر بستی کے تین چوتھائی لوگ مسلمان ہو گئے۔ اب یہ بستی ایک طرح سے مسلمانوں کی ہو کر رہ گئی ہے۔ ہندو بہت کم گھرانے ایسے ہیں جو ہندو دھرم پر قائم ہیں۔

ابوبکر کا گھر آگیا تھا اور اسماعیل دروازے پر دستک دینے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب دروازہ کھلا تو ابوبکر سامنے کھڑے تھے۔ اسماعیل نے دروازے سے ہٹ کر حماد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ دیکھئے میں آپ کے لیے کیسے اچھے اور بابرکت لوگ لایا ہوں ابوبکر نے جب حماد کو دیکھا تو وہ زور زور سے پکارتا ہوا حماد سے بغلیسر ہو گیا۔ او! حماد میرا بیٹا! حماد سے پیٹے ہی پیٹے ابوبکر پکارنے لگا وینا! وینا بھاگ کر آؤ اور دیکھو کون آیا ہے۔

وینا اور اس کے پیچھے پیچھے ابوبکر کے پیٹے بھی بھاگتے ہوئے دروازے پر آگئے۔ حماد کو دیکھتے ہی وینا خوشی سے چلا اٹھی۔ آہ! کیا خوشی کا دن ہے

آج اس گھر میں میرا بھائی آیا ہے۔ پھر دینا۔ دیوان خانے کا دروازہ کھولنے لگی۔ ابوبکر کے بیٹے حماد و حسن سے مصافحہ کر رہے تھے۔ حماد کی طرف دیکھتے ہوئے وینا نے کہا۔ حماد بھائی اندر آکر بیٹھیں۔

دینا کی نظر ابھی تک رتنا اور سعدیہ پر رہ پڑی تھی کیونکہ وہ دروازے کے پیچھے کھڑی تھیں۔ جب وہ سب اندر داخل ہوئے تو دینا کی نگاہ رتنا پر پڑی اور جھاک کر رتنا سے گلے ملتے ہوئے بشر مندگی کے اظہار میں کہا۔ میں نے تو دیکھا ہی نہیں میری بہن بھی آئی ہے۔ رتنا نے حسن اور سعدیہ کا تعارف کرایا اور دینا مسکراتی ہوئی سعدیہ سے بھی گلے مل گئی۔

جب سب دیوان خانے میں داخل ہوئے تو رتنا نے وینا سے کہا۔ وینا مجھے تمہارے بالوں کی مرگ کا دکھاؤ افسوس ہے دینا نے پرانے اور کٹر مسلمانوں جیسے انداز میں کہا۔ سب کچھ خدا کے لیے ہے اور ہر ایک نے اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ بالوں کی جتنی زندگی تھی اتنی انہوں نے گزار لی۔ اللہ نے اسے عزت سے سنبھال لیا۔ اس کا احسان ہے۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ مرنے سے پہلے وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ میرا اللہ انکی روح کو پرسکون رکھے۔

حماد نے وینا سے کہا۔ تم سے ایک نئی بات کہوں وینا! رتنا اب صر رتنا نہیں میری بیوی بھی ہے۔ وینا نے چونک کر پوچھا۔ کب شادی ہوئی صر ایک دن ہی ہوا ہے۔ وینا نے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔ اور مجھے بلایا ہی نہیں بھائی جان! حماد نے اس کا گلہ رفع کرنے کی خاطر کہا۔ ہم خود جو چل کر تمہارے پاس آگئے ہیں۔ اس بار ابوبکر نے حماد سے پوچھا۔ حماد انیشاپور سے آ رہے ہو یا کہیں اور سے۔ حماد نے بات کاٹ کر کہا۔ ابھی ایک ہی دن تو ہماری شادی کو ہوا۔ ایک دن میں ہم انیشاپور سے یہاں کیونکہ پہنچ سکتے ہیں۔ ہم جیم سین سے آ رہے ہیں اور میرے چھوٹے بھائی حسن کی بیوی سعدیہ رتنا کے ماموں کی بیٹی ہے جو جیم سین میں رہتے ہیں، ان کا نام ابوالفتح ہے۔

وینا نے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بھائی جان آپ بیٹھ کر باتیں کریں میں آپ سب کی خاطر جھگڑا کا کوئی سامان کروں۔ حماد منہ کرتا رہ گیا۔ پر وینا اس کی باتوں بغیر رتنا اور سعدیہ کو لے کر مکان کے اندر چلی گئی۔ حماد اور حسن، ابوبکر، اس کے بیٹوں اور اسماعیل کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے تھے ان کا موضوع ہندوستان کی وہ جنگیں تھیں جن میں حماد نے حصہ لیا تھا۔

درست ہے۔ ہندوستان میں نہرو والا (گجرات) کی حکومت ہمارے راستے میں ایک ایسی رکاوٹ رہ چکی ہے۔ جسے ہم اگر ہٹا دیں تو پورے ہندوستان پر ہماری پرامن حکومت استوار و مضبوط ہو جائے گی۔ دو ماہ قبل میں نے خود بھی قطب الدین کو مشورہ دیا تھا کہ ہمارا آئندہ حدف نہرو والا ہونا چاہیے۔ اس کی فتح پر ہندوستان میں دشمن کی کوئی ایسی قوت باقی نہ رہے گی جو ہمارے سامنے سر اٹھا سکے۔ مجھے اُمید ہے۔ نہیں بلکہ یقین ہے کہ قطب الدین نہرو والا پر ضرب لگانے کا ارادہ کر چکا ہے۔

عز الدین نے کہا۔ پھر آپ آج کی رات آرام کریں۔ کل ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔ حماد نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ نہیں لشکر آج ہی کوچ کرے گا۔ میں آرام کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ تم لشکر کو کوچ کا حکم دو اور جو سپاہی میرا گھوڑا لے گیا ہے۔ اسے کہو میرے گھوڑے سے زین نہ اتارے اور اسے واپس لے آئے۔ عز الدین نے فوراً اہر جا کر کوچ کے نقارے بھجوا دیئے۔ لشکریوں نے آنا فانا اپنے خیموں کو دہرے کر کے پیٹ لیا۔ کھلے میدان میں لشکر نے شام کی نماز ادا کی۔ اور رات کے کھانے کے بعد وہاں سے کوچ کر رہا تھا۔

ایک روز سہ پہر کے بعد حماد اپنے لشکر کے ساتھ اجیر سے صرف ایک میل کے اصلے پر تھا اس نے دیکھا۔ شہر کے ارد گرد خیموں کا ایک شہر آباد تھا جس سے اس نے ملازہ لگا لیا تھا کہ قطب الدین نے ہندوستان کے اکناف و اطراف میں پھیلے ہوئے اپنے سارے جرنیلوں کو اجیر میں طلب کر لیا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ قطب الدین نے اپنے سب جرنیلوں کو اجیر بلا لیا تھا۔ اس لیے کہ وہ نہرو والا پر اپنی پوری قوت کی جھلک دینا چاہتا تھا۔ نہرو والا کا راجہ وہی بھیم دیو تھا جس نے قطب الدین کے خلاف نے والے ہر ہندو لشکر کی جھلک دیا اور حمایت کی تھی۔ اس نے قطب الدین کو

حماد نے صرف ایک رات ساغیر میں البکر کے ہاں قیام کیا۔ دوسرے روز وہ رتنا حسن اور سعدیہ کو لیکر بھیم سین روانہ ہو گیا۔ یہاں اس نے رتنا کے ساتھ دو ہفتے اور قیام کیا پھر وہ اپنے لشکر کی طرف ہستنا پور روانہ ہو گیا تھا۔ ایک روز شام سے قبل ہی وہ ہستنا پور کے اپنے فوجی مستقر میں داخل ہوا۔ ہر طرف اس کی آمد پر سپاہی خوشی اور مسرت کا اظہار کر رہے تھے جب وہ اپنے خیمے کے پاس آیا تھا تو ایک سپاہی بلند آواز میں چلاتا ہوا حماد کی طرف بھاگا۔ امیر آگئے۔ امیر آگئے۔ حماد گھوڑے سے اترا اور وہ سپاہی حماد کے گھوڑے کو پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

اتنے میں حماد کے خیمے کے اندر سے اس کا ترک جرنیل عز الدین نکلا۔ آگے بڑھ کر پہلے وہ حماد سے گلے ملا۔ پھر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ آپ بڑے وقت پر آئے ہیں۔ میں کئی روز سے سخت پریشان تھا اور ہر روز آپ کے خیمے میں شام تک بیٹھ کر آپ کا انتظار کیا کرتا تھا۔ حماد نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ کیا ہوا۔ کیا میرے لیے کوئی بُری خبر ہے۔ عز الدین نے بڑی عاجزی سے کہا۔ کوئی بُری خبر تو نہیں۔ لیکن یہاں میں آپ کی سخت ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

تقریباً چار روز ہوئے آقا قطب الدین کی طرف سے ایک قاصد آیا تھا۔ انہوں نے آپ کو لشکر کے ساتھ فی الفور اجیر طلب کیا ہے۔ میرا دل کہتا ہے آقا پھر کسی طرف حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ حماد نے خیمے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ تمہارا اندازہ

ہندوستان سے نکلنے کا ہر حربہ استعمال کیا تھا اور اب اسنے قطب الدین کے ہاتھوں شکست کھا کر کوہستانوں کے اندر بکھرے ہوئے لڑاکا راجپوتوں کو جمع کر کے اپنے زعم میں ایک ناقابل تسخیر لشکر تیار کر لیا تھا اور عنقریب وہ خود نہروالا سے نکل کر قطب الدین جنگ کرنے والا تھا۔ اس کا ارادہ تھا۔ پہلے قطب الدین کو اجیر میں شکست دی جائے اور اجیر پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کے بعد ہندوستان کے مختلف کونوں میں بکھرے ہوئے مسلمان جرنیلوں کو باری باری کچل کر رکھ دے۔ لیکن قطب الدین بڑی بیداری اور دانش مندی کا ثبوت دے رہا تھا اس نے ارادہ کر لیا تھا جہیم دیکو کو اجیر کی طرف بڑھنے سے قبل ہی نہروالا سے باہر کھلے میدان میں شکست دیکر اپنے راستے کے اس خطرناک اور زہریلے کانٹے کو ہٹا دے گا۔

حماد نے اپنے لشکر کو ہر سے دُر ہی خیمہ زن ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ اور جب لشکر کے خیمے نصب ہو کر کھانا تیار ہونے لگا تو حماد نے اپنے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے عز الدین سے کہا۔ تم لشکر کا انتظام و انصرام سنبھالو۔ میں قطب الدین سے ملتا ہوں اور اسے اپنے آنے کی اطلاع کرتا ہوں۔ میں زیادہ ——— حماد کہتے کہتے رک گیا۔ کیونکہ اسے شہر کی طرف سے دھول اڑتی دکھائی دی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا سواروں کا کوئی دستہ اپنے گھوڑوں کو ماتا بھگاتا ان کی طرف آ رہا ہو۔

حماد رک گیا اور شہر کی سمت اڑتی ہوئی گرد کے بادلوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ عز الدین بھی بڑے غور سے ادھر دیکھ رہا تھا۔ حماد نے عز الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ گرد کے اڑتے ہوئے یہ بادل بتاتے ہیں کہ سواروں کا کوئی دستہ ہماری طرف آ رہا ہے۔ ان کی تعداد پچاس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ عز الدین کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گرد و غبار کے اس اڑھتے طوفان کے اندر سے کچھ سوار نظر آتے۔ حماد کا اندازہ درست تھا ان کی تعداد پچاس سے زائد نہ ہوگی۔ حماد نے پھر عز الدین سے

کہا۔ عز الدین! دیکھو قطب الدین ہماری طرف آ رہا ہے۔ شاید اسے ہمارے آنے کی اطلاع ہو چکی ہے۔ میں اس کے گھوڑا بھگانے اور اس پر بیٹھنے کے انداز کو خوب پیچا پتا ہوں۔ یہ دستہ اس کا محافظ دستہ ہے اور سب سے آگے وہ خود ہے۔

قطب الدین طوفان کی مانند اپنے محافظ دستے کے ساتھ وہاں آیا۔ اسے دیکھتے ہی اس کا استقبال کرنے اور تعظیم کی خاطر حماد اپنے گھوڑے سے اتر چکا تھا۔ قطب الدین کا چہرہ اور کپڑے گرد آلود ہو رہے تھے۔ حماد کے قریب آ کر وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر حماد سے گلے ملتے ہوئے کہا۔ میں بہت جلد یہاں سے نہروالا کی طرف کوچ کرنا چاہتا تھا۔ تمہارے مشورہ کے مطابق میں نے راجہ جہیم دیلو پر ضرب لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ نہروالا کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان میں ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے گی۔ لیکن میرے اندازے کے مطابق تم چار دن تاخیر سے پہنچ رہے ہو۔ مجھے خدشہ ہو رہا تھا کہ کہیں نہروالا کے جہیم دیلو نے کوئی ایسا لشکر مستنار کی طرف روانہ نہ کر دیا ہو جس نے حماد کا راستہ روک لیا ہو۔ خدا سے وحدہ کا شکر ہے کہ تم اپنے لشکر کے ساتھ غیریت سے پہنچ گئے ہو کیا وجہ ہوئی تمہیں یہ تاخیر کیوں ہو گئی۔

حماد نے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔ کچھ نامساعد حالات کے تحت میرا باپ اور میری میگنتر نبشا پور سے رہا کے سرسوتی کے کنارے ایک قصبے جہیم سین میں آ گئے تھے۔ میں ان سے ملنے چلا گیا تھا۔ وہاں سے لوٹ کر ادھر آیا ہوں اس لیے یہ چار روز کی تاخیر ہو گئی ہے۔ قطب الدین نے تیرنگا ہوں سے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تم نے شادی کر لی ہے۔ حماد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہاں میں نے شادی کر لی ہے۔ قطب الدین نے اس بار غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا عجیب بے حرص محسن ہو شادی کر لی اور مجھے اطلاع ہی نہ کی۔

حماد نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ کچھ مجبوریاں ہو گئی تھیں جو مجھے اس قدر غصے میں گھر جانا پڑا اور میری شادی ہو گئی۔ درنہ ان دنوں میرا شادی کرنے

کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ یہ ایک تکلیف دہ حادثہ تھا جس میں میری ماں اور میرا بھائی حارث مارے گئے ہیں۔ قطب الدین نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ مجھے تمہاری ماں اور بھائی کے مرنے کا دکھ ہے۔ میں اس حادثے کے پورے واقعات سننا پسند کروں گا۔ اؤ تمہارے خیمے میں بیٹھتے ہیں۔ قطب الدین نے حماد کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے خیمے کی طرف چل دیا۔ عز الدین حماد کی ماں اور بھائی کے مرنے کی خبر سن کر ایسا دل برداشتہ ہوا تھا کہ قطب الدین اور حماد کے وہاں سے ہٹنے کے بعد وہ گم سم وہاں کھڑا رہ گیا تھا چند قدم آگے جا کر قطب الدین نے مڑ کر دیکھا اور شفقت لہجے میں کہا عز الدین تم وہاں کیوں کھڑے ہو گئے ہو۔ اؤ تم بھی۔ عز الدین چونکا اور بھاگ کر ان کے ساتھ ہو لیا تھا۔

قطب الدین نے خیمے میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں بھی تم دونوں کو ایک خوش خبری سنانا چاہتا ہوں۔ حماد نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ آپ نے بھی شادی کر لی ہوگی۔ قطب الدین نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تو نہیں لی۔ بہر حال ہونے والی ہے چند روز ہوئے غزنی سے سلطان کا ایک ہرکارہ آیا تھا۔ سلطان نے مجھے غزنی طلب کیا ہے۔ اب میں راجہ جیم دیو سے ٹھٹھنے کے بعد غزنی روانہ ہو جاؤں گا۔ اور حماد میرے بعد ہندوستان میں قائم مقام ہوں گے۔ سلطان نے میرے لیے ایک لڑکی بھی تلاش کر رکھی ہے۔ میرے نام جو سلطان کا خط آیا تھا اس میں پوری تفصیل لکھی ہوئی تھی۔ حماد نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ لڑکی کون ہے۔ اس کا تعلق ہندوستان سے ہے یا غزنی سے۔ قطب نے گہری نگاہوں سے حماد کو دیکھا پھر کہا۔ نہ ہند نہ غزنی سے حماد نے بے ساختہ کہہ دیا۔ تو کیا وہ من و دسوی کی طرح آپ کے لیے آسمان سے اترے گی۔ قطب الدین اور عز الدین کھلم کھلا کر سنسن دیتے پھر قطب الدین نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ وائے کرمان تاج الدین یلدرم کی حسین ترین لڑکی۔ حماد نے پھر خوش کن لہجے میں کہا۔ ایسی حسین بیوی ملنے کی امید پر میں آپ کو قبل از وقت مبارک باد دیتا ہوں۔ قطب الدین نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اب تم اپنی وہ

داستان سناؤ جس میں تمہاری ماں اور بھائی مارے گئے تھے اور جواب میں حماد انہیں۔ بیشاپور سے جیم سین تک پھیلی ہوئی ارجن کے مظالم کی داستان سنا رہا تھا۔

نہروالا (گجرات) کے راجہ جیم دیو نے اپنے ذاتی لشکر کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ کر لی تھی۔ اس کے علاوہ اجین، قنوج، متھرا، گوالیار، کالنجر، اجمیر، رتھور اور ایسے ہی دوسرے شہروں اور قلعوں سے بھاگے ہوئے جنگجو اور لڑاکا لداچوت بھی اس کے پاس نہروالا میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ اب جیم دیو کی قوت ایسے مضبوط ہو گئی تھی کہ اسے یقین ہو گیا تھا دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔ اپنے اس دُرم اور گھنڈ میں جیم دیو اپنے ان گنت ادبورا لشکر کے ساتھ نہروالا سے نکلا اور اجمیر کی طرف کوچ کیا۔ اس نے نہروالا کے سب سے بڑے مندر میں جا کر بتوں کے سامنے کھڑے ہو کر قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ قطب الدین کو شکست نہ دے لیے جنگ سے منہ نہ موڑے گا۔

جیم دیو اپنے لشکر کے ساتھ ابھی نہروالا سے چند میل ہی دوڑ گیا تھا کہ اس کے جاسوسوں نے اطلاع دی۔ قطب الدین بڑی برق رفتاری سے نہروالا کی طرف بڑھ رہا ہے جیم دیو اس وقت ایک کوہستانی سلسلے کے اندر سفر کر رہا تھا اور نہروالا کی طرف جانے والا واحد راستہ انہیں کوہستانوں کے اندر سے گزر کر جاتا تھا۔ جیم دیو کو حدشہ ہوا۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ اجمیر کی طرف جائے اور قطب الدین راستہ کاٹ کر کسی اور طرف سے نہروالا پر قبضہ کر لے۔ یہاں جیم دیو کے ذہن نے پوری طرح کام کیا۔ اس نے اس پہاڑی سلسلے کے اندر اجمیر کی طرف دُور دُور تک اپنے دتے پھیلا دیئے تھے۔ اسے یقین تھا کہ قطب الدین اسی راستے نہروالا کی طرف آئے گا۔ کیونکہ یہی ایک راستہ ہی اس کی راجدھانی کی طرف جاتا تھا۔ اس نے دُور دُور تک اپنے دتے پھیلا دیئے تھے کہ پہاڑوں کے اندر چھپ کر اس کے قتلے قطب الدین کے لشکر پر حملہ کرتے رہیں۔

امیسرہ کا کماندار ارسلان خلیج اور مینہ کہنہ شق برنیل خرمیل کے ماتحت تھا۔ دونوں اردوں میں طبل، دفیں اور جنگی تھاڑے بچ رہے تھے۔ ایک طوفان تھا شور کا اس میدان میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

بھیم دیو کے لشکر سے ایک دیو قامت راجپوت نکلا وہ سر سے پاؤں تک ہم میں غرق تھا۔ میدان کے وسط میں آکر اس نے اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور اپنے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ اپنی ڈھال بلند کرتے ہوئے اپنے چلا کر کہا۔ تم میں کوئی ایسا ہے جو اس میدان میں میرا مقابلہ کرے میسرہ کے لئے کھڑے ارسلان خلیج اور مینہ کے سامنے کھڑے خرمیل نے فوراً اس راجپوت سے اپنے گھوڑوں کو ایڑھ لگا دی۔ لیکن قطب نے آواز دے کر ان دونوں کو دیا اور اشارے سے حماد کو میدان میں اترنے کے لیے کہا۔ جو مقدمہ الجیش سامنے کھڑا بڑی گہری اور خونی لگا ہوں سے اس راجپوت کو دیکھ رہا تھا جس بلان میں آکر مقابلے کے لیے لڑنا تھا۔

قطب الدین کا اشارہ پا کر حماد نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا دی تھی۔ میدان وسط میں آکر حماد اس راجپوت کے گرد چکر لگانے لگا تھا۔ اس راجپوت نے رتے ہوئے کہا۔ دُور دور میرے گرد گھوڑا کیوں دوڑا رہے ہو جو صلہ کرو نزدیکی آؤ اور ہمت کر کے مجھ سے میرا نام پوچھو اور اپنا نام کہو کہ تمہاری کے بعد مجھے یاد ہو۔ اس دن کس سو را کو میں نے بچھا ڈالا تھا۔ نزدیک آ۔ وہ نہ ہو اور اپنا نام کہہ اس کے بعد دیکھ۔ دونوں لشکروں کے سامنے میں ساتھ جنگ کا ایک طوفان اور شجاعت کا کیسا ابر کھڑا کرتا ہوں۔

حماد نے اپنا گز ہاتھ میں لیکر تیزی سے فضا میں گھمایا اور اس راجپوت کے آکر کہا۔ خدا اپنا نام کہہ چھو دیکھ میرا کہہ اس میدان میں کس طرح نہیں جھس جھاتا ہے۔ اس راجپوت نے بھی اپنا گھوڑا حماد کے طرف بڑھاتے کہا۔ میرا نام شیونراتن ہے۔ اور میں بھیم دیو کے سامنے سر نیلوں میں

اور جوں جوں وہ نہروال کی طرف بڑھے ہر قدم پر اس کے لشکر کی تعداد کم ہوتی رہے یہ ایک بہترین منصوبہ تھا جو بھیم دیو نے باندھا تھا اور اس کے ذریعے وہ لمحوں کے اندر قطب الدین کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتا تھا کیونکہ اجیمیر کی طرف آنے والے راستے کے دونوں جانب اس نے اپنے ان گنت لشکری پھیلا دیئے تھے اور خود وہ کوسستانوں کے دامن میں ایک کھلے اور وسیع میدان کے اندر پڑاؤ ڈال کر قطب الدین کے لشکر کا انتظار کرنے لگا۔ اپنے لشکر کے لیے اس کے پاس کئی ماہ کا رسد و خوراک کا ذخیرہ تھا جسے اس نے پہاڑ کے دامن میں محفوظ رکھ کر پہرہ لگایا دیا تھا۔

قطب الدین ایک کو بھی اس کے ہر کارے بھیم دیو کے سامنے منصوبے سے آگاہ کر چکے تھے۔ لہذا قطب الدین نے وہ راستہ چھوڑ دیا۔ جو ان کو ہستانوں میں سے ہو کر گزرتا تھا جن کے اندر بھیم سین نے موت کے پھندے پھیلا رکھے تھے۔ قطب الدین نے بڑی تیزی اور برق کے کوندے کی سی جولانی کی طرح ایک طویل چکر کاٹا اور ہستانی سلسلے کے باہر ہی باہر ایک تکلیف دہ چکر کاٹنے کے بعد اس میدان میں نمودار ہوا جس کے اندر بھیم دیو نے پڑاؤ کر رکھا تھا۔

بھیم دیو کو جب قطب الدین کی آمد کا علم ہوا تو اس نے فوراً اپنے ان چھوٹے چھوٹے لشکروں کو واپس بلا لیا جو اس نے پہاڑی سلسلے کے اندر اجیمیر کی طرف سے آنے والے راستے کے دونوں طرف پھیلائے ہوئے تھے۔ قطب الدین نے بھیم دیو کے سامنے کھلے میدان میں پڑاؤ کیا تھا۔ یہ وہ میدان تھا جس کے اندر ہریانہ کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔ دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ ایک دن اور ایک رات آرام کرنے کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے تھے۔

قطب الدین نے اس میدان میں اپنے آقا شہاب الدین غوری کی جنگی چالوں پر عمل کیا۔ لشکر کا قلب اس نے اپنے پاس رکھا۔ مقدمہ الجیش کے دستوں کا سالار حماد

طاقت و درادہ شجاع جرنیل ہوں سن! میری تلوار کا دار آج تک کوئی برداشت نہیں کر سکا۔
حماد نے دھاڑتی اور گرجتی آواز میں کہا: میرا نام حماد بن خلدون ہے اور میں قطیف الیہ
کے مقدمۃ الجیش کا سالار ہوں۔ سن میں قطب الدین کے لشکر کا سب سے کم زور اور غیر تربیت
یافتہ جرنیل ہوں اس نے مجھے اپنا سب سے کچا اور خام تیر جان کر تم پر چلایا ہے۔ یاد کرو میرے
بعد ایسے ایسے جرنیل میدان میں انہیں گے۔ جو تمہیں چاروں اطراف کی سمتوں کی نشاندہی
کرنا بھلا دیں گے۔ تو نے باؤ لے کتے کی طرح اپنے بہادر اور شجاع ہونے کا اظہار کیا
ہے۔ سن! میرے لیے یہی سب سے بڑا انعام ہے کہ میں قطب الدین کے لشکر میں
سب سے بدترین ہوں۔ اپنا گرز سنبھال کہ میں تم پر وار کرتا ہوں۔ پھر دیکھنا تمہیں کس طرح
مشرق میں مغرب اور جنوب میں شمال نظر آتا ہے۔

شیونزائن نے خفت و شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: میرے پاس گرز نہیں ہے
تو تلوار کے ساتھ میرا مقابلہ کر میں گرز کا فن نہیں جانتا۔ حماد نے دانت پیستے ہوئے کہا:
کیسا احمق سو رہا ہے جو گرز کا فن نہیں جانتا اور جسے موت کا لقمہ تر بننے کے لیے تمہارے
راجہ بھیج دیوے میدان جنگ میں بھیج دیا ہے۔ جا واپس چلا جا۔ کسی اور کو بھیج جو گرز مارنے
اور کھانے کا تجربہ کار ہو جا چلا جا۔ میرے ہاتھوں حرام موت نہ مر۔ چلا جا ورنہ تیری
حالت میرے ہاتھوں ایسی ہوگی جس طرح فوج ہونے سے قبل بیل رانختے اور بھیڑ پر
میتا رہتی ہیں۔

شیونزائن نے ابال کھاتی آواز میں کہا: تو اپنی ڈھال سنبھالے رکھے میں تمہارا
سامنے تلوار کے ساتھ آتا ہوں۔ پھر دیکھنا غالب کون رہتا ہے۔ شیونزائن حملہ آور ہونے لگا
اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگانے لگا تھا۔ حماد نے فوراً گرزین سے باندھ دیا اور اپنی تلوار
کھینچ کر وہ تیار ہو گیا۔ نرائن نے اپنے گھوڑے کو گھمایا اور حماد پر حملہ کیا۔ وہ اپنی جے کا ٹکڑا
شبہ بلند کرتا ہوا آگے بڑھا اور اپنی تلوار کا ایک خطرناک وار حماد پر کیا۔

حماد نے اپنی بہترین جنگی حمادست اور عمدہ شجاعت کا ثبوت دیتے ہوئے نرائن
کا دار اپنی ڈھال پر دکا۔ اپنا دفاع کرنے کے بعد حماد نے بھی جارحانہ حملہ کیا جسے نرائن

صفائی سے رد کیا تھا اب دونوں گھوڑے بار بار ہنہانے ہوئے آپس میں ٹکرائے
لگے تھے اور دونوں کی تلواریں اور ڈھالیں بار بار شور کرنے لگی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے
پر طوفان اور آنکھی کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔ جبکہ ان کے لشکر زندگی اور موت کے اس
کھیل کے انجام کے لیے بڑی بیتابی اور پریشانی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

ایک موقع پر اپنا جنگی پلینز ابدلتے ہوئے حماد نرائن کے بائیں سے دائیں طرف اپنے
گھوڑے کو لایا اور نرائن پر داریا۔ نرائن نے دار اپنی ڈھال پر دکر جوابی حملہ کیا۔ جیسے حماد
نے کوئی حربہ استعمال کرنے کی خاطر بالکل نرائن کے شانے کے قریب ہی رد کا پتھر قبل اس
کے دونوں کی تلواریں علیحدہ ہوئیں۔ حماد نے اپنی ڈھال سے نرائن کے شانے کو اس
قدر قوت سے پیچھے دھکیلا کہ نرائن اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ حماد بھی چھلانگ لگا کر
اپنے گھوڑے سے اترا اور دکر بغیر نرائن پر حملہ کر دیا۔

نرائن گھوڑے پر پیچھ کر تو حماد کے حملوں کو بڑی آسانی سے رد کر رہا ہے لیکن اب نیچے
اگر حماد بڑی تیزی کے ساتھ اسے اپنے آگے دھکیلنے لگا تھا۔ نرائن نے پوری کوشش
کر کے ایک جگہ رک کر جب حماد پر اپنی تلوار کا وار کیا تو حماد پھدک کر پیچھے ہٹا اور نرائن کی تلوار
کا اگلا حصہ زمین میں گھس گیا تھا۔ حماد نے فوراً اپنے رد عمل کا اظہار کیا اور زمین میں کھسی
ہوئی تلوار کے اوپر اس نے اپنا پاؤں رکھ کر نرائن کے ہاتھ پر اپنی تلوار کا الٹا حصہ مارا اور تلوار
نرائن کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ نرائن بوکھلا گیا تھا۔ اور اپنی ڈھال اپنے
دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے سامنے کر لی تھی۔

حماد نے اپنی تلوار اہرا تے ہوئے چھتے لہجے میں کہا: دیکھ میں نے تیری ساری
مشاقی غفلتندی، حکمت و تربیت اور تمہارے تجربے و تیز کو کسی بوسیدہ صنم گرد آلود
کی طرح توڑ دیا ہے۔ کسی سو رہا ہے اس کی تلوار جنگ کے دوران ہاتھ سے چھن جانا کیا
بزدلی کی علامت نہیں ہے۔ حماد چند قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا: نرائن اپنی تلوار اٹھا کر ایک
بار پھر مقابلہ کے لیے تیار ہو۔ پھر دیکھ میں تجھے کیسے تار یک دنا تمام کر کے تیری زندگی
کے ارتقائی سفر کو انجام دیتا ہوں۔

مصلحت کے تحت اس جنگ میں اپنے ہاتھی استعمال نہ کیے تھے۔ قطب الدین بھی آگے بڑھنے کا اشارہ دے چکا تھا۔ خود وہ درمیان میں تھا۔ اس کے بائیں طرف ارسلان غلامی سرہ کے ساتھ۔ دائیں طرف بالکل قلب کے ساتھ جڑھ کہ ہارول دستوں کے ساتھ حماد اور ذرا فاصلے پر بائیں جانب منیمہ کے ساتھ جہانزیدہ جرنیل خرمیل تھا۔

اس کو ہستانی تلہی کے نزدیک دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکراتے۔ راجہ جیم دیو کو اپنے لشکر کی ان گنت تعداد اس کے علاوہ راجپوتوں کے جنگی جنوں پر گھمنڈ تھا وہ دور پیچھے رہ کر جنگ کا نظارہ کرنے لگا تھا۔ اس کا گمان تھا۔ جنگ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکے گی۔ اور فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔ لیکن اسے بالیسی ہوئی تھی۔ پہلے حملے میں ہی قطب الدین حماد، ارسلان غلامی، خرمیل اور عز الدین جیسے جرنیلوں نے اپنے دستوں کے ساتھ ایسی بے جگری اور جان نثاری سے حملہ کیا کہ جنگی جنوں رکھنے والے راجپوتوں کی پہلی پانچ صفیں ایسی الٹیں جیسے تیز آندھی یا تندر دنگولوں کے اندر کاغذ یا خشک تنکے اڑتے ہیں۔ راجہ جیم دیو نے جب اپنے لشکر کی یہ حالت دیکھی تو اس نے اپنے جرنیلوں کو غیرت دلائی اور انہیں لگا کر کہہ دیا۔

راجہ جیم دیو اپنے لشکر کے وسط میں کھڑا ہو کر لگا لگا کر لڑا اور اس کا تارہ گیا لیکن کوئی اثر نہ ہوا تھا وہ لشکر کے لشکر اور دستے کے دستے بدل بدل کر آگے بھجوتا پھر وہاں کوئی جھنڈ نہ پڑا تھا۔ مسلمانوں نے شروع میں ہی ایسا زوردار حملہ کر دیا تھا کہ راجہ جیم دیو کی ایک باند کھڑی ہوئی صفیں دوبارہ جم نہ سکی تھیں۔ اس کے علاوہ راجہ جیم دیو کے لشکر میں ایک نفسیاتی کمی تھی مسلمانوں کا سپہ سالار اعظم قطب الدین اپنے لشکر کی اگلی صفوں کے اندر ایک عام سپاہی کی طرح جنگ کر رہا تھا جبکہ خود جیم دیو اس محفوظ جگہ کھڑا جنگ کا نظارہ کر رہا تھا جہاں کسی مسلمان سپاہی کا تیر تک نہ پہنچ سکتا تھا۔

راجہ جیم دیو نے اپنی اس کمزوری کو جلد ہی محسوس کر لیا اور وہ اپنے لشکر کی اگلی صفوں میں آکر خود بھی جنگ میں حصہ لینے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک بار اس کی درہم برہم ہوتی ہوئی غلی صفیں درست ہو جائیں۔ اس کے بعد وہ دشمن کو کچلنے کا عمل شروع کر دیا۔ لیکن اس

نڑانے اپنی تلوار اٹھالی اور دوبارہ مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ حماد پھر اپنی تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا اور نڑان سے کہا۔ نڑان قادر مطلق نے مجھے جو قوت و دلیریت کی ہے اس سے میں تیرا پیچھے سرکش توڑ دوں گا۔ ایک بار میں تمہیں معاف کر کے تلوار اٹھاؤں گا۔ کاموقع دے چکا ہوں۔ اس بار تیرے گناہوں کو مجھ سے امان نہ ملیگی۔ نڑان اب کچھ بد دل اور بڑھلایا ہوا لگتا تھا۔

حماد آگے بڑھ کر ایسے سرور سامان ضیاء کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا کہ اس نے نڑان جنگ کے سارے مفاہیم و مطالب ذہن نشین کرانے کا عہد کر لیا ہو۔ وہ نڑان سے اس کا ماضی کی تمام بازیافت پھر چین لینا چاہتا تھا۔ حماد اس قدر تیزی اور ایسی پھرتی سے اپنی تلوار چلا رہا تھا کہ نڑان اپنے جادو خانہ حلوں کو بھول کر صرف دفاع تک محدود ہو گیا تھا۔ بعد اوقات اسے صرف حماد کی تلوار کی چمک ہی دکھائی دیتی تھی اس کی تلوار کہیں نظر نہ آتی تھی بار بار نڑان کی تلوار اور ڈھال سے ٹکراتا کہ حماد کی تلوار ایسی صدائیں بلند کر رہی تھی جیسے اپنے دشمن سے کہہ رہی ہو۔

و ارفنگی عشق ہے نوح من الجنون

ایک دم فضا میں نڑان کی ہولناک اور ہیبت ناک چیخ بلند ہوئی۔ حماد کی تلوار اس کی گردن کے قریب گری تھی اور زندہ سمیت اس کے جسم کو پھرتی ہوئی سینے سے پیچے تک اترتی چلی گئی تھی۔ پورا میدان نڑان کی چیخ و پکار سے گونج اٹھا تھا۔ پھر وہ زمین پر گرا کر ختم ہو گیا۔ حماد بڑی عاجزی کے ساتھ وہیں میدان جنگ میں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو گیا پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور پہلے کی طرح اپنے مقدمہ الجیش کے سامنے آکر رک گیا تھا۔

راجہ جیم دیو نے عام حملے کا حکم دے دیا تھا۔ اور اس کے لشکر کی اگلی صفوں کے راجپوت اپنی جگہ کی شبہ آوازیں بلند کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ راجہ جیم دیو نے کہا

کی بد قسمتی تھی کہ وہ اس میں کامیاب نہ ہوا تھا جس وقت وہ اگلی صفوں میں آکر لڑنے لگا۔ اسی وقت قطب الدین نے اپنے سارے جرنیلوں کو پیغام بھیجا کہ ایک ساتھ تکبیریں بلند کر کے پوری قوت سے حملہ کیا جائے۔

بھیم دیو کی بد قسمتی جب وہ جنگ میں حصہ لیکر اپنی شجاعت کا مظاہرہ کر رہا تھا اسلام لشکر نے ایک ساتھ تکبیریں بلند کرتے ہوئے ایسا جان نثارانہ طریقے سے حملہ کیا کہ ہندو لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اس پر مزید بد بختی یہ کہ کسی زندہ دل اور گناہ پرست مجاہد نے ایسا تاک کر بھیم دیو کو تیر مارا کہ بھیم دیو اپنے گھوڑے سے گر کر دم توڑ گیا۔ پسپا ہوتے ہوئے راجپوت واپس بھاگنے پر مجبور ہو گئے مسلمانوں نے دشمن کے پچاس ہزار جوانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بچے بچے جو ان بھاگ نکلتے لیکن مسلمان جرنیلوں نے مل کر ان کا ایسا گھیراؤ کیا کہ ان میں سے بہت کم بھاگ کر گجرات کی طرف جانے میں کامیاب ہو سکے۔

قطب الدین اور حماد جب اس جگہ آئے۔ جہاں راجہ بھیم دیو کے لشکر کے سرد و خوراک کے خیمے تھے تو وہ دنگ رہ گئے وہاں دوسرے سامان کے علاقہ ان کے ساتھ بیس ہزار خوبصورت ہندو لڑکیاں بھی لگیں جو راجہ بھیم دیو نے اپنے لشکر کے سپاہیوں کا دل بہلانے کی خاطر اپنے لشکر میں شامل کر رکھی تھیں۔ سارے مال غنیمت پر قبضہ کرنے کے بعد قطب الدین اور حماد اپنے لشکر کے ساتھ گجرات کی طرف بڑھے۔ گجرات میں کچھ تو پہلے سے محفوظ دستے موجود تھے اور کچھ سپاہی میدان جنگ سے بھاگ کر شہر میں داخل ہو گئے ان سب نے مل کر قطب الدین کی بدافعت کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔

قطب الدین نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اہل شہر کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ لڑے بغیر شہر حوالے کر دیں تو کسی کی جان کا نقصان نہ ہوگا اور شہر کو لوٹانہ جائز گا۔ لیکن شہر میں محصور لشکر نے صلح کرنے اور شہر حوالے کرنے پر رضامندی ظاہر نہ کی مجبوراً قطب الدین اور حماد حرکت میں آئے اور شہر پر حملہ بول دیا۔ حضور ڈی دیر کی جنگ کے بعد مسلمانوں نے شہر پناہ کا دروازہ توڑ دیا اور اسلامی لشکر ایک سیلاب کی صورت شہر میں داخل ہوا اور جی بھر کر شہر کو لوٹا۔

تین دن کے بعد جب شہر میں امن ہو گیا تو قطب الدین نے اپنے لشکر کا زیادہ تر حصہ

شہر سے باہر نکال دیا۔ شہر کے اندر نظم و نسق سنبھالنے کی خاطر صرف چند دستے رکھے گئے تھے اب قطب الدین ارادہ کر رہا تھا کہ گجرات پر اپنا کوئی حاکم مقرر کر کے ہستنا پور کی طرف کوچ کر جائے کیونکہ وہاں سے اسے سلطان شہاب الدین کی طرف جانے کے لیے غزنی روانہ ہونا تھا۔

قطب الدین اور حماد ایک روز شہر سے باہر خیمے میں اکٹھے بیٹھے تھے کہ قطب نے کہا حماد! میں چاہتا ہوں کل گجرات کا کسی کو حاکم مقرر کر کے غزنی جانے کے لیے یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ دیکھو حماد! سلطان کے ساتھ تم اور خرمیل دو عظیم جرنیلوں کی حیثیت پر ہستنا پور سے ہندوستان میں آئے تھے۔ خرمیل کھرام اور سمانہ کا حاکم مقرر ہو چکا ہے۔ اصل میں صغی علاقہ کا حاکم مقرر ہونا خرمیل سے بھی پہلے تمہارا حق بنتا تھا۔ پر میرا دل نہ مانتا تھا کہ میں تمہیں اپنے اور اپنے لشکر سے علیحدہ کر دوں۔ اب بھی میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں قطب الدین نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ پر نہیں یہ تمہارا حق ہے۔ میں تمہارا دل نہیں توڑ سکتا۔ میں تمہیں گجرات کا حاکم مقرر کرنا ہوں۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں حمیر کا حاکم بھی مقرر کر سکتا ہوں۔

حماد نے اپنا جھکا ہوا سر اُپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ اگر آپ مجھ سے تنگ ہیں اور مجھے اپنے آپ سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں تو میں گجرات کا حاکم بننے کو تیار ہوں۔ ورنہ میری خواہش تھی کہ میں ایک جرنیل کی حیثیت سے آپ کے لشکر میں رہوں۔ میں اپنے باپ اور بیوی سے کہہ کر آیا تھا کہ میں ہستنا پور میں مکان لے کر انہیں لینے آؤں گا۔ لیکن اگر آپ مجھے گجرات کا حاکم مقرر کرنے کا فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ خدا کی قسم میں کسی شہر یا علاقے پر حکومت کرنے کے لیے نہیں ایک سپاہی کی حیثیت میں دشمنان اسلام سے جنگ کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں۔

قطب الدین نے حماد کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ خدا کی قسم میں بھی چاہتا تھا۔ میری تو خود اپنی خواہش ہے کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ لشکر میں ایک سالار کی حیثیت سے رہو۔ پر تم نے یہ کیوں کہا کہ ہستنا پور میں مکان کا بندوبست کر کے تم اپنے باپ اور بیوی کو لاؤ گے۔ سنو! ہستنا پور میں راجہ کھانڈے راستے کا اتنا بڑا محل ہے۔ اس کا آدھا حصہ تمہارے پاس اور

آدھا میرے پاس رہ گیا۔ آخر تم میرے محسن ہو۔ بھائی ہو اور سب سے بڑھ کر میری افواج کے مقبول ترین جرنیل ہو۔ میں یہاں سے فارغ ہو کر غزنی جاؤں گا۔ میری غیر موجودگی تم اپنی بیوی اور باپ کو ہنسنا پلورے آنا۔ اور سنو میری غیر موجودگی میں تم میرے قائم مقام ہو گے۔ مجھے تمہارے جواب سے خوشی ہوئی ہے۔ اب بناؤ گجرات اور اجمیر کا حاکم کے مقرر کیا جاتے

حماد نے اپنا جھکا ہوا سر اُپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ارسلان خلیج اور عز الدین ہمارے پاس ایسے جرنیل ہیں جو بہترین حاکم ثابت ہو سکتے ہیں۔ قطب نے اسی روز ارسلان خلیج کو گجرات اور عز الدین کو اجمیر کا حاکم مقرر کیا۔ اپنے لشکر کا کچھ حصہ ان دونوں میں بانٹ دیا۔ خرمیل کو اس کے لشکر کے ساتھ کھرام کی طرف روانہ کر دیا اور خود قطب الدین حماد کے ساتھ باقی لشکر کو لیکر ہستنا پور کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

قصر غزنی میں سلطان شہاب الدین اپنی اکلوتی بیٹی کے ساتھ گھریلو موضوع پر بات چیت کر رہا تھا۔ یہ وہی قصر تھا جس میں کبھی کوہستانی عقاب محمود غزنوی بیٹھا کرتا تھا۔ ہاں یہ وہی قصر تھا جس نے نگر کوٹ، متھرا، ملتان، نندرنہ، قنوج، میرٹھ، مہادون، متھرا، چنڈیال، منچ، کالنجر، لاہور، سومنات، کندھا اور نہروالا جیسے شہروں اور قلعوں کو اپنے پاؤں تلے روندھنے والے بت نشکن سلطان محمود غزنوی کو اپنی چار دیواری کے اندر اٹھتے بیٹھتے دیکھا تھا۔ وہی قصر جس نے سومنات کے مندر کا دروازہ غزنی میں داخل ہوتے دیکھا جس نے بڑے بڑے بتوں کے ٹکڑے غزنی شہر کے چوکوں میں بکھرتے دیکھے۔

یہ وہی قصر تھا جس نے ان بابرکت مجاہدین اور ان کے گھوڑوں کو غزنی شہر میں آمدورفت کرتے دیکھا جن کے سامنے غزنی سے لیکر سومنات تک زمین کا ایک وسیع و طویل حصہ کسی رسی ولساٹ کی طرح سمٹ گیا تھا۔ وہی پراسرار قصر جس نے اس سلطان کا لمس محسوس کیا تھا جس نے ہندوستان کے راجاؤں جیسے پال، انند پال، پریم دیو اور نندا کو اپنے سامنے جھکنے اور اسلام کی عظمت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شہاب الدین اسی طرح اپنے بیٹی سے گفتگو کرنے میں محو تھا کہ قصر کی ایک معمر خاتون اندرائی اور شہاب الدین سے کہا۔ سلطان معظم! ہندوستان سے قطب الدین ایک آیا ہے اور وہ ملاقات کے کمرے میں آپ سے ملنے کا منتظر ہے۔ سلطان نے اپنی بیٹی سے سلسلہ گفتگو بند کر دیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس خاتون سے کچھ کہے بغیر وہ

باہر نکل گیا۔

سلطان جب ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا وہاں قطب الدین کے علاوہ امیر حاجب محمد علی غازی، امیر لشکر ناصر الدین، سلطان کا وزیر میرزا الملک محمد عبداللہ سجری، قاضی صدر نظام الدین ابوبکر اور قاضی لشکر شمس الدین بلخی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سلطان مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہو گئے۔ سلطان آگے بڑھ کر قطب الدین سے بغلیں ہوا اور بٹاش لپچے میں پوچھا۔ کیسے ہو قطب الدین! کب آتے ہو؟ قطب نے سلطان کو بیٹھنے کے لیے جگہ دیتے ہوئے کہا۔ آپ کی دعاؤں سے میں ٹھیک ہوں آقا! شہر میں داخل ہوئے مجھے تھوڑی سی دیر ہوئی ہے۔

سلطان نے قطب الدین کے ساتھ بیٹھے ہوئے پوچھا۔ نہر والا کے راجہ جیم دیو کے ساتھ تمہاری جنگ کیسی رہی؟ میرے آقا! میں نے اسے حماد بن خلدون، حسین خرمیل، ارسلان خلیج، عز الدین اور دوسرے جرنیلوں کے ساتھ عبرتناک شکست دی ہے جیم دیو جنگ میں مارا گیا تھا اور نہر والا پر ہمارا قبضہ ہو گیا ہے۔ میرے آقا

سلطان نے درمیان میں بولتے ہوئے پوچھا نیشاپور کے شاہیں حماد بن خلدون کی کارکردگی جنگوں میں کیسی ہے۔ قطب الدین نے شدت جذبات میں ڈوبی آواز میں کہا۔ میرے آقا! حماد بن خلدون ایک عمدہ نایاب ساتھی، ایک شجاع دے بے بدل جرنیل اور ایک مخلص و دردمند بھائی ہے اس نے ہمیشہ بڑے وقتوں میں میری مدد کی ہے۔ جنگ میں اس کی کارکردگی پہلے سے کہیں زیادہ پر جوش اور دلدارا انگیز ہے۔ حسین خرمیل تمہارے ساتھ جنگوں میں کیسا رہا۔ اس کی کارکردگی حماد بن خلدون جیسی تو نہیں۔ تاہم وہ اپنے دوسرے ہم عصر جرنیلوں کا ہم پلہ ضرور ہے وہ میہ کو لڑانے اور اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے میں اب کافی ماہر اور بہتر مندر ہو گیا ہے۔

سلطان نے اس بار ڈکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ میں نے سنا اجیر سے باہر ایک جنگ میں تم بڑی طرح زخمی ہو گئے۔ کیا یہ واقعہ درست ہے۔ ہاں میرے آقا! راجہ جیم دیو کے لشکر سے لڑتے میں اور میرا گھوڑا دونوں زخمی ہو گئے۔ سلطان نے

بنیاب ہو کر پوچھا۔ پھر تم کیسے بچے۔ قطب الدین نے بڑی ممنونیت سے کہا جس وقت میں گھوڑے سے گرا تھا۔ حماد بن خلدون نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ شیر دل جرنیل فوراً میری طرف لپکا اور دشمنوں کے پتنگل سے مجھے باہر نکال لے گیا۔

سلطان نے چند لمحوں تک کچھ سوچا پھر قطب الدین کہا۔ قطب الدین! حماد بن خلدون نے دوبار تم پر احسان کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں تم اسے کسی علاقے کا حاکم مقرر کر دیتے۔ تو گو یہ فعل اس کی جنگی صلاحیتوں کو مفقود کرنے کا پیش خیمہ ہوتا ہے بھی وہ اس کا حق دار ہے قطب الدین نے فوراً اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ گجرات کی فتح کے بعد میں نے اپنے دل پر جبر کر کے اسے وہاں کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا وہ لشکر سے علیحدہ ہو۔ وہ خود بھی دانش مند اور بے غرض انسان ہے۔ اس نے انکار کر دیا اور کہا مجھے لشکر ہی میں رہنے دیں۔ میں خود یہی چاہتا تھا لہذا مان گیا۔

اس بار سلطان نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں تمہاری غیر موجودگی میں ہم نے تمہاری شادی کیسے طے کر لی۔ قطب الدین نے کچھ کچھ شرارتے اور کسی قدر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ آپ ایک مشفق باپ کی مانند ہیں جو کچھ آپ نے سوچا ہو گا۔ میری بھلائی اور بہتری کو سوچا ہو گا۔ آپ جہاں بھی طے کرتے ہیں آپ کے فیصلہ کے خلاف کیونکر بول سکتا ہوں۔ سلطان نے ایک بار گہری نگاہوں سے قطب الدین کی طرف دیکھا پھر مسکرا کر کہا۔ تاج الدین یلدرم چند دن کے لیے کرمان سے ہمارے پاس آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی جوان بیٹی بھی تھی۔ ہم نے اس بچی کو دیکھا۔ اس کی عادات، خصوصیات اور حسن ہمیں ایسا بھایا کہ ہم نے اسی وقت تاج الدین سے تمہارے رشتے کی بات کر لی۔ تاج الدین نے اسی وقت حامی بھری۔ بعد میں اس نے اپنی لڑکی سے بھی پوچھا۔ اس نے بھی اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔

تم یہاں میرے پاس سے رخصت ہو کر سیدھے کرمان جانا۔ میں تمہیں تاج الدین کے نام خط دے دوں گا اور وہاں تم شادی کر کے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر ہندوستان جانا۔ اور سب اگرم ہم ہندوستان سے ایک جرنیل کو یہاں واپس لانا چاہیں تو ہم حماد یا

خرمیل میں سے کبھے غزنی بھیجے گئے۔ قطب الدین نے فوراً تڑپ کر کہا۔ اگر آپ واقعی مجھ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو خرمیل کو لے لیں۔ سلطان نے چیتے لہجے میں پوچھا۔ حماد بن خلدون کیوں نہیں۔

قطب الدین نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ اس کے بغیر ہندوستان میں میں ادھورا ہونگا۔ جنگ میں اس کی کامرنگی ایسی ہوتی ہے جس سے مجھے انتہائی بایوس کن ماحول میں بھی تقویت و استراحت ملتی ہے۔ وہ ایک بابرکت جرنیل ہے اور دشمنوں کی صفوں کو الٹا جانتا ہے۔ میں یہاں سے جاتے ہی آپ کی خواہش کے مطابق خرمیل کو غزنی روانہ کر دوں گا۔ حماد بن خلدون میرے لشکر کے سالار کی حیثیت سے ہستنا پور میں رہے گا۔ اس نے شادی بھی کر لی ہے۔ اور میں ہستنا پور میں اس کی رہائش کا بندوبست بھی کر چکا ہوں۔ میرے یہاں سے جانے تک وہ اپنی بیوی کو ہستنا پور لایا چکا ہو گا۔

سلطان نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ اس نے کب اور کہاں شادی کی۔ میں تو اس کے لیے یہاں ایک لڑکی پسند کر چکا تھا۔ میرے آقا! اس کی شادی کی داستان بڑی طویل ہے۔ میں فارغ وقت میں بیٹھ کر آپ سے یہ دلچسپ داستان کہوں گا۔ تجارت کی فتح کے وقت کچھ انتہائی قیمتی اور نایاب جواہرات اور الماس میرے ہاتھ لگے تھے۔ وہ میں تحائف کے طور پر آپ کے لیے لایا ہوں۔ میرے آدمی انہیں محل کے صحن میں آراستہ کر چکے ہیں۔ کیا آپ اٹھ کر انہیں دیکھنا پسند کریں گے۔ سلطان کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ میں ضرور دیکھوں گا۔ تم ہندوستان سے کیا لاتے ہو۔ پھر سلطان ملاقات کے کمرے سے اٹھ کر وہاں بیٹھے ہوئے اپنے سب زعماء کے ساتھ اپنے قصر کے صحن کی طرف جا رہا تھا۔

آدھی رات کا وقت تھا۔ کائنات کی ہر چیز خدا کی عنایت کردہ رات میں محاورات تھی۔ ہر سمت خاموشی تھی۔ سکون تھا گویا بنی آدم نے اس زمین کو خالی کر دیا ہو۔ اچانک ابوالفتح کی جویلی کسے جس کمرے میں ترنا سوئی ہوئی تھی اس سے ہیب اور نہایت ناگہان سے بلند ہوئی

پھر چند لمحوں کے وقفے کے بعد یوں لگتا تھا کہ ترنا کی چیخیں بلند ہونے لگی تھیں جیسے کوئی بڑے وحشیانہ پن سے اس کا گلہ کھونٹ کر اسے ختم کر دینے کی کوشش کر رہا ہو۔

ابوالفتح اور عائشہ دونوں اپنے کمرے سے نکل کر ترنا کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے خلدون بھی باہر آگیا تھا اور وہ تینوں مل کر ترنا کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگے تھے۔ لیکن ترنا کی طرف سے کوئی جواب نہ آ رہا تھا اور چیخیں اس طرح بلند ہو کر ماحول کو وحشتناک بنا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد حسن اور سعدیہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر بھاگتے ہوئے وہاں آگئے تھے۔ حسن نے گھبراہٹ میں خلدون سے پوچھا۔ یا ابی! کیا ہوا۔ ترنا بہن کے کمرے سے یہ چیخیں کیسی بلند ہو رہی ہیں۔ خلدون نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا بیٹے! خبر نہیں کیا ہوا میری بیٹی کو سنو اس کی کیسی ہولناک چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ حسن آگے بڑھا اور دروازے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگا۔ لیکن ترنا کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا اور اس کی چیخیں پہلے کی طرح بلند ہوتی رہیں۔

ابوالفتح نے اپنی کپکپاتی اور لرزتی آواز میں کہاں! حسن! دروازے کو توڑ دو بیٹے! میرا دل ڈوب رہا ہے نہ جانے ترنا کو کیا ہوا ہے۔ اسے اگر کچھ ہو گیا تو ہم حماد کو کیا جواب دیں گے۔ حسن پیچھے ہٹ کر آیا۔ زور سے اپنا شانہ دروازے کو مار کر اس نے دروازہ توڑ دیا۔ دروازے کے دونوں پٹ فرش پر گر گئے تھے اور وہ سب ترنا کے کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ اندر ترنا اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کے منہ سے لگاتار چیخیں نکل رہی تھیں۔

خلدون نے آگے بڑھ کر ترنا کا سر پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔ ترنا! ترنا! میری بیٹی! کیا ہوا۔ ترنا اسی طرح لیٹی رہی تاہم اس کی چیخیں بند ہو گئی تھیں۔ خلدون نے اس کا سر پکڑ کر پھر ہلا دیا۔ ترنا! ترنا! اٹھو میری بیٹی! کیا ہوا تمہیں۔ تینا سچے مارتی ہوئی اٹھی اور خلدون سے پٹ کر رونے لگی۔ خلدون نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ تمہیں کیا ہوا میری بیٹی! کچھ منہ سے تو بولو۔ ترنا خلدون سے علیحدہ ہوئی بڑے پریشان حال میں اس نے اپنے ارد گرد دیکھ کر ابوالفتح، عائشہ، حسن اور سعدیہ کو دیکھا۔ پھر

وہ اپنے آنسو پونچھتے نہ جانے کن سوچوں میں کھو گئی تھی۔

عائشہ آگے بڑھی اور زینا کیساتھ وہ بیٹھ گئی اور اسے اپنے ساتھ لیٹا تے ہوئے پوچھا۔
تمہیں کیا ہوا بیٹی! تم بولتی کیوں نہیں ہو۔ سعدیہ بچاری زینا کے پیچھے بیٹھ کر اس کے شانے
آہستہ آہستہ اور ہلکے ہلکے دبائے لگی تھی۔ زینا سنبھلی اور پھر اپنی لکپکاتی آوازیں
اس نے کہا۔ ممانی میں نے ایک خواب دیکھا۔ بڑا بھیانک اور ہولناک خواب۔ وہ کسی
تکلیف اور دکھ میں ہیں۔ ممانی! میں نے ان کے متعلق بڑا تکلیف دہ خواب دیکھا ہے۔

الوافتح نے آگے بڑھ کر زینا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا زینا! میری بیٹی! کیا تم
نے حماد کے متعلق خواب دیکھا ہے۔ زینا کا نگاہیں چہرہ جھکا رہا اور اس نے اثبات
میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ہاں ماموں! میں نے ان سے متعلق ہی خواب دیکھا ہے۔
اس بار خلدون نے اپنی لمحہ بہ لمحہ پریشان ہوئی آوازیں کہا۔ تم نے حماد کے متعلق
کیسا خواب دیکھا ہے بیٹی۔ جلدی بتاؤ تمہاری باتوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ جلدی بولو۔
بیٹی! میرا بچہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو۔ زینا سنبھلی اور پھر اس نے کہنا شروع کیا۔
یا بانی! میں نے ایک دیران اور سنسان جنگل دیکھا جس کی اندر آگ اور خون کا
ایک ہولناک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا گویا پوری دنیا میں آگ اور خون ہی
خون ہو گیا ہو اور آگ و خون کے اس سمندر کے اندر حماد اپنی جان بچانے کے لیے بڑی
تیزی سے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ ان کی حالت ایسی تھی جیسے کسی جنگ سے لوٹے
ہوں ان کے کپڑے لہو لہو ہو رہے تھے اور آگ کے پکٹے ہوئے شعلوں کے اندر
وہ اُپر اُٹھنے کی سعی کر رہے تھے۔

زینا نے تھوک نلگتے ہوئے اپنا گلہ ترکیا اور پھر کہنا شروع کیا۔ کافی دیر تک میں
انہیں آگ اور خون کے اندر ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے دیکھتی رہی۔ پھر اس طوفان کے
اندر ایک اور آدمی نمودار ہوا۔ وہ جسمانی لحاظ سے حماد سے کمزور اور قد میں بھی چھوٹا
تھا۔ اس کی داڑھی چھوٹی پر خوب گھنی تھی۔ اس اجنبی نے طوفان میں جدوجہد کرتے
ہوئے حماد کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں کھینچتا ہوا وہ یوں فضاؤں میں اُپر ہی اُپر اُٹھنے

لگا تھا جیسے وہ اپنے آپ اور حماد کو اس طوفان کے اندر سے نکال لینا چاہتا ہو۔

دونوں اس طوفان سے نکل کر کھلی فضاؤں میں داخل ہونا ہی چاہتے تھے کہ کہ ایک
طرف سے میری ماں زینب فضا میں اڑتی ہوئی نمودار ہوئی۔ اس نے سفید براق لباس پہنا
ہوا تھا۔ ماں نے ایک جھٹکے کے ساتھ حماد کا ہاتھ اس اجنبی سے چھین لیا اور پھر انہیں لے
کر وہ آگ اور خون کے اسی طوفان کے اندر گہرائی میں اتر گئی۔ میں باہر کھڑی ہو کر ماں اور حماد
دونوں کو چلا چلا کر کپڑی رہی پر دونوں میں سے کسی نے بھی میری بات کا جواب نہ دیا اور اس
طوفان کی تر میں اتر گئے۔

زینا خاموش ہو گئی اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی تھی۔ عائشہ نے سعدیہ
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سعدیہ! سعدیہ! زینا کے لیے پانی لاؤ بیٹی۔ سعدیہ اُٹھ کر باہر
نکل گئی۔ خلدون الوافتح اور حسن گہری سوچوں میں کھو گئے تھے۔ شاید وہ خواب کی تعبیر کا اندازہ
لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کمرے میں گہری خاموشی رہی۔ ہر کوئی اپنے اپنے ذہن
سے کام لے کر خواب کے متعلق سوچ رہا تھا۔ سعدیہ اندرائی۔ زینا کو بانی پلایا اور دوبارہ اس
کے پیچھے بیٹھ کر اسے ہلکے ہلکے دبائے لگی تھی۔

خلدون نے زینا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ بیٹی! تمہارے خواب سے کئی اندازے
لگاتے جا۔ خلدون اکبریم خاموش ہو گیا کیونکہ سوچنے کے بیرونی دروازے پر
دشک ہوئی تھی۔ الوافتح نے چونک کر کہا۔ رات کے اس وقت سوچنے کے دروازے پر کون
دشک دے سکتا ہے۔ خلدون نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاتے ہوئے کہا۔
میرے مولیٰ! کوئی خیر و برکت کی خبر ہو۔ کوئی دوست آیا ہو۔ دشمن نہ ہو۔ حسن نے ہانپتے ہوئے
کہا۔ میں دیکھتا ہوں کون آیا ہے۔

الوافتح نے چلاتے ہوئے کہا۔ حسن! حسن! رک جاؤ بیٹے! میں خود پتہ کراتا ہوں۔ زینا
کے خواب نے مجھے خدشات میں ڈال دیا ہے۔ نہ جانے سوچنے کے دروازے پر دشک
دینے والے کتنے اور کون ہیں۔ الوافتح خود باہر آیا۔ دروازے کے قریب کتابڑی نوخیز
سے جھونک اور غرار ہاتھ اور بار بار دروازے پر اپنے بچے مار رہا تھا۔

سحویلی کی ٹیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ابوالفتح زور زور سے پکارنے لگا شرف الدین! شرف الدین دیکھ کر اس صطل کی طرف سے شرف الدین کی آواز سنائی دی جی مالک ابوالفتح نے بڑی شفقت میں کہا کہ کتا باندھ کر دیکھو دروازے پر کون دستک دے رہا ہے۔ شرف الدین نے فوراً کتا باندھ کر دروازہ کھول دیا۔ اور اندھیرے میں گھوڑے پر سوار کوئی جوہلی کے اندر داخل ہوا تھا۔ ابوالفتح کی آواز کے جواب میں شرف الدین نے کہا۔ آقا حماد آتے ہیں۔ ابوالفتح فوراً سیڑھیاں اتر کر آگے بڑھا۔ حماد گھوڑے سے اتر گیا اور شرف الدین اس کا گھوڑا صطل کی طرف لے گیا تھا۔ ابوالفتح نے آگے بڑھ کر حماد کو اپنے ساتھ لپیٹا لے ہوئے کہا۔ بڑے اچھے وقت پر آئے ہو بیٹے۔ ابھی ابھی رتنا نے تمہارے متعلق ایک خواب دیکھا ہے جسے سن کر کھر کا ہر آدمی پریشان ہے اور جاگ رہا ہے۔ جلدی کرو میرے ساتھ اندر آؤ۔ ابوالفتح نے حماد کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں جوہلی کی سیڑھیاں عبور کر کے اس کمرے کی طرف بڑھے جو حماد اور رتنا کا تھا۔

ابوالفتح حماد کا ہاتھ پکڑے اس کمرے میں داخل ہوا اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ آپ لوگ غم نہ کریں۔ جس کے لیے آپ پریشان ہو رہے ہیں۔ میں اسے ہی لے آیا ہوں۔ خلدون اور حسن بھاگ کر باری باری حماد سے بغلیں ہوئے۔ عائشہ بھی اٹھی اور ایک ماں کی طرح حماد کی پیشانی چومتے ہوئے اسے پیار کیا۔ حماد کو دیکھ کر رتنا کی ساری پریشانی جاتی رہی تھی اور وہ مسرت و سکون میں پھول کی طرح کھل اٹھی تھی۔ ابوالفتح نے پلنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حماد سے کہا۔ پلنگ پر بیٹھو اور ہمیں ایک خواب کی تعبیر تاؤ۔ پلنگ پر چوڑنگہ رتنا بیٹھی ہوئی تھی۔ لہذا حماد نے دوسرے پلنگ پر بیٹھنا چاہا۔ ابوالفتح نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔ یہیں میرے سامنے بیٹھو۔ حماد بیٹھ گیا اور رتنا بچاری سمٹ کر سعدیہ کی طرف ہو گئی تھی۔ ابوالفتح نے اس بازو رتنا سے کہا۔ رتنا ایک بار پھر اپنا خواب کہو تاکہ حماد سے ان واقعات کی تسلی کی جاسکے۔ رتنا نے ایک بار اپنی بھاری پلکیوں والی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر حماد کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے شروع سے آخر تک حماد سے اپنا خواب کہہ دیا۔

رتنا جب خاموش ہوئی تو خلدون نے کہا۔ حماد بیٹے! اب اس خواب کی تعبیر کہوں کیا تمہارے ساتھ کوئی ایسا واقعہ گزرا ہے جس کا تعلق اس خواب سے ہو۔ حماد نے ہلکے ہلکے مکرراتے ہوئے کہا۔ رتنا کا خواب سچا ہے۔ اس نے آگ اور خون کا جو سمندر دیکھا وہ نہر والا شہر ہے باہر کوہستانوں کے اندر راجہ جیم دیو سے لڑی جانے والی وہ قیامت خیز جنگ تھی جس میں ہمیں فتح ہوئی اور اس جنگ میں راجہ جیم دیو مارا گیا۔ رتنا نے جو اجنبی دیکھا جس نے مجھے اس آگ اور خون کے طوفان سے اُدھر اٹھا لیجانے کی کوشش کی تھی وہ قطب الدین ایک تھا جس نے اس جنگ کے بعد مجھے نہر والا کا حاکم مقرر کر دیا۔ پر میں نے انکار کر دیا اور میرے کھاناں کا مجھے قطب الدین سے چھین کر آگ و خون کے طوفان کے اندر لیجانا اس بات کی علامت ہے کہ میری فیصلہ درست تھا۔ میں چاہتا تھا کہ قطب الدین کے ساتھ افواج کے ایک سالہ کی حیثیت میں رہوں۔

سب کے اترے ہوئے چہروں پر پھر رونٹائی گئی تھی۔ خلدون نے حماد کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔ کتنے دن کے لیے آئے ہو بیٹا!۔ حماد نے ٹہری نگاہوں سے رتنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ صرف دو دن کے لیے ابی ہیں آپ، رتنا، حسن اور سعدیہ کو لینے آیا ہوں۔ رتنا پوریں کھا نڈرائے کے محل میں آپ کی رہائش کا بندوبست ہو گیا ہے۔ قطب الدین شادی کرنے غریبی گیا ہوا ہے۔ چند روز تک وہ بھی دھڑ آئے گا۔ محل کا آدھا حصہ اس کے پاس اور آدھا ہمارے پاس ہو گا۔

عائشہ نے سعدیہ کو مخاطب کر کے کہا۔ سعدیہ اٹھو بیٹی! بھائی کے لیے کھانا تیار کرو۔ حماد نے سعدیہ کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ بیٹھی رہو سعدیہ میں راستے سے لھانا کھا کر چلا تھا۔ عائشہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ تو پھر سب اٹھو اور آرام کرو۔ صبح بیٹھیں گے۔ خلدون، ابوالفتح، عائشہ، حسن اور سعدیہ باہر نکل گئے۔ حسن نے جاتے جاتے دروازے کے دونوں کمرے ہوئے پٹ دروازے کے سامنے کھڑے کر دیئے تھے۔ رتنا اٹھی اور حماد کے ہوتے اتارنے لگی۔

حماد نے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ رہنے دو رتنا میں خود اتارنا ہوں۔ اپنے

لبوں پر گہری مسکراہٹ لیے حماد کی طرف دیکھتے ہوئے رتنانے کہا یہ میرا فرض ہے۔ اس سعادۂ سے محروم نہ کیجئے۔ رتنانے پہلے حماد کے جوتے اتار دے۔ اس کے ہر سے خود اتار کر ایک طرف رکھا۔ پھر اس کی زردہ اتار کر اسے دوسرے کپڑے نکال کر دے۔ حماد جب لباس بدل چکا تو رتنانے سے کہا۔ یہ تم کیسے خواب دیکھنے لگی ہو تمہارا دل بالکل جیسا ہے۔ جواب میں رتنانے آگے بڑھ کر حماد سے لپٹ گئی اور اپنا سر اس کے شانے پر دیا۔ گویا وہ اپنے سارے دکھ اور غم بھول گئی ہو اور لذت بڑی تیزی سے صبح کی تلاش بھاگتی جا رہی تھی۔

قصرِ غزنی سے باہر ایک روز سلطان شہاب الدین قطب الدین ایک کو الوداع کر رہا تھا۔ قطب الدین کے ساتھ آیا ہوا۔ اس کا لشکر بھی کوچ کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ قطب الدین اپنے بوڑھے کے پاس کھڑا تھا اور اس کے سامنے کھڑے سلطان کے ہمراہ اس کے تمام راء و زعماء کھڑے تھے۔ سلطان نے قطب الدین کو مخاطب کر کے کہا۔ ایک! یہاں سے بدھا کر مان جانا وہاں شادی کرنے کے بعد ہندوستان کی طرف کوچ کرنا اور وہاں پہنچتے ہی حسین بن زبیل کو غزنی روانہ کر دینا۔ اسے کہنا سلطان غزنی میں تمہاری ضرورت محسوس رہتا ہے۔

اور سنو! ایک! حماد بن خلدون کو اپنی افواج کا سالار بن کر رکھنا اگر کبھی ایسا وقت آئے کہ تمہارے اور اس کے درمیان اختلافات اٹھ کھڑے ہوں تو اس کے خلاف جنگ نہ کرنا اسے میری طرف غزنی روانہ کر دینا۔ میں اس سے ملت مسلمہ کی بہتری اور سود مندگی کے لیے کام لوں گا۔ اسے ہتھیاروں میں اپنے ساتھ رکھنا اور جنگوں میں اپنے دائیں ہاتھ کے طور پر استعمال کرنا۔ پھر سلطان نے اپنے لباس کے اندر سے ایک کاغذ نکالا اور اسے قطب الدین کی طرف بٹھا دیا۔

قطب الدین نے کاغذ کھول کر پڑا وہ سلطان کا ایک فرمان تھا جس میں قطب الدین کو ہندوستان کا ملک قرار دیا گیا اور حماد بن خلدون کو اس کی افواج کا سالار بنایا گیا تھا۔ فرمان کے آخر میں سلطان کی تہنیتی جس میں صرف نصیر من اللہ لکھا ہوا تھا۔ قطب الدین نے وہ فرمان لے لیا۔ سلطان کی مہربانی صرف نصیر من اللہ لکھا ہوا تھا۔

پڑھا۔ بڑی معنویت و مشکورنگاہوں سے سلطان کی طرف دیکھا پھر اپنا سر قدر سے خم کرتے ہوئے کہا۔ یہ اتنا کی اپنے غلام پر شفقت و مہربانی ہے کہ مجھے اس قدر اہمیت دی گئی ہے میرے آقا میں کبھی بھی ان امیدوں کو ٹوٹنے نہ دوں گا جو آپ نے مجھ سے وابستہ کر رکھی ہیں۔ حماد بن خلدون کے متعلق آپ فکر مند نہ ہوں وہ ایک جرنیل ہی نہیں میرا محسن اور بھائی بھی ہے۔ میرے اور اس کے درمیان کبھی اختلافات نہ کھڑے ہوں گے۔ میں اسے ہر طرح ہر لحاظ سے خوش اور مطمئن رکھوں گا۔

سلطان نے آگے بڑھ کر قطب الدین سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اب تم روانہ ہو جاؤ اللہ تمہیں بھلائی دے تمہاری منزل پہنچائیگا۔ قطب الدین نے باری باری سلطان کے وزیر اور امیروں سے مصافحہ کیا پھر وہ اپنے لشکر کے ساتھ سلطان سے رخصت ہو گیا تھا۔ دریا تے ارغنداب کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے قطب الدین اپنے لشکر کے ساتھ دشت لوط میں داخل ہوا وہاں اس نے اپنا رخ بدلا اور سیدھا جنوب کی طرف سفر کرتے ہوئے وہ کرمان میں داخل ہوا۔ یہاں اس نے چند روز قیام کیا۔ تاج الدین بلدو کی لڑکی سے شادی کی اور ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔

حماد نے صرف دو روز بھیم سین میں قیام کیا تھا۔ تیسرے روز وہ خلدون، زننا، جن اور سعدیہ کو لیکر ہستنا پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے پاس تین گھوڑے تھے ایک پر حماد اور اس کے پیچھے زننا تھی۔ دوسرے پر جن اور سعدیہ تھے اور تیسرا گھوڑا خلدون کے نیچے تھا وہ بڑی تیزی سے اپنے گھوڑوں کو اپنی منزل کی طرف دوڑا رہے تھے۔ رات کے پچھلے پہر جبکہ وہ آدھی سے زیادہ مسافت طے کر چکے تھے ایک پہاڑی سلسلے کے پاس انہوں نے چوٹک کر اپنے گھوڑوں کو روک لیا۔ سامنے بارہ ہار دیوار کی طرح ان کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ یہاں جن نے وہ بارہ ساتھی تھے جنہیں حماد نے ابوالفتح کی جوہلی سے نیریت کے ساتھ ارجن ابشش لیکر چلے جانے کی اجازت دی تھی۔

حماد نے خلدون اور حسن کو پیچھے ہی روک دیا خود اس نے اپنے گھوڑے کو چند قدم آگے بڑھایا اور پرسکون لہجے میں انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔ تم لوگ کون ہو؟ اور کیوں ہمارا راستہ روکا ہے۔ ان میں سے ایک نے چبھتے لہجے میں کہا۔ ہم ارجن کے ساتھی ہیں۔ اور تم حبیب سے اس کی مرگ کا انتقام لینا چاہتے ہیں ہم پچھلے کچھ عرصے سے تمہاری تاک میں تھے ہم نے تمہارے پیچھے اپنے دو آدمی لگا رکھے تھے اور آج ہم تمہارا راستہ روکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

حماد چند لمحوں تک پرسکون سمندر کی طرح انہیں دیکھتا رہا۔ پھر اس نے زننا کی ران پر کھڑکے ہلاتے ہوئے کہا۔ زننا! زننا! جاگ رہی ہو یا؟ - زننا نے اپنے نازک ہاتھوں سے اس کے کندھے دبائے پھر اس کی پیٹھ پر ایک بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ آپ فکر مند نہ ہوں میں میدان ہوں۔ سو زننا! یہ جنگ ٹل نہ سکے گی۔ میں گزرا استعمال کروں گا۔ تم میری تلوار منبھال لینا۔ سو زننا! جب میں ان کے اندر گھس کر جنگ کروں گا تو تم صرف اپنے داتین طرف خیال رکھنا باقی ہر طرف سے میں تمہاری اور اپنی حفاظت کروں گا۔ دل نہ بھجھو زننا! یہ ہمارے لیے زندگی اور موت کا سوال ہے۔

زننا نے فوراً حماد کے میان سے اس کی تلوار کھینچ لی وہ حماد سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کہ حماد راستہ روکنے والوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ ہماری راہ چھوڑ دو ورنہ بار کھو، میرا رب میرا رفیق و دستگیر ہے۔ اور میں تمہارے چہرے پر بدقسمتی و بدگونی کی عبارت مندرج کروں گا۔ زننا نے درمیان میں بولتے ہوئے اچانک جھنجھٹا اٹھنے والے نفرتی گھگھروں اور دف و جلاجل جیسی شہر میں آواز میں حماد سے کہا آپ اپنا گزرا منبھال لیجئے! حماد نے اپنا گزرا منبھالا اور ایک بار پھر انہیں مخاطب کر کے کہا۔ ہندوستان کے مخوس ستاروا اب بھی وقت ہے جاؤ چلے جاؤ۔ ورنہ تم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ہر انسان کی روح ہے۔ تم سب کے چہروں سے میں طرب و وصل جبین لوں گا۔ تمہیں ہنگام غروب کی مانند اس کر کے نرم شیشیل گھاس کی طرح کاٹ دوں گا۔ جاؤ وہ وقت آنے سے قبل ہی چلے جاؤ کہ میں تمہیں نیم جان کر کے تمہارے نفس کو

پراشوب اور تمہاری ذات کو شکستہ کر دوں۔

چیخ بلند ہوئی۔ وہ کسی کی تلوار کا شکار ہو کر گھوڑے سے گر گئی تھی۔ جس جب اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس پر ایک ساتھ تین تلوار برسیں اور وہ بھی زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ خلدون ان پر حملہ آور ہونے والوں کی طرف بڑھا اور ان کی پشت سے حملہ کر کے ان میں سے دو کی گردنیں کاٹ دی تھیں۔ اتنی دیر تک حماد و اور دشمنوں کو ٹھکانے لگا چکا تھا۔

اچانک ایک جوان نے خلدون کی پشت سے حملہ کیا اور خلدون کا جسم دو حصوں میں کاٹ دیا۔ فضا کے اندر بڑھے خلدون کی کواہ آمیز بھیانک آواز بلند ہوئی تھی اور اس کی لاش گھوڑے سے گر گئی تھی۔ حماد نے اپنے باپ کو قتل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے گھوڑے کو برہمی کے عالم میں ایڑھ لگائی اور اس جوان کے سر پر چا پہنچا جس نے خلدون کو قتل کیا تھا۔ حماد کا گز اس کے سر پر گرا اور اس کا خود اس کے سر کے اندر دھنس گیا تھا پھر گھوڑے سے گر کر اس نے دم توڑ دیا تھا۔

اب حماد کے سامنے چار دشمن رہ گئے تھے۔ جواب ذرا پیچھے ہٹ کر آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ شاید وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس خطرناک اور نہریلے دشمن پر کس طرف سے حملہ آور ہو کر قابو پایا جاسکتا ہے۔ حماد نے پیچھے ہٹ کر کھڑے ان چاروں کو اپنی شوریلی اور غصیلی آواز میں مخاطب کر کے کہا تم نے دیکھا تمہارے ساتھیوں کا انجام کیا ہوا؟۔ ان میں سے ایک بولا۔ تم نے اپنے باپ، بھائی اور اس کی بیوی کا انجام نہیں دیکھا۔

حماد نے ہتھوک لنگتے ہوئے کہا۔ ویسا ہی انجام تمہارا بھی ہوگا۔ میں تمہارے جسموں پر اپنے گز سے ایسی مرصع کامی کر دوں گا کہ تم اپنی ساری نفرت اور بدی بھول جاؤ گے۔ اب تو تم صرف چار ہو۔ خدا کی قسم تو سب مجھ اکیلے کے سامنے ہوتے تب بھی میں تمہیں شکبار و رسوا کر دیتا۔ آگے بڑھا اور دیکھو میں کیسے تمہارے ایک ایک جرم کا حساب لے کر تمہارے آغاز انجام اور تمہارے قلب و نفس کو ہر کے پرچم میں اڑاتا ہوں۔

وہ چاروں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے اور حماد کے چاروں طرف پھیل کر اس کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ حماد نے اسے اپنے لیے خطرناک سمجھا اس نے چنہ

ان کا وہی ساتھی پھر بولا۔ تم ہمیں یوں ڈرا دھمکا نہیں کتے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہم تعداد میں بارہ ہیں جبکہ تیرا ایک بھائی اور بڑھا باپ ہے۔ پھر تم ہمارا کیا لگاؤ سکو گے اور پھر ہم سب نے ابد جن کی چٹا پر کھڑے ہو کر سو گند کھائی تھی کہ ہم اس کی مرگ کا انتقام ضرور لیں گے۔ لہذا ہم تم پر حملہ آور ہوتے ہیں اگر تم میں ہمت ہے تو تمہارے حملے کو روک لے۔ دیوتاؤں کی اس سر زمین میں ہم تم سب کی چٹا جلا دیں گے۔

حماد پیچھے ہٹا اور بڑے شفیق و حلیم لہجے میں اس نے خلدون اور حسن سے کہا میرے نزدیک نزدیک رہنے کی کوشش کرنا۔ ہم جتنے کچھ کر رہیں گے اسی قدر تمہارے لیے بہتری اور بھلائی ہوگی۔ اب تم تیار ہو جاؤ۔ وہ نزدیک آگئے ہیں۔ میں ان پر حملہ آور ہونے لگا ہوں۔ خلدون اور حسن نے بھی اپنی تلوار بنبھال لی تھی۔ تاہم سعدیہ بچا دی خالی ہاتھ تھی۔

وہ سوار نزدیک آتے جا رہے تھے۔ حماد کے جسم کی شریاٹوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے پر بھارت دہری بڑھتی گئی اور اس کی نگاہوں کے زاویے بھیانک ڈواؤنے ہو گئے تھے۔ پھر اس نے اپنی زہر بھری آواز میں اپنی مدح کی پوری ٹڑپ اور غلب کی حرارت کے ساتھ اللہ اکبر کا جنگی نعرہ مارا اور اپنا گز نگھاتا ہوا وہ ان پر حملہ آور ہوا۔ اس جرات اور تیزی کے ساتھ جیسے سرخ شعلوں کا رقص شروع ہوا ہو۔ آسمان چپ، چاند خاموش، محبت کی منظر بہکشان دم بخود اور تارے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے اور ایسے میں اللہ اکبر کی صدایوں بلند ہوئی تھی گویا کوئی روح فنا کی مرثیہ خان ہوئی ہو۔

حماد شہاب ثاقب کی سی تیزی اور الہامی قوتوں کی تاثیر کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ اس کا وحشی پن اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گیا تھا اور وہ وقت کی آندھی اور ادبار کے طوفان کی مانند اپنا گز ان پر برسانے لگا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے خلدون اور حسن بھی حملہ آور ہو گئے تھے۔ پہلے ہی حملے میں حماد نے تین دشمنوں کے سر پھوڑ کر رکھ دیئے تھے اور وہ اپنی ڈھال سے اپنی اور تنہا کی حفاظت بھی کر رہا تھا اور اپنا گز زبھی برسا رہا تھا جو کوئی غلط زاویے سے اس پر حملہ کرنے کا کوشش کرتا اسے رتنا اپنی تلوار سے روک دیتی تھی۔ اچانک فضا میں سعدیہ کی

قدم اپنے گھوڑے کو آگے بڑھایا ایسے انداز میں جیسے قدرت کے خوش پوش عناصر بھیجے قافلوں کے ناخدا بن کر فضاؤں کے اندر تیر گئے ہوں۔ ایک دم حماد نے روح کے تصور کی طرح اپنے گھوڑے کا رخ واپس طرف موڑ لیا۔ پھر وہ ایسے حریفانہ جذبے کے ساتھ ان میں ایک پر سیلاب کے ریلے کی طرح حملہ آور ہوا تھا کہ اس کا گردن تقارے کی چوٹ جیسی آواز پیدا کرنا ہوا اس کے خود پر پڑا اور اسے بے جان کر کے رکھ دیا۔

باقی تینوں اپنی اپنی سمت سے اپنے گھوڑوں کو ایڑھ لگا کر حماد پر حملہ آور ہو گئے۔ حماد اپنی پوری پھرتی اور جفاکشی سے پھر مڑا تھا۔ اور عجیب سی جہاں سوزی و تباہ کاری کے ساتھ اس نے ان کے سامنے اپنا دفاع کر کے سنگ و خشت جیسے جارحانہ حملے شروع کر دیئے تھے۔ گو وہ اب بھی تین تھے لیکن حماد ان کے سامنے اپنا ایسا دفاع اور ایسے جارحانہ حملے کر رہا تھا کہ وہ اپنے سامنے فضاؤں کے اندر اپنی تقدیر کے بدترین نوشتے اور اپنی ستم کی داستانیں پڑھ رہے تھے۔ حماد کے سامنے ان تینوں کی حالت ان اندھے پرندوں جیسی تھی جو اپنی جان کے خوف سے فضاؤں کے اندر بے سمت اڑنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ اچانک فضا میں یکے بعد دیگرے دو ایسے دھماکے ہوئے گویا سنان رات کی چپ میں ہزاروں ٹوٹنے والی زنجیر کی شور و غرور شن پیدا ہوا ہو۔ حماد کا گردن دو ادر کے مڑن پر باری باری پڑا تھا اور وہ اپنے گھوڑوں سے گر کر دم توڑ گئے تھے۔

ان کا آخری ساتھی اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حماد نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگا کر اس کا پیچھا کیا۔ اس کا گھوڑا اتنے پیٹھ پھڑٹا اور نہنہتا ہوا اس تیزی سے بھاگا کہ اس نے چند قدم پر ہی اسے جا لیا۔ حماد نے پشت کی طرف سے اس پر اپنا گردن برسایا اور اسے بھی زمین پر ڈھیر کرنے کے بعد وہ اپنا گھوڑا اس جگہ لایا جہاں جنگ ہوئی تھی۔ دونوں نے مل کر خلدون، حسن اور سعید کی لاشوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔

اچانک رتنا کھی ر کے ہوئے لاوے کی طرح پھٹ پڑی اور خلدون، حسن، سعید کی لاشوں پر گر کر وہ بچا دی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھی۔ حماد کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے اور وہ ایک ٹیلے کی قریب نرم جگہ دیکھ کر اپنے کھارے کی مدد سے گڑھا

کھودنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور وہ ان تینوں کے لیے قبر کھود رہا تھا۔ رتنا اسی طرح دھاڑیں مار مار کر اور ایک ایک لاش سے لپٹ لپٹ کر رو رہی تھی۔ جب گڑھا کچھ گہرا ہو گیا تو حماد نے باری باری تینوں لاشوں کو گڑھے میں ڈالا اور مٹی ڈالنے لگا تھا۔ رتنا روتی بھی جا رہی تھی اور حماد کا ہاتھ بٹانے کی خاطر گڑھے میں مٹی بھی ڈال رہی تھی۔ جب قبر تیار ہو گئی تو حماد کی آنکھوں سے اچانک آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ وہ بچا رہ سسک پڑا تھا۔ تاہم رتنا کا خیال کمرے ہوتے اس نے اپنی ہچکیوں کو گلے میں ہی دبایا تھا۔ رتنا اس کی حالت دیکھ کر اور زیادہ پس گئی اور قبر سے لپٹ کر زانو قطار رونے لگی۔ حماد نے بہتے آنسوؤں میں فاختہ کھی پھر روتی آواز میں رتنا سے کہا رتنا! رتنا! اٹھو چلیں۔ رتنا نے کوئی حرکت نہ کی اور قبر سے لپٹ کر اسی طرح روتی رہی۔ حماد نے آگے بڑھ کر اسے اپنے دونوں بازوؤں میں اٹھا کر اپنے گھوڑے پر بٹھایا۔ پھر وہ رقاب میں پاؤں پھما کر خود بھی گھوڑے پر بٹھی بے دلی سے سوار ہوا اور اسے ایڑھ لگا دی تھی۔ رتنا حماد کی چھاتی سے لپٹ کر ہچکیوں اور سکیوں میں رو رہی تھی۔ حماد کے آنسو تیز ہوا میں لہراتے رتنا کے بالوں پر گر رہے تھے اور گھوڑا ہستنا پور کی طرف جانے والی تنگ، مٹیالی اور بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی پر سر پٹ دوڑ رہا تھا۔

اسلم راہی - ایم - اے

مکان ۹۴-۹۵ کمرشل ایریا، ڈرگ کالونی ۲
کراچی ۲۵

ختم شدہ